تزکیۂ نفس کے اُصول اور سلاسلِ تصوف کا طریقِ تربیت

(قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ)

(پی-ایچ-ڈی علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار

عاصم اقبال

پی-ایچ-ڈی اسکالر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

رجسٹریشن نمبر:(679-PhD-IS-S17)

شعبہ اسلامی فکر وثقافت، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2017–2022ء

تزکیۂ نفس کے اُصول اور سلاسلِ تصوف کا طریقِ تربیت

(قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ)

(پی-ایچ-ڈی علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار

عاصم اقبال (پی-ایچ-ڈی اسکالر)

رجسٹریشن نمبر:(679-PhD-IS-S17)

نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

شعبہ اسلامی فکر وثقافت، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(2017-2022ء)

©(عاصم اقبال)

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے۔وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: تزکیۂ نفس کے اُصول اور سلاسلِ تصوف کا طریقِ تربیت

(قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ)

Principles of Self-Purification and training methods of Sufi orders

(An analytical study in the light of Quran and Sunnah)

نام ڈگری: پی-ایچ-ڈی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: عاصم اقبال

رجسٹریشن نمبر: 679-PhD-IS-S17

ڈاکٹر نور حیات خان

(نگران مقالہ) ________________ دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

(صدر شعبہ اسلامی فکر وثقافت) ________________ دستخط صدر شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) محمد جعفر

(ریکٹر نمل) ________________ دستخط ریکٹر

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں **عاصم اقبال** ولد **محمد رفیق** رول نمبر: DSS-PD-(S17)-104 رجسٹریشن نمبر: 679-PhD-IS-S17 طالب علم، پی ایچ ڈی شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: تزکیۂ نفس کے اُصول اور سلاسلِ تصوف کا طریقِ تربیت

(قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

Principles of Self-Purification and training methods of Sufi orders

(An analytical study in the light of Quran and Sunnah)

پی-ایچ-ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر نور حیات خان** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **عاصم اقبال**

دستخط مقالہ نگار: ______________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract

Allah Almighty sent Messengers and Prophets for human guidance, success and salvation. Prophet Muhammad (ﷺ) is the last link in this chain that was started on the earth by Adam (AS). In the Holy Qur'ān, Allah Almighty mentioned four duties of Prophetic life in four different places. The most significant of these duties of the Prophet Muhammad (ﷺ) is self-purification, while other duties are also for the accomplishing this fundamental responsibility. According to the Qur'ānic teachings, the real and lasting success of man depends on self-purification. This thesis intends to discuss relevant principles and methods for achieving this goal in the light of the Qur'ān and Sunnah. This research has been divided into four sections. The first part deals with the importance and usefulness of self-purification and the beginning and evolution of Sufism. The second part includes the training method of Sufism. The third part deals with the social services of the Sufis and their active role in the communal betterment. The fourth and final part describes the importance and usefulness of the monastic system and Sufi orders in modern times and its current and desired role in solving modern problems. Employing narrative and analytical research methods we discussed the manner and technique for training (tarbiyya) of the four spiritual disciplines (Qādriyya, Chishtia, Suhrawardiya and Naqshbandiyya) and their preaching and way of action (sulūk) including their social and economic services. This work incorporates the social, economic, and religious significance and usefulness of the monastic system in modern times. This dissertation concludes that Islamic spiritual Sufi orders and disciplines in terms of their origin and purposes function under a very comprehensive and effective system. It has played its role in solving individual and social problems. With the passage of time, the institutions of Sufism, like other branches of religion, have declined. There are shortcomings and weaknesses, for which the administrators of government institutions and monasteries have been suggested to understand and remove these defects from the monastic system in accordance with the methods and teachings of earlier Sufi practices. In view of Qur'ānic teachings, the monastic system can play its role to resolve the social issue, providing mental peace and love peace and love in a better way according to the requirements of modern times.

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
VIII	اظہارِ تشکر (A Word of thanks)	1.
IX	انتساب (Dedication)	2.
1	مقدمہ	3.
11	**باب اول: تزکیۂ نفس کا اسلامی تصوّر اور سلاسلِ تصوف کا تعارف**	4.
12	**فصل اول: تزکیۂ نفس کی حقیقت، ضرورت اور اہمیت**	5.
13	بحث اول: تزکیۂ نفس : معانی و مفہوم	6.
24	بحث دوم: تزکیۂ نفس کی حقیقت	7.
26	بحث سوم: تزکیۂ نفس ضرورت و اہمیت	8.
33	**فصل دوم: تزکیۂ نفس کے اغراض و مقاصد اور اصول و ضوابط**	9.
34	بحث اول: تزکیہ نفس کے بنیادی اغراض و مقاصد	10.
39	بحث دوم: تزکیہ نفس کے اصول و ضوابط	11.
55	**فصل سوم: تصوف: معنیٰ و مفہوم، حقیقت اور آغاز و ارتقاء**	**12.**
56	بحث اول: تصوف کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم	**13.**
62	بحث دوم: تصوف کی حقیقت اور اغراض و مقاصد	**14.**
65	بحث سوم: تصوف کا آغاز و ارتقاء	**15.**
71	**فصل چہارم: سلاسلِ تصوف کا تعارف اور آغاز و ارتقاء**	16.
72	بحث اول: تعارف سلسلہ قادریہ	17.
75	بحث دوم: تعارف سلسلہ چشتیہ	18.
78	بحث سوم: تعارف سلسلہ سہروردیہ	19.

82	بحث چہارم: تعارف سلسلہ نقشبندیہ	.20
85	**باب دوم: تزکیۂ نفس میں سلاسلِ تصوف کے تربیتی طریقِ کار کا جائزہ**	.21
87	**فصل اول: تزکیۂ نفس میں سلسلہ قادریہ کا تربیتی طریقِ کار و خصوصیات**	.22
88	بحث اوّل: تصوّرِ بیعت اور قرآن سنت میں اس کی اہمیت	.23
93	بحث دوم: سلسلہ قادریہ کے تربیتی نظام کے بنیادی نکات	.24
104	بحث سوم: سلسلہ قادریہ کے تربیتی نظام کی خصوصیات	.25
108	**فصل دوم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ چشتیہ کا تربیتی طریقِ کار و خصوصیات**	.26
109	بحث اوّل: سلسلہ بیعت اور مقصدِ بیت	.27
111	بحث دوم: سلسلہ چشتیہ کے تربیتی نظام کے بنیادی اور اہم نکات	.28
123	بحث سوم: سلسلہ چشتیہ کے تربیتی نظام کی خصوصیات	.29
126	**فصل سوم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ سہروردیہ کا تربیتی طریقِ کار و خصوصیات**	.30
127	بحث اوّل: سلسلہ سہروردیہ کے نظامِ تربیت کے بنیادی نکات	.31
136	بحث دوم: سلسلہ سہروردیہ کے مخصوص اوراد اور وظائف	.32
139	بحث سوم: سلسلہ سہروردیہ اور اس کے تربیتی نظام کی خصوصیات	.33
141	**فصل چہارم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ نقشبندیہ کا تربیتی طریقِ کار و خصوصیات**	.34
142	بحث اوّل: سلسلہ نقشبندیہ کی مخصوص اصطلاحات	.35
148	بحث دوم: سلسلہ نقشبندیہ کے نظامِ تربیت کے بنیادی نکات	.36
154	بحث سوم: سلسلہ نقشبندیہ اور اس کے نظامِ تربیت کی خصوصیات	.37
157	**باب سوم: سلاسلِ تصوف کی اصلاحِ معاشرہ میں کاوشیں اور ان کے معاشرتی اثرات**	.38
159	**فصل اول: اشاعتِ دِین میں صوفیاء کرام کی کوششیں اور ان کے اثرات**	.39
160	بحث اول: صوفیائے کرام کے عقائد و نظریات	.40
165	بحث دوم: صوفیاء کرام کی غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام اور اس کے مثبت اثرات	.41

175	بحث سوم: امراء وسلاطین کی دینی اصلاح کی کوششیں اور ان کے ثمرات	.42
185	بحث چہارم: عوام الناس کے عقائد کی اصلاح کی کاوشیں اور ان کے اثرات	.43
192	**فصل دوم: خانقاہی نظام کا افراد کے تزکیہ نفس میں کردار اور اثرات**	.44
194	بحث اوّل: خلفاء ومریدین کا تزکیہ اور اس کے اثرات	.45
199	بحث دوم: عوام الناس کا تزکیہ نفس اور اس کے اثرات	.46
203	بحث سوم: سلاطین وامراء کا تزکیہ اور اس کے اثرات	.47
207	**فصل سوم: معاشرتی اصلاح میں خانقاہی نظام کا کردار اور اس کے اثرات**	.48
208	بحث اوّل: معاشرتی امن وامان کے قیام میں خانقاہوں کا کردار	.49
210	بحث دوم: مساواتِ انسانی، اخوت اور بھائی چارے کے فروغ میں خانقاہی نظام کا کردار	.50
213	بحث سوم: مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کے فروغ میں خانقاہی نظام کا کردار	.51
216	بحث چہارم: سماجی واخلاقی برائیوں کے خاتمے میں خانقاہوں کا کردار	.52
218	**فصل چہارم: خانقاہی نظام کی معاشی واقتصادی خدمات واثرات**	.53
219	بحث اوّل: خانقاہی نظام میں لنگر خانوں کا قیام اور اس کی اہمیت وافادیت	.54
230	بحث دوم: خانقاہوں اور مزارات کی آمدنی کے مختلف ذرائع	.55
237	بحث سوم: خانقاہوں اور مزارات کی معاشی واقتصادی خدمات واثرات	.56
247	**باب چہارم: عصرِ حاضر میں پاکستان کا خانقاہی نظام اور معروف صوفیاء کرام (تجزیاتی مطالعہ)**	.57
248	**فصل اول: خانقاہی نظام کا تعارف اور آغاز وارتقاء**	.58
249	بحث اوّل: خانقاہی نظام تعارف اور معنیٰ ومفہوم	.59
251	بحث دوم: خانقاہی نظام کا آغاز وارتقاء	.60
253	بحث سوم: خانقاہی نظام کی اہمیت وافادیت	.61
261	**فصل دوم: سلاسلِ تصوف کی اہم خانقاہیں اور مراکز**	.62
262	بحث اوّل: سلسلہ قادریہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات	.63

.64	بحث دوم: سلسلہ چشتیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات	264
.65	بحث سوم: سلسلہ سہروردیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات	270
.66	بحث چہارم: سلسلہ نقشبندیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات	273
.67	**فصل سوم: عصرِ حاضر میں سلاسلِ تصوف کے معروف صوفیاء کرام اور تعلیمات**	275
.68	بحث اوّل: سلسلہ قادریہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات	276
.69	بحث دوم: سلسلہ چشتیہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات	278
.70	بحث سوم: سلسلہ سہروردیہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات	287
.71	بحث چہارم: سلسلہ نقشبندیہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات	291
.72	**فصل چہارم: عصرِ حاضر کے اہم مسائل میں خانقاہی نظام کے کردار کا جائزہ**	296
.73	بحث اوّل: دورِ جدید کے اہم فکری و دینی مسائل اور ان کا تدارک	298
.74	بحث دوم: دورِ جدید کے اہم علمی و تعلیمی مسائل اور ان کا تدارک	304
.75	بحث سوم: دورِ جدید کے اہم معاشی مسائل اور ان کا تدارک	313
.76	بحث چہارم: خانقاہی نظام کے منفی رجحانات، اثرات اور ان کا تدارک	321
.77	نتائج	327
.78	تجاویز وسفارشات	329
.79	فہرست آیاتِ قرآنیہ	331
.80	فہرست احادیثِ مبارکہ	334
.81	فہرست اعلام	336
.82	فہرست اماکن	338
.83	فہرست مصادر و مراجع	339

اظہار تشکر

تمام تعریفیں اور شکر کے تمام نذرانے اللہ تعالیٰ کے نام کہ جس کے احسانات کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ اسی کا یہ بھی احسان عظیم ہے کہ اس نے تحقیق کے جملہ مراحل میں اپنے فضل و کرم سے تیسر کی نعمت سے نوازا اور اس کی توفیق سے تحقیق کا یہ کام انجام خیر کو پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من لا يشكر الناس لا يشكر الله))[1]

(جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔)

آقا کریم ﷺ کے اسی فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے میں اپنے جملہ محسنین کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں۔ میں بالخصوص اپنے نگران مقالہ ڈاکٹر نور حیات خان صاحب کا ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے انتخاب موضوع سے لے کر مقالے کی تکمیل تک اپنی فاضلانہ سوچ، ناقدانہ طرزِ جستجو اور محققانہ انداز فکر سے نہ صرف میری راہنمائی فرمائی۔ بلکہ اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی شفقت سے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ اسی طرح میں شعبہ علومِ اسلامیہ کے دیگر اساتذہ کرام کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے دوران تحقیق میری راہنمائی کی۔

میں شعبہ اسلامی فکر و ثقافت کا بے حد شکر گزار ہوں۔ بعد ازاں میں بے حد ممنون ہوں جناب پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، لائبریریوں کے عملے، کلاس فیلوز، اور ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس تعلیمی و تحقیقی سفر میں میری مسلسل حوصلہ افزائی اور ممکنہ مدد فرمائی۔ میں اپنے والدین، بہن بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی دعاؤں ، محبتوں اور راہنمائی نے دین اسلام کی خدمت کو مقصد حیات بنایا اور میری تعلیم کے اتنے طویل دورانیے میں ہمیشہ اپنی دعاؤں اور محبتوں سے نوازا۔ میں اپنی شریکِ حیات کا بھی ممنون و مشکور ہوں جس نے ہر ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی اور تحقیقی کام کو سہل بنانے میں میری معاونت کی۔ خالقِ کائنات انھیں اپنی جملہ نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔

عاصم اقبال

پی-ایچ-ڈی شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

[1] ترمذی، محمد بن عیسیٰ،سنن ترمذی،کتاب، البر و الصله، بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي ،مصر ، الطبعة الثانية، 1395ھ ،حديث 1954

انتساب

اپنے والدین، شریکِ حیات اور اساتذہ کرام کے نام
جن کی محبتوں، شفقتوں، بلند عزائم اور دعاؤں نے
مجھ مشت خاک کو سرفراز فرمایا

مقدمہ

تعارفِ موضوع

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے انبیاءِ کرام ورسلِ عظام کا جو سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا اس کی آخری کڑی پیغمبرِ اسلام سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لیے قیامت تک کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چار بنیادی فرائض نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا جن میں سے ایک اہم فریضہ تزکیہ نفوسِ انسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيهِمۡ﴾[1]

(اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کردے انہیں۔)

تزکیہ نفس ایک قرآنی اصطلاح ہے جن کے مفہوم میں دو اہم بنیادی چیزیں شامل ہیں۔ **اوّل:** نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کرنا۔ **دوم:** اس کی نشوونما کرنا۔ یوں تزکیہ نفس سے مراد نفوسِ انسانی کو ہر قسم کے رزائل کی آلودگی سے پاک کر کے اخلاق حمیدہ سے مزین کرنا ہے۔ اسی تزکیہ نفس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور یہی نبی آخر الزمان ﷺ کی بنیادی ذمہ داریوں میں بھی شامل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی کو کل چار مقامات پر بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كَمَآ أَرۡسَلۡنَا فِيكُمۡ رَسُولٗا مِّنكُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡكُمۡ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ﴾[2]

---

[1] البقرۃ: 129

[2] البقرۃ: 151

(جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت۔)

سورت آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی مکرم کی بعثت کو مومنوں پر اپنا احسان عظیم قرار دیتے ہوئے تیسری مرتبہ ان فرائضِ منصبِ نبوتِ محمدی ﷺ کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾[1]

(یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انھیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انھیں اور سکھاتا ہے انھیں کتاب وحکمت۔)

پھر اللہ تعالیٰ نے چوتھی اور آخری بار نبی مکرم ﷺ کے فرائض چہار گانہ کا ذکر سورۃ الجمعۃ میں درج ذیل الفاظ میں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾[2]

(وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔)

مفسر قرآن مولانا ادریس کاندھلویؒ فرائضِ نبوتِ محمدی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور وہ رسول ﷺ اپنی ظاہری تعلیم وتربیت اور باطنی فیض صحبت سے ان کے دلوں کو گناہوں کے زنگ اور کدورت سے پاک وصاف کرکے مثل آہینہ کے مجلّیٰ ومصفیّٰ بنادے کہ انوار وتجلّیات کا عکس

---

[1] آل عمران: 164

[2] الجمعہ: 2

قبول کرنے لگیں۔ اور حدیث میں جو العلماء ورثۃ الانبیاء آیا ہے اس کے صحیح مصداق وہی علما ربّانیّین ہیں جو کتاب وسنت کی تعلیم کے ساتھ زنگ آلود نفوس کو صیقل کر کے مثل آئینہ کے بنا دتے ہوں۔"[1]

مفسر قرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری تزکیۂ نفس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"صرف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت سے ہی فریضۂ رسالت ادا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اپنی نگاہ رحمت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور مطہر کر دیں۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یتلو علیہم سے اس استفادے کی طرف اشارہ کیا گیا جو زبان قال سے صحابہ کو نصیب ہوا اور یزکیھم سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرمادیا جو نبوت کی نگاہ فیض اثر اور توجہ باطنی سے انہیں میسر آتا تھا۔ اولیائے کرام اپنے مریدین پر اسی سنت نبوی کے مطابق انوار کا القا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دل اور ان کے نفوس پاک اور طاہر بن جاتے ہیں۔"[2]

قرآن وسنت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تزکیۂ نفس نہ صرف پیغمبرِ اسلام خاتم النبین جناب رسالت مآب ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا بلکہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہ السّلام کا بھی فریضہ رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱذۡهَبۡ إِلَىٰ فِرۡعَوۡنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ فَقُلۡ هَل لَّكَ إِلَىٰٓ أَن تَزَكَّىٰ ﴾[3]

(جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے۔)

اسی طرح سورت اعلیٰ میں نفس کی پاکیزگی کو فلاح وکامرانی کی کلید قرار دینے کے بعد فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذَا لَفِي ٱلصُّحُفِ ٱلۡأُولَىٰ ﴾[4]

(یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔)

---

1 کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن، مکتبہ المعارف حسینیہ، 1419ھ، جلد 1، ص 290

2 الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1999ء، جلد 5 ص 231

3 النازعات: 17-18

4 الاعلیٰ: 18

درج بالا آیاتِ قرآنیہ میں بیان کردہ فرائض محمدی ﷺ میں سے ایک اہم فریضہ تزکیۂ نفس بھی ہے۔ اسی تزکیہ نفس کا حصول مختلف سلاسلِ تصوف کے صوفیائے کرام کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد ہے جس کے لیے ان سلاسلِ تصوف نے مختلف اصول وضوابط وضع کیے اور ان اصولوں کی بنیاد پر ایک پورا نظام ترتیب دیا۔ اس مقالے میں قرآنی اصطلاح تزکیہ نفس اور اس کے حصول کے لیے سلاسلِ تصوف کے تربیتی نظام کا جائزہ لیا گیا ہے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت

انسان کا اپنے خالق ومالک کے ساتھ تعلق اور ربط ایک ضروری چیز ہے۔ یہ تعلق اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب انسان خود کو حسنِ اخلاق سے متصف کرے اور رزائل اخلاق سے پاک وصاف کرے گا۔ تزکیۂ نفس کے مفہوم میں یہی دو چیزیں بنیادی حیثیت میں نظر آتی ہیں۔ یعنی نفس کی نشوونما کرنا اور گناہوں کی آلودگی سے پاک کرنا۔ دینِ اسلام میں تزکیہِ نفس کی بہت بنیادی اہمیت ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں نفوسِ انسانی کے تزکیے کو نبی مکرم ﷺ کے چار بنیادی فرائض و ذمہ داریوں میں ایک اہم فرض کے طور پر بیان فرمایا۔ تزکیۂ نفس کی اہمیت وافادیت کو واضح کرتے ہوئے مفسرِ قرآن امین احسن اصلاحی اپنی مایہ ناز تصنیف "تزکیۂ نفس" میں قرآنی آیات میں بیان کردہ فرائضِ نبوت کی ترتیب سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اگر یہ سوال کیا جائے کہ انبیاء کرام علیہ السّلام کی بعثت سے اللہ تعالیٰ کا حقیقی مقصود کیا ہے؟ وہ کیا غرض ہے جس کے لیے اس نے نبوت ورسالت کا یہ سلسلہ جاری کیا اور شریعت اور کتابیں نازک فرمائیں؟ تو اس کا صحیح جواب ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ۔۔ نفوس انسانی کا تزکیہ "[1]

یہی تزکیہ نفس وہ اہم اور چیز ہے کہ جس کی بنا پر ہم آخرت میں کامل کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تزکیہِ نفس کو آخروی کامیابی وکامرانی کی بنیادی کلید قرار دے کر کئی مقامات پر کامیابی وکامرانی کو اس کے ساتھ جوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

1 اصلاحی، امین احسن، تزکیہ نفس، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1994ء جلد 1، ص 15

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّىٰهَا وَقَدۡ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ﴾[1]

(یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔)

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ﴾ [2]

(بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔)

اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کے تمام اعمال کی قبولیت ورد ّکا مدار اور بنیاد انسان کی اچھی بری نیت ہوتی ہے۔ جب تک انسان کی نیت درست نہ ہو تو انسان کے تمام اعمال بے کار و بے فائدہ ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس چیز کو ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا: " اعمال کا در مدار نیّتوں پر ہوتا ہے۔"[3] نیت انسان کے دل کے پختہ ارادے کا نام ہے۔ دل یا قلب کی پاکی کے بغیر انسان کی نیت بھی درست نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اعمال کی قبولیت میں بھی تزکیہ و تصفیہِ نفس کا ایک بنیادی کردار ہے۔

تزکیہ نفس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔ اگر انسان کا باطن یعنی قلب و روح کا تزکیہ ہو گا تو یہی نیک اور صالح اعمال کا باعث بنیں گے۔ انسان کے ظاہری اعمال و افعال سے زیادہ اہمیت نیت، ارادے کی ہے جس کا تعلق انسانی قلب سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ ، وَأَمْوَالِكُمْ ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ و اعمالكم))[4]

(بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔)

زیرِ نظر موضوعِ تحقیق کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن و سنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کا مفہوم، اس کی حقیقت اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں اس کا طریق کار، ان تمام چیزوں کو تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا۔ نیز تزکیۂ نفس کے اسلامی

---

[1] الشمس: 9-10

[2] الاعلیٰ: 14

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول ﷺ، ح 1

[4] القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم ، كِتَاب الْبِرِّ ، وَالصِّلَةِ ، وَالْآدَابِ، بَاب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ ، وَخَذْلِهِ ، ح 6543

اصولوں کی روشنی میں سلاسلِ تصوف کے طریقِ تربیت اور تزکیۂ نفس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا گیا ہے جو کہ تصوف کا شغف رکھنے والے طلباء اور محققین کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

تزکیہ واصلاحِ نفس کے موضوع پر دستیاب تحقیقی کام میں اس حوالے سے تشنگی پائی جاتی ہے کہ اصلاح وتزکیۂ نفس کے اسلامی اصولوں کی روشنی میں موجودہ پاکستانی خانقاہی نظام کے طریقِ تربیت کا عموماً اور سلاسلِ تصوف کے طریق کار کا خصوصاً جائزہ لیا جائے اور ان کے مشترکات ومختلفات کو بیان کیا جائے۔اسی ضرورت کے پیشِ نظر موضوع (تزکیۂ نفس کے اصول اور سلاسلِ تصوف کا طریقِ تربیت) کا انتخاب کیا گیا۔

عصر حاضر میں بہت سے لوگ تصوف کے بارے میں، جو کہ اپنے مقاصد کے اعتبار سے تزکیۂ نفس کا ہی دوسرا نام ہے، افراط و تفریط کا شکار ہیں لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیہ نفس کی حقیقت اور اس کے اصول ومبادی کو واضح کیا گیا اور ان کی روشنی میں سلاسلِ تصوف کے طریقِ تربیت کا جائزہ لیا گیا۔اس اعتبار سے موضوع تحقیق کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

زیرِ نظر موضوع تحقیق کی افادیت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے:

- تزکیۂ نفس کے بارے میں قرآن وسنت میں موجود اصطلاحات اور اصول وضوابط کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔
- تزکیۂ نفس کے اسلامی اصولوں کو آئینہ بناتے ہوئے سلاسلِ تصوف کے طریقِ تربیت کا مطالعہ کیا گیا ہے۔
- قرآن وسنت میں تزکیۂ نفس کے بارے میں چونکہ اصول وضوابط بکھرے ہوئے ہیں جن کا مطالعہ کرنا اور ان سے آگاہی حاصل کرنا، طلباء اور محققین کے لیے ایک مشکل اور وقت طلب کام ہے۔ تکمیل مقالہ کہ بعد یہ تمام مواد ایک ہی جگہ کتابی صورت میں میسر ہو گیا ہے جس سے استفادہ کرنا آسان ہو گیا ہے۔
- سلاسلِ تصوف کے طریقِ تربیت وتزکیۂ نفس کے بارے میں آگاہی حاصل ہو گئی۔ نیز اس نظام کی بہتری کے لیے راہنمائی بھی میسر ہوئی۔
- پاکستانی خانقاہی نظام اور جدید معاشرتی مسائل کے حل میں اس کے کردار واثرات کے بارے میں آگاہی حاصل ہوئی۔

سوالاتِ تحقیق

- قرآنی اصطلاح تزکیہ نفس اور اس کے اصول وضوابط کون کون سے ہیں؟
- تصوّف کے سلاسلِ اربعہ کا تزکیہ نفس اور اصلاحِ معاشرہ میں تربیتی طریقِ کار کیا ہے؟
- معاشرتی اصلاح میں صوفیائے کرام کی خدمات کا جائزہ لینا کیوں اہم ہے؟
- معاشرتی اصلاح میں پاکستانی خانقاہی نظام کا کیا کردار رہا ہے اور اس کے کیا کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

مقاصدِ تحقیق

اس تحقیق کے درج ذیل مقاصد پیشِ نظر ہیں:

- قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کی حقیقت اور اس کے اصول وضوابط پر بحث وتحقیق کرنا
- اصلاحِ معاشرہ میں تزکیہ نفس کے مقام اور سلاسلِ اربعہ کے تربیتی طریقِ کار کے کاوشوں کو جانچنا
- معاشرتی اصلاح میں پاکستانی خانقاہی نظام کی کوششوں اور ان کے اثرات کا جائزہ لینا
- جدید معاشرتی مسائل کے حل میں خانقاہی نظام کے مطلوبہ کردار کی بہتری کے لیے تجاویز وسفارشات مرتب کرنا

حدودِ تحقیق

زیرِ نظر موضوعِ تحقیق میں قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کی حقیقت اور اصولوں کو بیان کیا گیا اور ان اصولوں کی روشنی میں تزکیہ نفس سے متعلق تصوف کے چار معروف سلاسل (سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) کے تربیتی طریقِ کار اور ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان میں ان سلاسلِ تصوف کی خانقاہوں ،مزارات اور صوفیائے کرام کا تعارف تعلیمات اور جدید مسائل کے حل میں ان کے کردار کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ

منتخب کردہ موضوعِ تحقیق سے متعلقہ درجہ ذیل حوالوں سے تحقیقی کام موجود ہے:

1:۔اتحادامت اور برصغیر کے معروف صوفیائے کرام کی تعلیمات وخدمات گیارہویں صدی ہجری تک:(پی-ایچ-ڈی)،از حافظ اللہ یار، نمل اسلام آباد،2012ء

یہ مقالہ مجموعی طور پر معاشرتی امن وسلامتی اور خاص طور پر امت کے اتحاد کے حوالے سے برصغیر کے معروف صوفیاء کی تعلیمات پر مبنی ہے۔صوفیاء کرام اور سلاسل تصوف کے طریقہ تربیت کے حوالے سے اس میں کمی پائی جاتی ہے۔

2:۔ تزکیۂ نفس کے لیے تصوف کی ضرورت واہمیت:(عصر حاضر کے حوالے سے)(پی-ایچ ڈی)مقالہ نگار خواجہ محمد اشرف،کلیہ معارف اسلامیہ،یونیورسٹی آف کراچی،2006ء

مقالہ نگار نے اس مقالے میں تزکیۂ نفس کے حوالے سے تصوف کی ضرورت واہمیت پر بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔لیکن یہ تحقیق عمومی طور پر تصوف اور اس کی ضرورت واہمیت پر مشتمل ہے اور یہ کہ عصر حاضر میں تزکیۂ نفس کے لیے تصوف ایک ضروری چیز ہے۔لیکن اس میں مروّجہ تصوف کے طریقہ کار اور خاص طور پر سلاسلِ تصوف کے طریقِ تربیت کے بارے میں جاننے کے حوالے سے تشنگی پائی جاتی ہے۔

3:۔ خانقاہی نظام اور اجتماعی زندگی پر اس کے اثرات: (پی-ایچ-ڈی)مقالہ نگار امان اللہ بھٹی،شعبہ علوم اسلامیہ ،یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور،2004

یہ مقالہ خاص خانقاہی نظام کے حوالے سے ہے۔مقالہ نگار نے پاکستان کے حوالے سے خانقاہی نظام کے اجتماعی زندگی پر اثرات کے بارے میں ایک مفصل اور مدلّل کوشش کی ہے لیکن اس میں خانقاہی نظام کے طریقہ کار بارے میں اور خاص طور پر سلاسل اربعہ کے تربیتی طریقِ کار کے حوالے سے کمی پائی جاتی ہے۔

4:۔ اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی جائزہ) ڈاکٹر محمد امین کی تالیف ہے جس کو ادارہ اردو سائنس بورڈ لاہور نے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے۔مصنف نے اس کتاب میں اسلامی تزکیۂ نفس کا مغربی نفسیات کے ساتھ تقابل

پیش کیا ہے۔ لیکن یہ کوشش بھی صرف تزکیۂ نفس تک محدود ہے۔ سلاسل تصوف اور ان کے طریقہ کار کے بارے میں کام کی ضرورے باقی ہے اسی ضرورے کے پیشِ نظر اس موضوع کا انتخاب کیا گیا۔

5:۔ برصغیر میں معروف سلاسلِ تصوف کا منہجِ دعوت اور ان کے معاشرتی اثرات: (ایم فل) مقالہ نگار سجاد حسین، شعبہ علوم اسلامیہ (فاصلاتی تعلیم)، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔ (2015)

یہ مقالہ سلاسل تصوف کے بارے میں لکھا گیا ہے لیکن اس میں صرف ان کے منہج دعوت کے بارے میں تفصیل سے لکھا گیا ہے جبکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ سلاسل تصوف کے پورے نظام تربیت کو انفرادی اور اجتماعی حوالے سے تحقیقی انداز میں پیش کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

6:۔ تاریخِ تصوف، مصنف: پروفیسر یوسف سلیم چشتی، علما اکیڈمی محکمہ اوقاف لاہور، 1976ء

تصوف اور اس کی تاریخ کے حوالے سے اردو زبان میں یہ ایک بنیادی کتاب ہے جس میں مصنف نے تصوف کے بنیادی مباحث اور کی تاریخ اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات کو بڑے جاندار اور مدلّل انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندی، یونانی اور اسلامی تہذیب میں تصوف اور اس کے آغاز وارتقاء اور فلسفہ کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں سلاسلِ تصوف اور ان کے صوفیاء کرام کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

7:۔ تاریخِ سہروردیہ، مصنف: ڈاکٹر محمد سعید، گیلانی پرنٹرز، کراچی، 2001ء،

بنیادی طور پر یہ کتاب پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا جسے مقالہ نگار محمد سعید نے "سلسلہ سہروردیہ کی ہند میآمد اور علاقے پر اس کے اثرات" کے نام سے کراچی یونیورسٹی سے مکمل کیا۔ اس مقالے میں بطورِ خاص اس خاص سلسلے کی تاریخ اور دینی خدمات کے حوالے سے تحقیق کی گئی ہے۔

8:۔ کتاب اللمع فی التصوف، مصنف: ابو نصر سراج الطوسی، دارالکتب الحدیثیہ، مصر، 1960ء

تصوف اور صوفیاء کے حوالے سے لکھی گئی کتب میں سے یہ کتاب قدیم ترین ہے جو تقریباً چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں تصوف کے بنیادی مباحث کے علاوہ صوفیائے کرام کے ہاں معروف مختلف اور خاص

اصطلاحات پر بڑی جامع بحث کی گئی ہے اور تصوف و صوفیائے کرام پر اٹھنے والے اعتراضات اور سولات کے جواب بھی دیے گئے ہیں۔

9:۔کتاب التعرف المذہب اہل التصوف، شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن یعقوب کلا باذی، مکتبہ الخناجی، قاہرہ، 1933ء

تصوف اور تاریخِ صوفیائے کرام پر ابتدائی صدیوں میں لکھی جانے والی کتب میں سے ایک اہم کتاب ہے جو تقریباً چوتھی صدی ہجری میں تصنیف کی گئی۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر صوفیائے کرام کے عقائد و نظریات کے علاوہ ان کے معمولات و اصطلاحاتِ تصوف پر بحث کی گئی ہے۔

10:۔التصوف المنشاء و المصادر، مصنف: احسان الٰہی ظہیر، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، 1986ء

یہ کتاب تاریخِ تصوف کے حوالے سے انتہائی اہم ہے جس کا اردو زبان میں ترجمہ حافظ محمد مسعود نے کیا گیا ہے۔ مصنف موصوف نے تصوف کی بنیادی تعریفات، لغوی اشتقاق، آغاز و ارتقاء اور اصطلاحاتِ تصوف پر انتہائی جاندار انداز میں تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔

11:۔تاریخِ مشائخِ چشت، مصنف: خلیق احمد نظامی، مشتاق بک کارنر، لاہور،

مذکورہ کتاب بنیادی طور پر صرف سلسلہ چشتیہ کی تاریخ اور اس کے مشائخ کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ ابتدائی صفحات میں تصوف کے تعارف اور دیگر سلاسلِ تصوف کا مختصر تعارف بھی کروایا گیا ہے۔

12:۔سندھ کے اکابرین قادریہ کی علمی و دینی خدمات، مقالہ نگار: فریدالدین قادری، قادری پبلیکیشنز، کراچی، 1998ء

13:۔سندھ کے صوفیاء نقشبند، مصنف: ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر، رکنِ اسلام پبلیکیشنز، حیدر آباد، 1996ء

14:- An Introduction to the history of Sufism, A-J Arberry, Longmans, Green and Co, London

15:- The Doctrine of the Sufis, A-J Arberry, Cambridge university press London, 1935

16:- Mstical Dimensions of Islam, Annemarie Schimmel, The University of North Carolina Press Chapel Hill, 1975

17:- The Saying and Teachings of the Great Mystics of Islam, M. Riaz Qadri, Abbasi publications Gujranwala, 2004

18:- Nizami, khaleeq ahmed, Some aspects of religion and politics in India during the thirteenth century, Aligarh Muslim university, 1961

19:۔ نقشبندی سلوک و تصوف، طاہر رضا بخاری، مجلہ جہات الاسلام، جامعہ پنجاب، لاہور، جلد 7 شمارہ 1، 2013

20:۔ مذہبی رواداری اور صوفیاء پنجاب، ارشد منیر لغاری و ڈاکٹر غلام علی خان، مجلہ ضیاء تحقیق، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، جلد 1 شمارہ 3، 2012ء

21:۔ التصوف فی الاسلام نشاتة وتطوره، پروفیسر محمد اقبال مجددی، مجلہ الاحسان، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، جلد 2 شمارہ 2۔

22:۔ شیخ عبدالقادر وطریقتہ فی التصوف، ڈاکٹر حسن جاف، الدراسات الاسلامیہ اسلام آباد، جلد 13، شمارہ 2، 1978ء

23:۔ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) کا اصلاحِ تصوف میں کردار، ڈاکٹر امان اللہ، ڈاکٹر احسان الرحمن غوری، مجلہ القلم، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جون 2010ء

24:۔ تزکیۂ نفس اور اسلامی زندگی پر اس کے اثرات، ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم، مجلہ السیرہ عالمی، مولانا سید زوار حسین اکیڈمی ٹرسٹ پاکستان، جلد 5، شمارہ 5، 2017ء

سطورِ بالا میں ذکر کردہ تحقیقی کام کی تفصیل کے بعد یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ منتخب کردہ موضوعِ تحقیق پر کام کی ضرورت ہے جو کہ ذکر کردہ تحقیقی کام سے ہر لحاظ سے مختلف ہے۔ زیرِ بحث موضوعِ تحقیق پر دستیاب تحقیقی مواد سے استفادہ کرتے ہوئے اس بات کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا گیا ہے کہ دور نبوی اور صحابہ کرام میں تزکیۂ نفس کے اصول اور تربیت کا نظام کیسا تھا؟ سلاسلِ تصوف کا طریقِ تربیت کس حد تک ان تعلیمات کے مطابق ہے اور کہاں کہاں ان میں عدمِ مطابقت پائی جاتی ہے؟ دور حاضر میں سلاسلِ تصوف کے ہاں رائج نظام تصوف کی بہتری اور مؤثر بنانے کے لیے تزکیۂ نفس کے اسلامی اصولوں سے کیسے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟

اسلوب وطریقہِ تحقیق

مقالہ کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔

1. زیرِ نظر موضوع تحقیق کے حوالے سے بیانیہ، تاریخی اور تجزیاتی طریقہِ تحقیق استعمال کیا گیا ہے۔
2. بنیادی طور پر تزکیہِ نفس کے اسلامی اصولوں کی روشنی میں تزکیۂ نفس کے مروّجہ طریقِ کار کا تجزیہ کیا گیا ہے۔
3. قرآن وحدیث کے علوم پر مشتمل بنیادی مصادر اور کتب کے علاوہ تصوف، تاریخِ تصوف اور صوفیائے کرام کی سیرت وسوانح پر لکھی گئی بنیادی کتب سے بھی ضرورتاً استفادہ کیا گیا ہے۔
4. مقالہ کی تیاری کے حوالے سے جامعہ نمل اسلام آباد کا منظور شدہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

بابِ اوّل:

تزکیۂ نفس کا اسلامی تصوّر اور سلاسلِ تصوف کا تعارف

فصل اول: تزکیۂ نفس کی حقیقت، ضرورت اور اہمیت

فصل دوم: تزکیۂ نفس کے اُصول اور اغراض و مقاصد (قرآن و سنت کی روشنی میں)

فصل سوم: تصوف: معنٰی و مفہوم، حقیقت اور آغاز و ارتقاء

فصل چہارم: سلاسلِ تصوف کا تعارف اور آغاز و ارتقاء

باب اوّل

تزکیۂ نفس کا اسلامی تصوّر اور سلاسلِ تصوف کا تعارف

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے قرآن و سنت کی صورت میں ایک مکمل ضابطۂ حیات موجود ہے۔ قرآن و سنت انسان کی جہاں اسکے دینی و دنیاوی معاملات میں راہنمائی کرتے ہیں وہاں اس کی روحانی اور قلبی تسکین کا ساماں بھی فراہم کرتے ہیں۔ انسان روح اور جسم کا مرکب ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی اپنی ضروریات اور تقاضے ہوتے ہیں اسی طرح انسانی روح اور قلب کی بھی مختلف ضروریات اور تقاضے ہیں۔ دینِ اسلام میں ان دونوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مکمل ہدایات موجود ہیں۔ انسانی روح و قلب کی تطہیر ایک ایسی چیز ہے کے جس کے بغیر تمام اعمال وافعال بے معنیٰ ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اعمال کا در مدار نیّتوں پر ہوتا ہے۔"[1] نیت دل کے پختہ ارادے کا نام ہے۔ اگر انسانی قلب تمام رزائل اور مفسدات سے پاک نہیں ہو گا تو لازماً انسان کی نیت اور ارادہ بھی ناقص ہو گا۔

دینِ اسلام میں قلب و روح یا دوسرے معنوں میں نفس کی تطہیر اور پاکی کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر سب سے پہلے اس چیز کے بارے میں جاننا از حد ضروری ہے کہ اسلام میں تزکیۂ نفس اور تطہیرِ قلب و روح کا کیا تصوّر ہے اور قرآن و سنت میں اس کے حصول کے لیے کیا کیا اصول و ضوابط مقرر کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے باب اوّل کو درج ذیل چار فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔

فصل اول: تزکیۂ نفس کی حقیقت، ضرورت اور اہمیت

فصل دوم: تزکیۂ نفس کے اُصول وضوابط اور اغراض و مقاصد

فصل سوم: تصوف: معنیٰ و مفہوم، حقیقت اور آغاز وارتقاء

فصل چہارم: سلاسلِ تصوف کا تعارف اور آغاز وارتقاء

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول ﷺ، ح 1

فصلِ اوّل

تزکیۂ نفس کی حقیقت، ضرورت اور اہمیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح انداز میں ہر انسان کی فلاح اور نجاتِ آخرت کے لیے تزکیۂ نفس کو ایک بنیادی اور لازمی شرط قرار دیا ہے۔ اسی بنیادی شرط کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا ایک طویل سلسلہ شروع فرمایا اور تزکیہ نفس کو انبیاء کرام علیہ السّلام کی بعثت کا مرکز و محور قرار دیا۔ چناچہ قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے کہ آخرت میں انسان کی حقیقی اور لازوال کامیابی کا مکمل انحصار صرف اور صرف تزکیۂ نفس پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّىٰهَا وَقَدۡ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ﴾[1]

(یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔)

ایک دوسرے مقام پر اسی موضوع کو درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ﴾[2]

(بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔)

تزکیۂ نفس پر ہی جب انسانی کا فلاح مدار ہے تو یہ بات نہایت ضروری معلوم ہے کہ اس کی حقیقت، ضرورت و اہمیت اور مقاصد کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر اس فصل میں تزکیۂ نفس کی حقیقت اور غرض و غایت کے بارے میں تحقیق کے لیے اس فصل کو درج ذیل تین ابحاث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اول: تزکیۂ نفس : معانی و مفہوم

بحث دوم: تزکیۂ نفس کی حقیقت

بحث سوم: تزکیۂ نفس ضرورت و اہمیت

---

[1] الشمس: 9-10

[2] الاعلیٰ: 14

بحث اوّل

تزکیۂ نفس: معانی ومفہوم

تزکیۂ نفس، دو الفاظ تزکیہ اور نفس کا مجموعہ ہے۔ دونوں الفاظ عربی الاصل ہونے کے باوجود تزکیۃ النفس کی اصطلاح یا ترکیب ایک بار بھی قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوئی۔ اگرچہ تزکیہ کی اضافت نفس کی طرف قرآن مجید میں کئی مقامات پر ہوئی ہے اور عربی زبان میں بھی عام مستعمل ہے۔اس کے باوجود عربی زبان میں یہ اصطلاح عام طور پر ایسے استعمال نہیں ہوتی جیسے اردو زبان میں مستعمل ہے۔اس بحث میں تزکیہ اور نفس کے لغوی اور اصطلاحی معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

تزکیہ کا مادہ ز-ک-و(زکو) ہے۔لسان العرب میں میں تزکیہ کے درج ذیل معانی بیان کیے گئے ہیں:

میل کچیل زنک گندگی وغیرہ سے پاک کرنا، صاف کرنا، بڑھانا، نشوونما دینا، تعریف کرنا، ایک سے زیادہ ہونا، طاق عدد ہونا۔

"التزكية في اللغة مأخوذة من زكا يزكو زكاء، أي :نما وطهر، فالتزكية هي النماء والطهارة والبركة"[1]

(لغت میں تزکیہ کا لفظ زکا یزکو سے مشتق ہے یعنی بڑھنا اور پاک ہونا۔پس تزکیہ سے مراد بڑھوتری، پاکیزگی اور برکت ہے۔)

اسی معنٰی کی تائید امام ابن تیمیہ ؒ کی کی گئی تعریف سے بھی ہوتی ہے۔تزکیہ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَالتَّزْكِيَةُ وَإِنْ كَانَ أَصْلُهَا النَّمَاءُ وَالْبَرَكَةُ وَزِيَادَةُ الْخَيْرِ---------التزكية جعل الشيء زكيا إما في ذاته وإما في الَعتقاد"[2]

(تزکیہ اس کی اصل بڑھوتری، برکت اور خیر کا زیادہ ہونا ہے۔تزکیہ سے مراد کسی چیز کو اس کی ذات اور اعتقاد میں پاکیزہ بنانا ہے۔)

---

[1] ابن منظور، محمد بن مكرم الْفريقي المصري :لسان العرب ، دار صادر بيروت، ج 14، ص 358

[2] ابن تیمیة ، تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی (محقق: عبدالرحمن بن محمد بن قاسم) مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، 1416ھ، ج 10 ص 97

امام راغب اصفہانیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کے اصل معنٰی اس نمو کے ہیں جو برکت الٰہیہ سے حاصل ہو اس کا تعلق دنیاوی چیزوں سے بھی ہے اور اخروی امور کے ساتھ بھی۔[1]

تزکیہ کے مختلف معانی و مطالب میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تزکیہ کا لفظ اور اس مادہ کے معانی میں دو اہم مفاہیم اس کا لازمی جزء ہیں۔ ایک کسی چیز کو نشو و نما دینا، بڑھانا، افزائش کرنا، پروان چڑھانا اور فروغ دینا۔ دوسرا کسی چیز کو آلودگی سے پاک کرنا، خوشنما کرنا، خوبصورت بنایا، اصلاح کرنا، عمدہ بنانا اور ستھرا کرنا وغیرہ۔ یعنی تزکیہ سے مراد کسی چیز کو جملہ نقائص سے اس طرح سے پاک وصاف کیا جائے اور اس کی اس انداز میں افزائش کی جائے کہ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی فطری نمو اور بڑھوتری کے اعلیٰ معیار کو پہنچ سکے۔

نفس کا معنٰی و مفہوم

انسانی نفس کو یونانی زبان میں (Psyche) لاطینی زبان میں (Anima) اینیما انگریزی زبان میں (Soul) اور (Conscience) ضمیر اور عربی زبان میں نفس کہتے ہیں۔ لغت عربی میں یہ لفظ مؤنث اور اردو زبان میں مذکر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عربی الاصل لفظِ نفس کے کثیر معانی ہے اور اس کے اکثر و بیشتر معنی مجازی ہیں۔ لسان العرب میں نفس کے درج ذیل معانی بیان کیے گئے ہیں: کسی شيء کی ذات، حقیقت اور کلیت، عقل، حسِ تمیز، خون، روح، تنفس[2] لغت میں اگرچہ یہ لفظ کثیر معانی میں استعمال ہوتا ہے تاہم ان میں سے زیادہ استعمال درج ذیل معانی کے لیے ہوتا ہے۔

"النفس: بمعنى الروح، يقال: خرجت نفس فلاَن أي روحه-

النفس: بمعنى ذات الشيء وحقيقته، تقول: قتل فلاَن نفسه وأهلك نفسه- أي: أوقع الإهلاَك بذاته كلها، فالنفس هنا تطلق على الإنسان جميعه ، ونفس الشيء: ذاته-"[3]

---

[1] اصفہانی، راغب، مفردات القرآن، مترجم و حواش: مولانا محمد عبدہ فیروز پوری، اسلامی اکادمی لاہور، 1987ء ج1 ص434

[2] لسان العرب، ج 14 ص 358-359

[3] لسان العرب، ماده نفس، ج 6 ص 233

(نفس بمعنٰی روح: جیسے کہا جاتا ہے فلاں آدمی کا نفس نکل گیا یعنی اس کی روح۔ نفس بمعنٰی ذات: کسی چیز کی ذات یا حقیقت، جیسے تو کہے فلاں نے اپنے نفس کو قتل کر دیا اور ہلاک کر دیا۔ یعنی اپنے پوری ذات کو تباہ کر دینا۔ یہاں نفس کا اطلاق مکمل انسان پر کیا گیا ہے۔ کسی چیز کے نفس سے مراد اس کی ذات ہے۔)

عرب اہل لغت نے اس کے کم و بیش سولہ معانی بیان کئے ہیں۔ جن میں جان، روح، خون، جسم، نظر بد، شخص، ذات، پورے کا پورا، حقیقت امر، عظمتوں و کبر، ارادہ، عزت، ہمت، حمیت، عقوبت، غیب اور جوہر وغیرہ۔ مترادفات القرآن از عبدالرحمن کیلانی میں نفس کو قلب، فواد اور صدر کے مترادف استعمال کیا گیا ہے اور خواہشات کا مبداء اور ملجاء، آرزو کرنے والا اور خوش ہو جانے والے دل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔[1] گویا نفس خواہشات، احساسات اور جذبات کا مرکز ہے۔ خوش ہونے کا تعلق بھی اسی سے ہے۔

امام غزالیؒ نفس کے دو معنی لیتے ہیں پہلا یہ کہ نفس انسان وہ ہے جو قوت غضب اور شہوت کی ہے دوسرا یہ کہ نفس لطیفہ ربّانی ہے مختلف حالات واقعات کے موافق مختلف صفات سے موصوف ہوتا ہے۔[2] کتاب الروح میں علامہ حافظ ابن قیمؒ نفس کے متعدد معنی ذکر کرتے ہیں۔[3] مثلاً نفس، روح، خون، جسم، نظر اور ذات وغیرہ۔ شیخ ابو طالب مکی حارثیؒ کے نزدیک نفس کی جبلت حرکت ہے طیب اور حرص اس کے اوصاف ہیں[4] مزید لکھتے ہیں کہ نفس کی چار مزید جبلتیں ہیں اور خواہشات کی بنیاد بھی یہی ہیں۔[5] **پہلی جبلت ضعف:** یہ خشک مٹی کی فطرت کا تقاضا کرتا ہے۔ **دوسری جبلت بخل:** طین (تر مٹی) کی فطرت کا تقاضہ کرتا ہے۔ **تیسری جبلت شہوت:** اس کا باعث کیچڑ ہے۔ **چوتھی جہالت:** یہ خوش اور سوکھی مٹی کے باعث کا تقاضہ ہے۔

---

[1] کیلانی، عبدالرحمن، مترادفات القرآن، مکتبہ الاسلام لاہور، 2009ء، ص457

[2] غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء العلوم، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ج3 ص11

[3] ابن قیم، کتاب الروح، نفیس اکیڈمی، 1982ء، ص234

[4] ابو طالب محمد بن عطیہ، قوت القلوب، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1988ء، ج1 ص338

[5] قوت القلوب، ج1 ص342

گویا انسان اور اس کی ذات سے متعلق ہر چیز جزوی حیثیت میں نفس ہے اور ان تمام اجزا کا مجموعہ احساسات، جذبات، شخصیت و کردار، خواہشات، اور ظاہری و باطنی کل عناصر (مثلاً روح، قلب، فؤاد عقل) بھی نفس ہی کہلاتے ہیں۔

قرآن مجید میں نفس کا تصوّر اور استعمالات

قرآن مجید میں یہ لفظ کل دو سو ستاسٹھ (267) مرتبہ مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ذیل میں قرآنی آیات کے حوالے سے ہم ان مختلف معانی و مطالب کو بیان کرتے ہیں۔

نفس بمعنٰی ذاتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں نفس کے لفظ کو اپنی ذات کے لیے استعمال کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَٱللَّهُ رَءُوفٌۢ بِٱلْعِبَادِ﴾[1]

(اور خدا تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر۔)

اسی طرح سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ ۚ﴾[2]

(اس نے لازم کر لیا ہے اپنے آپ پر، رحمت فرمانا۔)

نفس بمعنٰی انسان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے لفظِ نفس کو انسان کی ذات اور شخصیت کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ اس معنٰی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ فرماتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾[3]

(ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی۔)

---

[1] آلِ عمران: 30

[2] الانعام: 12

[3] البقرہ: 286

﴿يَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٖ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٖ مُّحۡضَرٗا﴾[1]

(جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے اچھے کیے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا۔)

﴿وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا لَّا تَجۡزِي نَفۡسٌ عَن نَّفۡسٖ شَيۡـٔٗا﴾[2]

(اور ڈرو اس دن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی۔)

نفس بمعنٰی اصل انسان

سورۃ النساء میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ ﴾[3]

(اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا۔)

نفس بمعنٰی جان

اللہ تعالیٰ سورۃ المائدۃ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ﴾[4]

(جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے۔)

نفس بمعنٰی دل:

اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ رَّبُّكُمۡ أَعۡلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمۡۚ ﴾[5]

(تمہارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔)

---

[1] آلِ عمران: 30

[2] البقرۃ: 48

[3] النساء:1

[4] المائدہ: 32

[5] بنی اسرائیل: 25

نفس بمعنیٰ روح

اللہ تعالیٰ سورۃ انعام میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓاْ أَيۡدِيهِمۡ أَخۡرِجُوٓاْ أَنفُسَكُمُۖ ﴾[1]

(اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انھیں کہیں کہ) نکالو اپنی روحوں کو۔)

اس آیت میں نفس سے مراد انسان کی روح ہے۔ تمام مفسرین کے نزدیک آیت میں موجود نفس کے لفظ سے مراد ان کی ارواح ہیں۔ جیسا کہ مفسر قرآن مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ان پر موت طاری ہوتے ہی فرشتے انہیں ڈانٹنا شروع کر دیں گے اور نہایت شدت اور سختی کے ساتھ ان کی روحیں قبض کریں گے اسی وقت انہیں اپنی قدر و عافیت ٹھیک معلوم ہو جائے گی اور سب شیخیاں کرکری ہو جائیں گی اور اسی دن سے انہیں رسوا کرنے والے عذاب سے دوچار کر دیا جائے گا۔"[2]

پیر محمد کرم شاہؒ کے نزدیک بھی آیت میں موجود نفس سے مراد روح ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

"حضرت ابوہریرہ (رض) فرماتے ہیں کہ مرتے وقت کافر کی روح کو کہا جائے گا اس کے بدن سے نکلو اس حال میں کہ تم خود بھی اس مفارقت پر ناراض ہو اور خدا بھی تم پر ناراض ہے۔ نکلو عذاب الٰہی کی سختیوں کی طرف۔ ایتها النفس الخبیثة اخرجی ساخطة مسخوطة علیک الی عذاب اللہ۔ اگرچہ جسم سے روح کو ملک الموت نکالے گا لیکن زجر و توبیخ کے لئے انہیں یہ کہا جائے گا۔"[3]

---

[1] الانعام:93

[2] کیلانی، عبدالرحمن، تیسیر القرآن، مکتبہ دارالسلام لاہور، 1432ھ، ج1ص641

[3] ضیاء القرآن، ج1ص583

نفس کی کیفیات اور اقسام

اہل علم اور اصحابِ فکر و نظر کے نزدیک نفس کی فطرت اور جبلت حرکت پر مبنی ہے۔ نفس میں یہ حرکت و تحریک اعتدال سے ہٹ جائے تو اس کی کیفیت افراط و تفریط کا شکار ہو جاتی ہے۔ نفس کو مستقل راہِ اعتدال پر قائم رکھنا ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ اس کی مثال ایک ایسی مشین کی طرح ہے جس کو دائمی اور مستقل ٹیوننگ، چیکنگ اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح مشین کی ٹیوننگ اور چیکنگ مستقل نہ کی جائے تو اس سے تیار ہونے والی چیز (پروڈکٹ) غیر معیاری ہوتی ہے اسی طرح اگر نفس راہِ اعتدال سے ہٹ جائے اور اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی جائے تو یہ نہایت سرعت سے دو انتہاؤں میں سے کسی ایک کی طرف حرکت کرتا ہے۔ چنانچہ نفس میں اعتدال عدل و توازن کا سبب بنتا ہے اور اس میں بے اعتدالی یا افراط و تفریط فساد، ظلم اور فتنے کا سبب بنتی ہے۔ اکثر مفسرین قرآن کے نزدیک نفس کی تین اقسام یا تین حالتیں ہیں۔ (1) نفس امارہ (2) نفس لوامہ (3) نفس مطمئنہ

نفس امّارہ

نفس امارہ اگر شہوانی خواہشات کی روک نہ کرے بلکہ مقتضائے شہوات اور شیطانی حرکات کا مطیع ہو جائے تو اس کو نفس امارہ بالسوء کہتے ہیں ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيٓۚ إِنَّ ٱلنَّفْسَ لَأَمَّارَةُۢ بِٱلسُّوٓءِ ﴾[1]

(اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعویٰ) نہیں کرتا۔ بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا۔)

نفس امارہ کا حامل انسان اپنے نفس کی خواہشات، تمناؤں اور آرزوؤں کا غلام ہوتا ہے۔ یہ نفس انسانی کا کم ترین درجہ ہے جس میں انسان برائی میں سکون و اطمینان تلاش کرتا رہتا ہے۔ صاحبِ تفسیر کبیر اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"ان النفس لامّارة بالسوء میالة الی القبائح راغبة فی معصیته"[2]

(بے شک نفس امارہ قبائح کی طرف رجحان اور گناہ و معصیت میں رغبت رکھتا ہے)

---

[1] یوسف: 53

[2] رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب (التفسیرِ الکبیر) مکتبه علومِ اسلامیه لاهور، س-ن، ج 6 ص 470

اس نفسانی حالت میں انسان کا اصل مقصد و مدّعا ذاتی مفادات، شہرت، طاقت اور بڑائی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ دوسروں کے حقوق و مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ان گنت اور لا متناہی خواہشات کے حصول میں مگن رہتا ہے۔

نفس لوامہ

جب انسان کا نفس کسی برے اور قبیح عمل پر کسی سبب سے ندامت، شرمندگی اور ملامت محسوس کرتا ہے تو ایسے نفس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے۔ جس کو عام عرف میں ضمیر کی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نفسِ لوامہ کی قسم کھائی ہے۔ کیونکہ فطرتاً انسان برے اور بھلے اور صحیح و غلط میں تمیز و فرق کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ نفس انسان کو اچھے کام پر اکساتا ہے اور برے کاموں پر ملامت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلنَّفۡسِ ٱللَّوَّامَةِ ﴾[1]

(اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی۔)

علامہ حافظ ابن قیمؒ کے نزدیک نفس لوامہ کی مزید دو اقسام ہیں۔[2] (1) نفس لوامہ ملومہ (2) نفس لوامہ غیر ملومہ۔

نفس لوامہ ملومہ: ان کے نزدیک یہ جاہل اور ظالم نفس ہے جو انسان کو جہالت اور ظلم پر ملامت کرنے والا تو ہو گا لیکن جہالت اور ظلم سے کنارہ کشی نہیں اختیار کرے گا۔ علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ ایسے نفس کو اللہ تعالیٰ اور فرشتے قیامت کے دن غیرت دلائیں گے۔

نفس لوامہ غیر ملومہ: یہ وہ نفس ہے جو اپنی ذات کو علم کی کوتاہی پر غیرت دلاتا ہے حالانکہ ممکن حد تک وہ نیکیوں کی کوشش کرتا ہے۔

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کے نزدیک ایسے نفوس مومنین اور صالحین کی شان ہوتے ہیں جنہیں اپنی کوتاہیوں پر ندامت کا احساس ہو اور انھیں توبہ کی توفیق بھی ہو جائے۔[3]

---

[1] القیامہ: 2

[2] کتاب الروح، ص245

[3] دریاآبادی، عبد الماجد، تفسیرِ ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، ص69

نفس مطمئنہ

اللہ تعالیٰ سورۃ الفجر میں انسانی نفس کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفۡسُ ٱلۡمُطۡمَئِنَّةُ﴾[1]

(اے نفس مطمئن)

نفسِ مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت، خوف ور جاء کا حامل ہونے کی وجہ سے کامل سکون و اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نفس مطمئنہ کے متعلق لکھتے ہیں: یہ نفس اپنے رب کی عبادت و محبت، توبہ وانابت اور توکل اور رضا سے پُر سکون اور مطمئن ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی رضا و محبت خوف ور جاء کی نشانی غیر کی محبت ور ضا اور خوف سے قطع نظر کر لینا ہے۔ انسان رب کی محبت میں ڈوب کر غیر کی محبت سے بے پرواہ ہو جائے۔ اطمینان در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں اترتا ہے جو اسے اللہ کی معرفت پر جما دیتا ہے اور بھٹکے ہوئے دلوں کو اللہ کی طرف لوٹا دیتا ہے۔[2]

گویا نفس مطمئنہ سے مراد سچا مؤمن ہے جس کو تعلیمات ربّانی میں نہ کسی قسم کا شک ہے اور نہ انکار۔ وہ ایمان و یقین کی اس منزل پر ہے جہاں اس کا عمل اور فکر ہم آہنگ ہوتے ہوئے سکون و اطمینان کی حالت میں ہیں۔ ایسے نفوس نہ حالات کی چیرہ دستیوں اور سختیوں سے پریشان ہوتے ہیں اور نہ کسی قسم کا سماجی و معاشری دباؤان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ خود مضطرب و پریشان نہیں ہوتے بلکہ سماج میں موجود دیگر افراد و گروہوں کے لیے سکون و اطمینان اور فوز و فلاح کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے نفوسِ قدسیہ کو صرف ایک ہی فکر ہمہ وقت دامن گیر رہتی ہے کہ وہ اپنی اس حالت کو وہ کیسے برقرار رکھیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ جھکے رہتے ہیں اور خدمت خلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا موجب سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کا لازمی حصّہ بنا لیتے ہیں۔ ایسے نفوس کو حاصل ہونے والے اطمینان کو امام رازیؒ اپنی تفسیر میں یوں بیان کرتے ہیں:

---

[1] الفجر: 27

[2] کتاب الروح، ص334

"الاطمينان:هوالاستقراروالثبات،وفی کیفمة هذا الاستقرار وجوه، احدهما:ان تکون متیقّنة بالحق فلا یخالجها شک، وهوالمراد من قوله تعالیٰ: ﴿ولٰکن لیطمئنّ قلبی[1]﴾[2]

(اطمینان، استقرار اور ثابت قدمی ہے ثابت قدمی کی اس کیفیت کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ حق پر اس کو یقین ہو اور شک اس کو مضطرب نہ کرے۔ اور یہی مراد اللہ تعالیٰ کے اس قول کی ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میں قلبی ایمان چاہتا ہوں۔)

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نفس مطمئنہ وہ نفوس ہیں جو اپنی ان گنت اور لا متناہی خواہشات و حاجات کو اپنے لا متناہی کمال و قدرت کے حامل مالک و خالق کے حوالے کر کے ہر چیز سے بے خوف ہو جاتے ہیں۔ ان کی یہ سپردگی ان کے نہایت اعلیٰ اور عمدہ اخلاق کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور اس سپردگی کا نتیجہ دنیا کے ہر دکھ، تکلیف، مصیبت اور آزمائش میں صبر کی توفیق اور اطمینان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی شخصیت و کردار کے حامل افراد کسی بھی گروہ اور جماعت میں محبت، امن اور سکون کی علامت تصور کیے جاتے ہیں اور سماج میں ایسے افراد کی کثرت مادی و روحانی ترقی کا سبب بنتی ہے۔ ایسی شخصیت کے حامل افراد میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ دیگر افراد کو ممکن امور میں اسباب و مسببات کے حصول میں تعاون و مدد کر سکیں۔ نیز یہ کہ ایسے افراد ماحول میں موجود ظاہری و باطنی آلودگی سے پاکیزگی حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے کردار کی سب سے عمدہ اور اعلیٰ ترین مثالیں نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی پاکیزہ اور پُر تاثیر زندگیاں ہیں۔

قرآن و سنت کے حوالہ جات کی روشنی میں کی گئی اس بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نفس ایک ایسا جسم ہے جو اپنی کیفیت اور ماہیت کے لحاظ سے جسمِ محسوس (ظاہری جسم) کے مخالف ہے۔ پس نفس جسمِ نورانی علوی ہے۔ اس میں زندگی ہے، خفت ہے، حرکت ہے اور اعضاء کے جوہر میں اس کا نفوذ ہے۔ نتیجتاً جب تک یہ اعضاء ان آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جن کا ان پر جسم لطیف سے فیضان ہوتا ہے، اس وقت تک جسم لطیف اعضاء میں جاری رہتا ہے اور

---

[1] البقرة:260

[2] مفاتیح الغیب (التفسیرِ الکبیر)، ج 11 ص 162

ان اثرات سے ان میں حس، حرکت اور ارادے کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اور جب کسی سبب سے ان میں فساد رونما ہوتا ہے تو اثرات کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو اس وقت روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔

اعتدالِ نفس روحانی و جسمانی تندرستی اور صحت کی علامت ہے اور بے اعتدالی بیماری کی علامت ہے۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کی روحانی و جسمانی صحت کا دار و مدار نفس سے متعلقہ تمام امور میں اعتدال و توازن میں پوشیدہ ہے۔ جذبات اور محرکات میں اعتدال کو اختیار کرنے سے انسان جسمانی، نفسیاتی اور روحانی بیماریوں سے دور ہو جاتا ہے اور معاشرے میں ایک ذمہ داری فرد کی حیثیت سے اصلاحِ معاشرہ کا سبب بنتا ہے۔

بحث دوم

تزکیہ نفس کی حقیقت

لفظِ تزکیہ اور نفس کے لغوی واصطلاحی معانی ومفاہیم جاننے کے بعد اب اس بارے میں بحث و تحقیق کی جاتی ہے کہ تزکیہ نفس کی حقیقت کیا ہے اور شریعتِ اسلامی میں تزکیہ کے بارے میں کیا کیا احکام و تعلیمات ہیں؟ اس بحث میں ان تمام سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ تزکیہ کے لغوی اور اصلاحی معانی میں دو اہم چیزیں ہیں۔ اوّل: صفائی، ستھرائی اور پاکی۔ دوم: نشو و نما، بڑھوتری اور ترقی۔ گویا تزکیہ نفس سے مراد انسانی نفس کو ہر قسم کی نجاستوں سے پاک و صاف کر کے اطاعت الٰہی میں پروان چڑھانا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی حقیقی فلاح اور کامیابی کے لیے تزکیہ نفس کو بنیادی شرط قرار دیا ہے، جس کا معنٰی یہ ہوا کہ اگر کوئی انسان اپنے نفس کو پاک و صاف نہیں کرے گا تو آخرت میں اس کو کامیابی نہیں مل سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے سورت اعلیٰ میں یکے بعد دیگرے سورج، چاند، دن، رات، آسمان، زمین اور نفس کی قسم کھا کر پھر تزکیہ نفس کو حقیقی کامیابی کی کلید قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا﴾[1]

(بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کیا)

اللہ تعالیٰ کا کسی چیز یا حکم کے بیان سے قبل قسم کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی بہت ہی اہم حکم اور بیان ہے۔ تزکیہ نفس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دینِ اسلام کا بنیادی نصب العین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السّلام کو اس دنیا میں بھیجا ہی اسی لیے ہے تاکہ نفوسِ انسانی کا تزکیہ کیا جائے ان کو ہر قسم کی آلائشوں اور رزائل سے پاک و صاف کر کے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنایا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے جو دین، شریعت یا زندگی گزارنے کا طریقہ انسانیت کو تعلیم فرمایا اس کا کامل ترین نمونہ آپ ﷺ کی ہی ذاتِ گرامی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ کا بیان کردہ طریقہ ہی دراصل حقیقی دین اور شریعت کہلانے کا

---

[1] الشمس: 9

مستحق ہے اور یہی واحد راستہ اور طریقہ ہے جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کا مستحق بن کر حقیقی اور دائمی فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ دینِ اسلام کے اس اسوہِ کامل کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس میں درج ذیل تین شعبے اہم اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

ایمان

ایمان سے مراد تمام عقائدِ اسلام اور ضروریاتِ دین مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، رسالت اور وحی، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ جیسے غیبی حقائق کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے جو کچھ بتایا اس کو حق ماننا اور دل سے ان کا تصدیق کرنا۔ یہ دینِ اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی شعبہ ہے بلکہ پورے دین کی بنیاد اور اساس ہے۔ دینِ اسلام کا یہی شعبہ علم العقائد کا موضوع ہے۔

اعمالِ صالح

اس سے مراد دینِ اسلام اور شریعت اسلامیہ کا وہ عملی حصّہ ہے جو انسان اپنے ظاہری اعضاء یا جوارح سے سرانجام دیتا ہے۔ مثلاً اسلامی عبادات، معاملات، آداب معاشرت، دعوت دین اور جہاد وغیرہ۔ یہ شعبہ اسلام کا عملی نظام کہلاتا ہے اور فقہ اسلامی کا موضوع یہی شعبہ ہے۔

تزکیہ نفس واخلاق

نبی کریم ﷺ نے جس طرح ایمان اور اعمالِ صالحہ کی تعلیم اپنے قول و عمل سے فرمائی اسی طرح آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت، توکل و یقین اور احسان و اخلاق جیسی قلبی اور روحانی کیفیات اور تزکیہ نفس و اخلاق کے متعلق بھی انتہائی اہم ہدایات امت کو دیں اور ان کا اعلیٰ اور مثالی نمونہ امت کے لیے چھوڑا۔ یوں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی طرح تزکیہ نفس بھی دین و شریعت کا ایک اہم اور مستقل شعبہ ہے جس کو احسان و تصوف کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اور یہی شعبہ تصوف کا خاص موضوع ہے۔

بحث سوم

تزکیہ نفس کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی حقیقی کامیابی اور فلاح کے لیے جس چیز کو بنیادی شرط کے طور پر قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے وہ تزکیہ نفس ہے۔ جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تزکیہ نفس کو ایک مومن اور مسلم کی حقیقی کامیابی اور فلاح کے لیے شرط قرار دیا ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہماری زندگی میں تزکیہ کی اہمیت وافادیت کسی طور بھی عقائد اور عبادات سے کم نہیں ہے۔

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جسم ظاہری اعضاء انسانی کے مجموعے کا نام ہے اور دل وروح انسان کے باطن کے نمائندہ کردار ہیں۔ تزکیہ نفس کا تعلق جس نظام سے ہے وہ انسان کا روحانی یا باطنی نظام ہے۔ اس نظام کا سب سے اہم اور مرکزی نکتہ انسان کا دل ہے۔ گویا باطنی نظام میں جس چیز کی اصلاح اور تزکیہ مقصود ہوتا ہے وہ انسان کی روح اور دل ہیں۔ انہی پر انسان کی ظاہری جسامت اور ظاہری اعضاء کی درستی اور صحت کا دار مدار بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر انسان کا دل درست اور صحیح ہو تو پورا جسمانی نظام درست ہوگا اور اگر اس میں کسی وجہ سے خرابی پیدا ہو جائے تو ظاہری و باطنی دونوں نظام تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

((الا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب))[1]

(سن لو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا سارا بدن درست ہوگا اور جہاں بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔ سن لو وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے۔)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کی جو شخص تین اعمال کر لے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کا ذائقہ نصیب کرے گا۔ ان تین اعمال میں سے پہلا عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی ایسے کرنا کہ کسی کو اس کا شریک نہ بنانا۔

---

[1] الجامع الصحيح، كتاب الايمان، باب فضل من استبرا لدينه، ح 52 / سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبهات، ح 3984

دوسرا عمل خلوصِ نیت سے اور عمدہ طریقے سے زکوٰۃ ادا کرنا۔ اور تیسری چیز کا تعلق نفس کی پاکی سے ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهُ بِأَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ فِي كُلِّ عَامٍ وزكى نفسه فقال رجل وما تزكية النفس فقال أن يعلم أن الله تعالىٰ معه حيث كان))[1]

(اور نفس کو پاک اور ستھرا کرنا، ایک آدمی نے سوال کیا نفس کی پاکی سے کیا مراد ہے؟ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی یہ بات جان لے کہ وہ جہاں بھی ہوگا اللہ اس کے ساتھ ہے۔)

قرآن و سنت میں تزکیہ نفس کے بارے میں بہت سے احکامات بیان کئے گئے ہیں جس سے اس کی اہمیت وافادیت ظاہر ہوتی ہے۔

تزکیہ اور قرآن مجید

زکا یزکو کے مادہ سے مشتق الفاظ قرآن مجید میں کل انسٹھ (59) مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ تزکیہ بھی اسی مادہ سے ہے جو قرآن مجید میں عام طور پر اضافت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے، نبی مکرم ﷺ کی طرف بھی ہے اور انسان کی طرف بھی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت

درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے۔

﴿بَلِ ٱللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَآءُ﴾[2]

(بلکہ (یہ تو) اللہ کی (شان ہے کہ) پاکباز بنادے جسے چاہے۔)

﴿وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَآءُ﴾[3]

(ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔)

---

[1] الطبراني،سليمان بن احمد بن ايوب، المعجم الصغير،(تحقيق: محمد شكور محمود)، المكتب الاسلامى،دار عمار، بيروت، 1985ء، ج 1ص 33، ح 555

[2] النساء: 49

[3] النور: 21

نبی مکرم ﷺ کی طرف نسبت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی مکرم ﷺ کی طرف تزکیہ کی نسبت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيهِمۡۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ﴾[1]

(اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں۔ بیشک تو ہی بہت زبردست حکمت والا ہے۔)

اس کے علاوہ سورۃ بقرۃ آیت 151، سورۃ آلِ عمران آیت 164 اور سورۃ الجمعۃ آیت 2 میں بھی تزکیہ کی نسبت نبی مکرم ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔

انسان کی طرف نسبت

عملِ تزکیہ کی نسبت انسان کی طرف درج ذیل آیات میں کی گئی ہے:

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّىٰهَا وَقَدۡ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ﴾[2]

(یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے (نفس) کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔)

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ﴾[3]

(بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔)

تزکیہ نفس اور سنتِ رسول ﷺ

حدیثِ رسول ﷺ میں تزکیہ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے کبھی جسم کی پاکی کے لیے کبھی نفس روح کی پاکی کے لیے کبھی مال کی پاکی کے لیے اور کبھی تعریف کے لیے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا،))[4]

(اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطا کر اور اس کو پاک فرما تو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے۔)

---

[1] البقرۃ: 129

[2] الشمس: 9-10

[3] الاعلیٰ: 14

[4] النسائی،احمد بن شعیب بن علی، سنن النسائی، کتاب الاستعاذہ، باب الاستعاذہ من دعاء لا یستجاب- ح 5540

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ، وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ))[1]

(ہر چیز کو پاک کرنے کے لیے کوئی چیز ہوتی ہے اور جسم کو پاک کرنے والی چیز روزہ ہے۔)

احادیثِ رسول ﷺ میں اس کے علاوہ بھی اس مادہ سے بہت سے الفاظ تقریباً اسی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ تزکیہ اور نفس کی اس بحث کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تزکیہ نفس سے مراد ہے کہ انسان اپنی شخصیت کے سارے قویٰ (جبلتیں، عواطف، محرکات، تعقل اور ادراک) کی ایسی تعمیر و تربیت کرے کہ وہ ہر قسم کے شر و رزائل سے پاک صاف ہو جائے اور ہر قسم کے عمدہ و اعلیٰ اخلاق و اوصاف سے متصف ہو جائے۔ تزکیہ نہ صرف ذات کا مقصود ہے بلکہ اعمال و افعال اور افکار و تصورت کا تزکیہ بھی مقصودِ اصلی ہے۔ اسی طرح نگاہ، عقل و قلب کا پاک ہونا بھی تزکیہ نفس کے مفہوم میں شامل ہے۔ کیونکہ جب تک نگاہ، عقل اور دل پاک نہیں ہوں گے اس وقت تک انسان کے اعمال کا تزکیہ بھی ممکن نہیں ہے۔ انسانی اعمال و افعال اس کے افکار و تصورات کا ہی عکس ہوتے ہیں۔

تزکیہ نفس اور فرائضِ نبوت

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے انبیاء کرام علیہ السّلام ورسلِ عظام کا جو سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا اس کی آخری کڑی پیغمبرِ اسلام سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے فرائض منصبی کو درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيهِمۡۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ﴾[2]

(اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کردے انہیں۔ بیشک تو ہی بہت زبردست حکمت والا ہے۔)

---

[1] ابن ماجه، محمد بن يزيد، سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب: فی الصومِ زكوة الجسدِ ، ح 1745

[2] البقرة: 129

آیت کریمہ میں بیان کردہ فرائض نبوتِ محمدیﷺ میں سے ایک اہم فریضہ تزکیۂ نفس بھی ہے۔فرائضِ نبوت محمدیﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرۃ آیت 151، سورۃ آلِ عمران آیت 164 اور سورۃ الجمعۃ آیت 2 میں ایک دوسری ترتیب کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔اس دوسری ترتیب میں تزکیہ نفس کو تلاوتِ آیات کے بعد دوسرے نمبر پر ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرائضِ نبوت میں سے تزکیہ نفس کو ایک خاص اور اہم مقام حاصل ہے۔ مفسرِ قرآن امین احسن اصلاحی اپنی مایہ ناز تصنیف "تزکیۂ نفس" میں قرآنی آیات میں بیان کردہ فرائضِ نبوت کی ترتیب سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر یہ سوال کیا جائے کہ انبیاء کرام علیہ السّلام کی بعثت سے اللہ تعالیٰ کا حقیقی مقصود کیا ہے؟ وہ کیا غرض ہے جس کے لیے اس نے نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ جاری کیا اور شریعت اور کتابیں نازل فرمائیں؟ تو اس کا صحیح جواب ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ۔۔ نفوس انسانی کا تزکیہ "[1]

مفسر قرآن مولانا ادریس کاندھلویؒ فرائض نبوت محمدی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور وہ رسولﷺ اپنی ظاہری تعلیم و تربیت اور باطنی فیض صحبت سے ان کے دلوں کو گناہوں کے زنگ اور کدورت سے پاک و صاف کر کے مثل آہینہ کے مجلّٰی و مصفّٰی بنادے کہ انوار و تجلّیات کا عکس قبول کرنے لگیں۔اور حدیث میں جو العلماء ورثۃ الانبیاء آیا ہے اس کے صحیح مصداق وہی علماء ربّانیّین ہیں جو کتاب و سنت کی تعلیم کے ساتھ زنگ آلود نفوس کو صیقل کر کے مثل آہینہ کے بنادیتے ہوں۔"[2]

مفسر قرآن پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ تزکیۂ نفس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"صرف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت سے ہی فریضۂ رسالت ادا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اپنی نگاہ رحمت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور مطہر کردیں۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یزکیھم سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرمادیا جو نبوت کی نگاہ فیض اثر اور توجہ باطنی سے انہیں میسر آتا تھا۔

[1] اصلاحی، امین احسن، تزکیہ نفس، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1994ء جلد 1، ص 15

[2] معارف القرآن، جلد 1، ص 290

اولیائے کرام اپنے مریدین پر اسی سنت نبوی کے مطابق انوار کا القا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دل اور ان کے نفوس پاک اور طاہر بن جاتے ہیں۔"[1]

درج بالا اقتباسات سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی حقیقی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ظاہر اور خاص طور پر باطن ہر قسم کی آلائشوں اور رزائل سے پاک ہو اور اس پاکی کی اہمیت اس بات سے اور بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے اپنے سب سے افضل اور اعلیٰ ہستیوں یعنی انبیاء کرام علیہ السّلام کا انتخاب فرمایا۔ قرآن و سنت کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے بھی انبیاء کا یہ فرئضہ رہا ہے۔

تزکیہِ نفس اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام

قرآن و سنت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تزکیۂ نفس نہ صرف پیغمبرِ اسلام خاتم النبین جناب محمد ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا بلکہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہ السّلام کا بھی فریضہ رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰٓ أَن تَزَكَّىٰ ﴾[2]

(فرعوں کی طرف جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس کو کہو کیا تو چاہتا ہے کہ تو پاک ہو جائے؟)

اسی طرح سورت اعلیٰ میں نفس کی پاکیزگی کو فلاح و کامرانی کی کلید قرار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذَا لَفِى ٱلصُّحُفِ ٱلْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴾[3]

(یہ بات پہلے صحاف میں موجود ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحائف میں۔)

خلاصہِ بحث

قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کردہ تزکیہ نفس کے مختلف معانی اور اس کی حقیقت اور اہمیت جاننے کے بعد یقینی طور پر جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

---

[1] ضیاء القرآن، جلد 5 ص 231

[2] النازعات: 17-18

[3] الاعلیٰ: 18

1. تزکیہ نفس کا مفہوم انسان کو اپنے دل و روح کو ہر قسم کی ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک کر کے نبوی طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت میں پروان چڑھانا ہے۔
2. نفس جس کو ہم عام معنیٰ میں روح یا جان کہتے ہیں اس کے کئی دیگر استعمالات قرآن و سنت میں ملتے ہیں۔ نیز یہ کہ نفس کی مختلف حالتیں، کیفیّات یاد رہے ہیں۔ اور ان تمام حالتوں میں سے اللہ تعالیٰ کی مطلوب و مقصود وہ کیفیت ہے جس میں اس کو یقین کامل اور اطمینانِ کلی کے ساتھ ساتھ رضاء الٰہی حاصل ہو جاتی ہے۔
3. تزکیہ نفس و روح دینِ اسلام کا ایک اہم حصہ اور شعبہ ہے اور دین و شریعت کے دیگر شعبوں (ایمانیات، عبادات و معاملات) کے ساتھ ساتھ یہ بھی شریعت کا مطلوب و مقصود ہے۔ بلکہ انبیاء کرام علیہ السّلام کی اس دنیا میں بعثت کا مقصدِ اصلی تزکیہ نفوسِ انسانی ہے۔
4. انسان کی حقیقی اور دائمی فلاح اور کامرانی صرف اور صرف اسی صورت میں ممکن ہو گی جب انسان کامل ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ اور اصلاح کر لے گا۔

فصل دوم

تزکیہ نفس کے اصول اور اغراض و مقاصد (قرآن و سنت کی روشنی میں)

تزکیہ نفس دینِ اسلام کا منشاءِ حقیقی اور اخروی نجات اور کامیابی کی یقینی کلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام علیہ السّلام کے علاوہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جن اہم فرائض نبوت کی انجام دہی کے لیے اس دنیا میں بھیجا ان میں ایک اہم فرض نفوسِ انسانی کا تزکیہ اور تصفیہ بھی ہے۔ تزکیہ نفس کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی حقیقت اور انسانی زندگی میں اس کی اہمیت و افادیت جاننے کے بعد اس بات سے آگاہی بھی ضروری ہے کہ وہ کون سے مقاصد ہیں جن کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے تزکیہ نفس کو انبیاء کرام علیہ السّلام کی بعثت کا مقصد اولین قرار دیا۔ اور ان مقاصد کے حصول کے لیے قرآن مجید اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تزکیہ نفس کے ضمن میں کیا کیا اصول و ضوابط اور ذرائع استعمال کیے گئے۔ دورِ جدید میں ان مقاصد کے حصول کے لیے قرآن و سنت کے اصولوں پر مبنی ذرائع اور طریقوں کو کیسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

اسی مناسبت سے اس فصل کو دو مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی بحث میں تزکیہ نفس کے بنیادی اصول و ضوابط کو قرآن و سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اور دوسری بحث میں ان مقاصد کے حصول کے لیے قرآن و سنت کے وضع کردہ اصول و طرق بیان کیے گئے ہیں۔

بحث اول: تزکیہ نفس کے بنیادی اغراض و مقاصد

بحث دوم: تزکیہ نفس کے اصول و ضوابط

بحث اوّل

تزکیہ نفس کے اغراض ومقاصد

قرآن وحدیث کی تصریحات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ تزکیہ نفس ہر مؤمن کے لیے ضروری اور حقیقی فوز وفلاح کا ذریعہ ہے۔ تزکیہ نفس کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر یہ بات جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا اغراض ومقاصد ہیں جن کا حصول دائمی کامیابی کے لیے لازمی اور ضروری ہیں۔ قرآن وسنت کی تعلیمات سے تزکیہ واصلاحِ نفس وباطن کے جو اغراض ومقاصد معلوم ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

دائمی فوز وفلاح

تزکیہ نفس کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد آخرت کی حقیقی اور دائمی کامیابی اور فلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی کی حقیقی کامیابی کو تزکیہ نفس کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّىٰهَا وَقَدۡ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ﴾[1]

(یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔)

ایک دوسرے مقام پر اسی موضوع کو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ﴾[2]

(بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔)

درج بالا آیاتِ قرآنیہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دائمی اور حقیقی زندگی میں کامیابی کا مدار نفس کی پاکی اور صفائی پر مبنی ہے۔ گویا تزکیہ نفس کے بغیر حقیقی کامیابی اور فلاح کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے تزکیہ نفس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اس حقیقی اور دائمی کامیابی کا حصول ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ

---

[1] الشمس: 9-10

[2] الاعلیٰ: 14

قیامت کے دن مال و دولت اور اولاد کوئی نفع نہیں دیں گے مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے پاس پاکیزہ و سلیم الفطرت دل کے ساتھ آیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا مَنْ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴾[1]

(مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے پاس سلیم الفطرت دل کے ساتھ آیا)

﴿إِذْ جَآءَ رَبَّهُۥ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴾ [2]

(جب وہ (ابراہیم علیہ السلام) اپنے ربّ کے پاس قلبِ سلیم کے ساتھ آئے)

قلبِ سلیم وہی قلب ہوتا ہے جو ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور منزہ و مصفّٰی ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے دل، روح اور نفس کا تزکیہ کرے گا تب ہی اسے حقیقی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے تزکیہِ نفس کا ایک اہم مقصد دائمی اور حقیقی کامیابی کا حصول ہے۔

قربِ خداوندی

اللہ تعالیٰ نے تزکیہ نفس کو جب حقیقی کامیابی کا مدار قرار دیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس وہ ذریعہ ہے جس کے حصول کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ کیوں کے اللہ تعالیٰ کی رضاء اور قرب کے بغیر انسان حقیقی کامیابی نہیں حاصل کر سکتا۔ تو گویا تزکیہ نفس کا ایک اہم مقصد قرب خداوندی کا حصول ہے۔ اسی قرب کے بارے میں ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعے میرا اتنا مقرب بن جاتا ہے کہ میں خود اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ))[3]

(میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔)

---

[1] الشعراء:89

[2] الصافات:84

[3] الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ح 6502

جنت کا حصول

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی نعمتوں کے بارے میں فرمایا کہ جو انسان اپنا تزکیہ کرلے گا اس کو بطور جزاء اور انعام کے یہ نعمتیں عطا کی جاہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ جَنَّٰتُ عَدۡنٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ جَزَآءُ مَن تَزَكَّىٰ ﴾[1]

(سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ہے جزا ان کی جنھوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا۔)

اس قرآنی حکم کے مطابق جنت اصل میں تزکیہ نفس و باطن کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزاء اور بدلے کے طور پر دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تزکیہ نفس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت جنت کا حصول ہے۔

بلندی درجات کا حصول

قرآن مجید میں جنت کو ان لوگوں کی جزاء اور انعام قرار دیا گیا ہے جنہوں نے اپنا تزکیہ کیا ہے۔ پھر جنت میں مختلف لوگوں کے مختلف درجات اور رتبے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق جنت میں بلند اور اعلیٰ وارفع درجات کا حصول بھی ان لوگوں کا ہی مقدر ہوگا جنہوں نے اپنے نفس کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَأۡتِهِۦ مُؤۡمِنٗا قَدۡ عَمِلَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَأُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلدَّرَجَٰتُ ٱلۡعُلَىٰ جَنَّٰتُ عَدۡنٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ جَزَآءُ مَن تَزَكَّىٰ ﴾[2]

(اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں تو یہ وہ (سعادتمند) ہیں جن کے لیے بلند درجات ہیں سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ہے جزا ان کی جنھوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا۔)

---

[1] طٰہٰ: 76

[2] طٰہٰ: 75-76

حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق ہر کلمہ گو لازماً جنت میں جائے گا۔[1] لیکن جنت میں اعمال کے مطابق مختلف درجات ہیں۔ان بلند اور اعلیٰ درجات کا حصول بھی تزکیہ نفس کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔

اخلاق حسنہ کا حصول

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی فطرت میں اچھائی اور برائی کی پہچان اور ان دونوں کے کرنے کی طاقت رکھی پھر اسے عقل سے نوازا اور وحی اور پیغمبروں کے ذریعے اس کی راہنمائی کی۔ اب انسان کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ برائی اور اچھائی دونوں رستوں میں سے جو چاہے راستہ اپنالے۔ اس امتحان میں کامیابی کے لیے جس چیز کی ضرورت پیش آئی وہ تزکیہ نفس ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴾[2]

(پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔)

تزکیہ نفس کے ذریعے ہی ہم اپنے نفس کو قابو کر سکتے ہیں اور اس کو درست راستے پر لا سکتے ہیں۔ گویا قوتِ حسنہ کو جلا بخشنا اور خود کو اخلاقِ حسنہ سے متصف کرنا تزکیہ نفس کے بنیادی مقاصد ہیں۔

قوتِ عضبیہ اور شہوانیہ پر قابو رکھنا

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قوتِ عضبیہ اور شہوانیہ دونوں رکھی ہوئی ہیں۔ قوتِ عضبیہ کے غلبے کی صورت میں انسان ظلم و ستم کرنے والا اور دوسروں سے بغض و عداوت رکھنے والا ہوتا ہے۔ جبکہ قوتِ شہوانیہ کے غلبے کے سبب انسان میں لالچ، حرص، شہوت اور دیگر بری صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ تزکیہ نفس کے ذریعے انسان قوتِ عضبیہ اور شہوانیہ کو مغلوب کر سکتا ہے۔ تزکیہ نفس کے اس نظام کے ذریعے انسان کی ان فطری قوتوں کو ختم کرنے کے بجائے ان کو صحیح رخ

---

[1] الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فیمن یموت فهو یشهد ان لا اله الاّ الله، ح 2638

[2] الشمس: 8

اور سمت عطاء کی جاسکتی ہے اور یہی تزکیہ کا مقصود و مدّعا ہے کہ انسان اپنی حیوانی صفات کو قابو میں رکھے اور رحمانی صفات کو جلا بخشے۔

نفسِ مطمئنہ کا حصول

نفس کی اصلاح اور تربیت کے پیچھے سب سے اہم مقصد جو پیشِ نظر ہوتا ہے وہ نفس کو نفسِ امارہ اور نفسہ لوامہ کے مراحل سے گزارتے ہوئے نفسِ مطمئنہ کے درجے تک پہنچانا ہے۔ نفس کی تربیت کے ضمن میں یہی درجہ مطلوب و مقصود ہے۔اور یہی وہ نفس ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾[1]

(اے نفس مطمئن! پس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اسے راضی (اور) اور وہ تجھ سے راضی)

گویا تزکیہ نفس کا اصلی مقصود نفس کو اس اعلیٰ وارفع مقام تک لے جانا ہے جہاں خود اللہ تعالیٰ اس سے اپنی رضا کا اعلان کرے۔

درج بالا سطور میں قرآنی آیات سے اخذ کردہ چند مقاصدِ تزکیہ نفس بیان کیے گئے ہیں۔ان مقاصد میں سب سے اہم مقصد اور غرض وغایت دائمی و حقیقی فلاح اور کامرانی اور قربِ الہی کا حصول ہے۔دیگر مقاصد میں اخلاق حسنہ کا حصول، جنت کا حصول اور اس میں اعلیٰ وارفع درجات کا حقدار ہونا، نفسِ مطمئنہ کے درجے تک پہنچ کر آخرت میں دائمی اور حقیقی کے حصول کو ممکن بنانا ہے۔

[1] الفجر: 28-29

بحث دوم

تزکیہ نفس کے بنیادی اصول وضوابط

قرآن وسنت کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ تزکیہ نفس واصلاحِ باطن نہ صرف پیغمبرِ اسلام محمد ﷺ کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک بنیادی اور اہم مقصد تھا بلکہ انسان کی حقیقی اور دائمی فوز وفلاح کا دار مدار بھی اسی پر ہے۔ تزکیہ نفس کی دین میں اس بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اصولوں اور ضابطوں سے آگاہی حاصل کی جائے جو تزکیہ نفس کی بنیاد ہیں۔ اس بحث میں قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیہ نفس کے بنیادی اصول وضوابط بیان کئے جاتے ہیں۔

توحیدِ الٰہی

دینِ اسلام کے بنیادی عقائد میں سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ توحیدِ ووحدانیتِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ توحید ہی وہ اہم عقیدہ ہے جو انسان کی حقیقی کامیابی کا ضامن ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جس بھی گناہ کو چاہوں معاف کر دوں گا لیکن شرک جو کہ توحید کی ضد ہے اس کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔[1] اس لیے اسلامی تصوّرِ تزکیہِ نفس کے مطابق جو سب سے اہم اور بنیادی اصول ہے وہ توحیدِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشرکین مکہ کے لیے فرمایا کہ ہلاکت و بربادی ہو ان مشرکین کے لیے جو جو ایمان اور توحید کے ذریعے اپنے نفوس کو پاک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَوَيۡلٞ لِّلۡمُشۡرِكِينَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُم بِٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ كَٰفِرُونَ ﴾[2]

(اور ہلاکت ہو مشرکین کے لیے جو زکوۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں)

---

[1] النساء:48

[2] فصلت:7- 6

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت میں زکٰوۃ سے مراد انسانی نفس کی تطہیر و پاکی ہے۔ یعنی انسان کا اپنے نفس کو ہر قسم کے رزائل سے پاک کرنا مراد ہے۔

"قال ابن عباس: لا يشهدون لا إله إلّا الله وهي زكاة الأنفس،"[1]

(ابنِ عباس نے کہا کہ اس سے مراد ہے کہ وہ توحید کا اقرار نہیں کرتے تھے اور یہی نفس کی زکوۃ ہے۔)

امام فخر الدین رازیؒ اپنی مشہور تفسیر میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أَيْ لَا يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ مِنْ لَوَثِ الشِّرْكِ بِقَوْلِهِمْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ"[2]

(یعنی وہ اپنے آپ کو شرک کی آلودگی سے پاک نہیں کرتے لاالہ اللہ کی شہادت کے ذریعے۔)

اسی طرح صاحبِ تفسیرِ کشاف اپنی تفسیر میں آیت میں موجود لفظ زکٰوۃ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"وقيل: لا يفعلون ما يكونون به أزكياء، وهو الإيمان"[3]

(اور کہا گیا کہ وہ ایسے اعمال نہیں کرتے تھے جن سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور وہ ایمان ہے۔)

امام ابنِ تیمیہؒ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَهِيَ التَّوْحِيدُ وَالْإِيمَانُ الَّذِي بِهِ يَزْكُو الْقَلْبُ"[4]

(اس سے مراد توحید اور ایمان ہے جس کے ذریعے قلب کو پاک کیا جاتا ہے۔)

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[1] الثعلبي، أحمد بن محمد بن إبراهيم، الكشف والبيان عن تفسير القرآن، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ط- 1422، ھ - 2002 م،ج 8 ص 286 / العمادى، محمد بن محمد، تفسیرِ ابى سعود، دار احياء التراث العربى بيروت،س- ن جلد 8 ص 270 / النيسابورى، على بن احمد بن محمد، الوسيط في تفسير القرآن المجيد، دار الكتب العلمية، بيروت، 1994ء، ج 4 ص 25

[2] الرازى، محمد بن عمر بن الحسن، فخر الدين، مفاتيح الغيب، دار احياء التراث العربى بيروت، 1420ھ، ج 27 ص 542

[3] زمخشرى، محمود بن عمرو بن احمد، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، دار الكتاب العربى، بيروت، 1407ھ، ج 4 ص 187

[4] ابنِ تيميه، تقى الدين احمد بن عبدالعليم، مجموع الفتاوىٰ، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، 1416ھ / 1995م، ج 10 ص 97

"یہاں زکوٰۃ کے معنی میں مفسرین کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے جلیل القدر شاگرد، عکرمہ اور مجاہد رضی اللہ عنھم کہتے ہیں اس مقام پر زکوٰۃ سے مراد وہ پاکیزگیِ نفس ہے جو توحید کے عقیدے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔"[1]

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا کہ وہ زکوۃ ادا نہیں کرتے۔ اکثر مفسرین کرام کے مطابق یہاں زکوۃ ادا نہ کرنے سے مراد اپنے نفوس کو توحید و ایمان کے ذریعے پاک نہ کرنا مراد ہے کیونکہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جبکہ زکوٰۃ کا حکم اور تفصیلات ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوئیں۔ دوسری بات جس کو اکثر مفسرین کرام نے ذکر کیا ہے، یہ کہ زکوۃ کا مطالبہ تو ایمان لانے اور دائرہِ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جب مشرکین ابھی تک شرک و کفر کی نجاستوں میں پڑے تھے تو ان سے زکوۃ کا مطالبہ کیسے کیا جا سکتا تھا؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکین مکہ سے جس زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے وہ انسانی نفس، روح اور قلب کی پاکی ہے۔ گویا انسانی نفس کی پاکی و تطہیر کے لیے جو اصول سب سے اہم اور بنیادی ہے وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔ اگر کوئی انسان کفر و شرک کی غلاظتوں میں لتھڑا ہوا ہے تو یقیناً اس کے نفس کا تزکیہ ممکن نہیں جب تک کہ وہ عقیدہِ توحید کا اقرار نہ کر لے۔

تصحیحِ عقائد

یہ ایک مسلّمہ اصول اور بحیثیتِ مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے تمام نیک اعمال کی قبولیت کا انحصار عقائد کی درستگی پر ہے۔ اس لیے تزکیہ نفس سے قبل اصلاحِ عقائد اور اصلاحِ فکر و خیال ضروری ہے۔ عقیدے کی مثال ایک بیج کی طرح ہے جو صفات و خصوصیات بیج میں ہوں گی انہی خصوصیات کے حامل پھول و پھل اگیں گے۔ اسی لیے تمام انبیاء کرام علیہ السّلام نے اپنی دعوت کے آغاز میں جس چیز پر زیادہ زور دیا وہ عقائد ہی تھے۔ قرآن مجید میں دینِ اسلام کے بنیادی عقائد کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿لَّيْسَ ٱلْبِرَّ أَن تُوَلُّوا۟ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلْكِتَٰبِ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ﴾[2]

---

[1] مودودی، سید، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ج4 ص442

[2] البقرۃ:177

(نیکی یہ نہیں کہ تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر۔)

اس آیتِ کریمہ میں عقائد کے بیان سے پہلے ایک بہت اہم چیز کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ نیکی کی اصل اور معیار کیا ہے۔ کوئی بھی نیک عمل اور کام اس وقت تک قابل قبول ہی نہیں جب تک بنیادی عقائد درست نہ ہوں۔ گویا عقائد تمام اعمال کی بنیاد ہیں۔ اگر عقائد درست اور ٹھیک ہوں گے تو انسان اپنے نفس کا تزکیہ بھی کر سکے گا اور اگر بنیاد ہی درست نہ ہوئی تو تزکیے کا عمل بھی رائیگاں جائے گا۔ پیغمبرِ اسلام کی دعوتِ دین کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے تیرہ سالہ مکی دور میں سب سے زیادہ عقائد کی درستگی پر زور دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من مات وهو يدعو من دون الله ندا دخل النار))[1]

(جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ کے سوا اوروں کو بھی اس کا شریک ٹھہراتا رہا ہو تو وہ جہنم میں جاتا ہے۔)

تزکیہ نفس کے لیے تصحیحِ عقائد ایک ضروری اور بنیادی اصول ہے کیوں کہ عقائد میں جب اور جہاں فساد اور خرابی پیدا ہو گی وہاں سے عملی تزکیے میں بھی فساد برپا ہو جائے گا۔

اخلاصِ نیت

تصحیحِ عقائد کے بعد تزکیہ نفس کے ضمن میں جس اصول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ اخلاصِ نیت ہے۔ کسی بھی عمل کی قبولیت کا انحصار اخلاصِ نیت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پیغمبر ﷺ کو اپنی عبادت خلوص کے ساتھ اور صرف اسی کے لیے کرنے کا حکم درج ذیل الفاظ میں دیا:

﴿ فَٱعۡبُدِ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ ﴾[2]

(پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو)

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ﴾[3]

(انہیں فقط یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں)

---

[1] الجامع الصحيح، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: و من الناس من يتخذ من دون الله اندادا، ح 4497

[2] الزمر: 2

[3] البیّنۃ: 5

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کا آغاز جس حدیث سے کیا وہ نیت کے بارے میں ہے۔ اس سے کسی بھی عمل میں نیت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى))[1]

(بے شک اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا يُبْعَثُ النَّاسُ عَلَى نِيَّاتِهِمْ))[2]

(بے شک لوگوں کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا۔)

درج بالا حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی بھی عمل ظاہر اً کتنا ہی اچھا، درست اور قابل تعریف کیوں نہ ہو اگر اس عمل کے پیچھے کرنے والے کی نیت خالص نہیں ہے تو وہ عمل قبولیت کے حوالے سے رائیگاں جائے گا۔ تزکیہ نفس جو کہ شریعت کا مطلوب اور مقصود عمل ہے اگر اس عمل میں بھی نیت کا خلوص اور رضاء الٰہی نہیں ہو گی تو یہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے تزکیہ نفس کے ضمن میں جو ایک اہم اور بنیادی اصول ہے وہ خلوصِ نیت ہے۔ نیت کا مرکز و محل انسان کا دل ہے۔ نبی مکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ ، وَأَمْوَالِكُمْ ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ و اعمالكم))[3]

(بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔)

لہٰذا تزکیہ نفس کے ضمن میں بھی اخلاصِ نیت کا اصول نہایت اہم اور بنیادی تصور کیا جاتا ہے۔ اخلاصِ نیت کے بغیر صرف دیکھاوے یا ریاکاری کے لیے تزکیہ کے ضمن میں کی گئی تمام کاوشیں ادھوری اور بے معنی رہ جاتی ہیں۔

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، ح 1 سنن ابن ماجه، کتاب الزهد والورع، باب النيّة، ح 4227،

[2] سنن ابن ماجه، کتاب الزهد والورع، باب النيّة، ح 4229

[3] القشیری،مسلم بن حجاج، صحیح مسلم ، كِتَاب الْبِرِّ ، وَالصِّلَةِ ، وَالْآدَابِ، بَاب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ ، وَخَذْلِهِ ، ح 6543

تلاوتِ قرآن حکیم

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو انسانی ہدایت کے لیے نازل کیا۔اسی قرآن میں جہاں علوم و اسرار کا ایک سمندر موجزن ہے وہاں اس کی روشن آیات کی تلاوت اور قراءت پر بھی اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ تزکیہ نفس کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ روح و قلب کی صفائی اور پاکی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾[1]

(قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو۔)

نبی کریم ﷺ نے اپنے بیسیوں ارشادات میں قرآن مجید کی تلاوت وقراءت کا نہ صرف حکم دیا بلکہ اس پر عظیم اجر و ثواب کا حکم بھی دیا ہے۔ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ))[2]

(قرآنِ حکیم کی تلاوت کرو کیونکہ قیامت کے دن یہ اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔)

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ----))[3]

(حسد صرف دو چیزوں میں ہو سکتا ہے۔ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا کا علم دیا اور وہ دن رات اس کی تلاوت کرتا ہے۔۔۔۔)

درج بالا قرآنی آیات واحادیثِ رسول ﷺ میں قرآن حکیم کی تلاوت وقراءت کا نہ صرف حکم دیا گیا ہے بلکہ اس پر بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔یہی قرآن ہی ہے جس کو ہم بنیاد بنا کر اپنے نفوس، قلوب اور ارواح کا تزکیہ کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ﴾[4]

---

[1] المزمل: 20

[2] صحیح مسلم ،کتاب فضائل القرآن، باب فضل قراءة القرآن، ح 1874

[3] صحیح مسلم ،کتاب فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه، ح 1894

[4] یونس:57

(اے لوگو! بے شک تمھارے پاس ایک ایسی چیز آئی ہے جو تمھارے رب کی طرف سے ایک نصیحت ہے اور دلوں کی بیماریوں کیلئے شفا ہے۔)

امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں: قرآن مجید دل اور بدن کی جملہ بیماروں کے لیے مکمل شفاء اور علاج ہے۔ اور یہ دنیا اور آخرت کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔[1] مفسرِ قرآن مولانا عبد الرحمٰن کیلانی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ دلوں کی بیماریوں مثلاً شرک اور کفر کا عقیدہ، حسد، بغض، خود غرضی، بخل، لالچ وغیرہ کے لیے شفا کا کام دیتا ہے جو شخص قرآن پڑھتا اور اس پر عمل کرتا ہے یہ روگ از خود اس کے دل سے دور ہو جاتے ہیں۔"[2]

دلوں کی مختلف بیماریوں مثلاً حسد، لالچ، بغض، نفرت، بخل وغیرہ کے علاج کا نام ہی تزکیہ نفس ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں قرآن مجید کو ایک نصیحت قرار دیا ہے جو انسانی دلوں، روحوں اور نفوس کے تزکیہ کا سبب ہے۔ لہٰذا تزکیہ نفس کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول قرآن مجید کی تلاوت و قراءت اور اس کے احکام پر عمل ہے۔ قرآنی احکام پر عمل سے پہلے ان احکام کو جاننا ضروری ہے اور جاننے کے لیے تلاوتِ آیات لازمی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر معاشرے میں کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جو علم، فہم، تفکر و تدبر کے اعتبار سے انتہائی کمتر درجے میں ہوتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کی اکثریت ہے جو اتنا علم اور فہم نہیں رکھتے جو آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کر سکیں حالانکہ ان کو بھی غور و فکر کی کوشش کرنا چاہیے۔ ایسے افراد کے لیے قرآن کی تلاوت اور قراءت ہی شفاء اور تزکیے کا سبب بن سکتی ہے۔ گویا تلاوتِ آیاتِ قرآنیہ بالکل ابتدائی منزل ہے تزکیہ نفس کے لیے۔ قراءت و تلاوتِ قرآن حکیم کے اصول کو اپناتے ہوئے انسان اپنے نفس کا تزکیہ کر سکتا ہے۔

ذکرِ الٰہی

تزکیہ نفس کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے مختلف ناموں کے ساتھ یاد کرنا، صبح شام اس کے ناموں کا ورد کرنا اور دیگر طریقوں سے اللہ کا ذکر کرنا ایک مشروع اور مطلوب

---

[1] ابن القیم، محمد بن أبي بکر شمس الدین، زاد المعاد فی هدي خیر العباد، مکتبة المنار الإسلامیة، الکویت، 1994ء، ج 4 ص 322

[2] تیسیر القرآن، ج2ص307

عمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجاذکر کا نہ صرف حکم دیا[1] بلکہ ذاکرین کی تعریف اور عظمت کو بھی بیان کیا ہے۔[2] اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بندہ مؤمن کو مسلسل، ہمہ وقت اور ہر حالت میں اپنے خالق ومالک کے نام کا ورد کرتے رہنے کا حکم بڑے واضح انداز میں دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ قِيَٰمٗا وَقُعُودٗا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمۡۚ﴾[3]

(ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین مخصوص حالتوں میں ذکر کا حکم دیا ہے۔ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے۔انسان اپنی پوری زندگی انہی تین حالتوں میں سے کسی ایک میں ہوتا ہے۔اور یہاں ان تین حالتوں میں ذکر کا مطلق حکم ہے کسی خاص طریقے یا کسی خاص عضوء کے ساتھ ذکر کا حکم نہیں دیا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی پوری زندگی، چاہے وہ جس حالت میں بھی ہو جس طریقے اور جس عضو (دل، زبان، عمل) سے ممکن ہو اللہ کے ذکر کے ساتھ گزارنی چاہے۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد اور ذکر کو دلوں کے لیے سکون وراحت کا سبب قرار دیا ہے۔ جس دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سکون واطمینان حاصل ہو جائے لازماً اسکو تزکیہ نفس نصیب ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكۡرِ ٱللَّهِۗ أَلَا بِذِكۡرِ ٱللَّهِ تَطۡمَئِنُّ ٱلۡقُلُوبُ﴾[4]

(جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے، دھیان سے سنو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔)

درج بالا قرآنی آیات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہ ذکرِ الٰہی تزکیہ نفس کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے۔اسی کے ذریعے انسان اپنے زنگ آلود دِلوں اور روحوں کو پاک وصاف کر کے ان کو نئی زندگی بخش سکتا ہے۔ یہ وہ اصول ہے جو ایک عالم اور ان پڑھ، جوان وپیر، مرد وعورت اور ہر خاص وعام کے لیے یکساں طور پر ممکن ہو سکتا ہے۔

---

[1] الاحزاب:41 / المزمل:8 / الاعلیٰ:15 / الجمعۃ:10 / البقرۃ:152

[2] آلِ عمران:191

[3] النساء: 103

[4] الرعد:28

انسانی دلوں وروحوں پر گناہوں اور نفسانی خواہشات کی لگی ہوئی گرد اور آلودگیوں کو دور کرنے کے لیے ذکرِ الٰہی اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اس حوالے سے فرمانِ عالی شان ہے:

((إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةً، وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ))[1]

(بے شک ہر چیز کی صفائی کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہے اور دلوں کی صفائی کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔)

تزکیہ نفس کے لیے ذکرِ الٰہی ایک اہم اور بنیادی اصول اس حوالے سے بھی ہے کہ تزکیہ نفس ہر انسان کے لیے لازمی اور ضروری ہے اور یہ اصول ہر انسان باآسانی اپنا سکتا ہے۔ یعنی ذکر کے لیے کسی خاص لفظ یا الفاظ یا طریقے کار یا حالت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کسی بھی طریقے اور ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں بسا لے۔ نیز یہ کہ ذکرِ الٰہی کے لیے اگر کوئی الفاظ استعمال بھی کیے جائیں تو وہ بھی ایسے عام اور آسان ہیں کہ ہر جاہل و عالم چھوٹا بڑا ان کو دہرا سکتا ہے۔ اس حوالے سے ذکرِ الٰہی تزکیہ نفس کے لیے تمام ذکر وری اصولوں میں سے بھی ایک اہم اصول ہے۔

ضروری علوم

تزکیہ نفس ایک عمل ہے اور جس طرح اس عمل کے لیے صحیح عقائد اور خلوصِ نیت ضروری ہے اسی طرح قرآن و سنت پر مبنی ضروری علوم کا جاننا بھی طریقت و سلوک کے راہی کے لیے ضروری ہے۔ چونکہ یہ ایک عام فہم بات ہے کہ بغیر علم کے عمل میں غلطی اور فساد کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[2]

(کیا اہلِ علم اور جاہل لوگ برابر ہو سکتے ہیں۔)

تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے تزکیہ کے بارے میں قرآن و حدیث کی تعلیمات اور احکام سے آگاہی حاصل کی جائے۔ علم بذاتِ خود ایک بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ قرآن و حدیث میں حصولِ علم پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

---

[1] البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي ابو بكر، الدعوات الكبير، غراس للنشر والتوزيع ، الكويت، ط-2009ء ج 1 ص 80

[2] الزمر:9

اعتدال وتوازن

شریعتِ اسلامیہ اعتدال وتوازن پر مبنی ہے۔قرآن وسنت میں جہاں انسان کو اللہ عالی کی عبادت وبندگی کا حکم دیا گیا ہے وہاں دنیوی امور کے بارے میں بھی مکمل راہنمائی فرمائی گئی ہے۔اگر کوئی اسلام کو ماننے والا ہو لیکن اس کی زندگی اعتدال وتوازن سے خالی ہو تو حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں ہو سکتا۔اسلام ہمیں فکر وخیال میں، جذبات واحساسات میں، عبادت وریاضت میں، کاروبار وتجارت میں غرض کے ہر مسلمان کے شب وروز کے ہر عمل میں اعتدال وتوازن کا درس دیتاہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد بار اس اعتدال وتوازن کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿ وَٱبۡتَغِ فِيمَآ ءَاتَىٰكَ ٱللَّهُ ٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ ٱلدُّنۡيَاۖ ﴾[1]

(اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصّہ کو دنیا سے۔)

ہمیں بحیثیت مسلمان اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سیکھائی ہے جس میں نہ صرج آخرت بلکہ دنیا کی بھلائی کے حصول کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمِنۡهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴾[2]

(اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی 252 اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی تعریف اور صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَٱلَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُواْ لَمۡ يُسۡرِفُواْ وَلَمۡ يَقۡتُرُواْ وَكَانَ بَيۡنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾[3]

(اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے۔)

---

[1] القصص: 77

[2] البقرۃ: 201

[3] الفرقان: 67

درج بالا آیات بیّنات بندۂ مؤمن کو راہ اعتدال کا درس دیتی ہیں۔ تزکیہ نفس کے لیے بھی اس اصول کو مدّ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی مسلمان خالص نیت کے ہوتے ہوئے بھی تزکیہ کے عمل میں اعتدال و توازن کو چھوڑ دے گا تو اس کا یہ عمل اللہ کے ہاں درجہ قبولیت تک نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ اسلام ہمیں اعتدال کی نصیحت کرتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تین اشخاص نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب انہیں نبی کریم ﷺ کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی کریم ﷺ سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا، کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

((أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[1]

(کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔)

قرآن و حدیث کی ان تصریحات سے یہ اصول اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر عملِ تزکیہ میں اعتدال نہیں ہو گا تو ایسا عمل اللہ کے ہاں قبولیت کی سند نہیں حاصل کر سکتا۔ اس لیے عملِ تزکیہ میں اس اصول کی پابندی ضروری ہے۔

خوف و خشیت الٰہی

تزکیہ نفس کے لیے ضروری اصولوں میں سے ایک اصول اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت کا نفس میں موجود ہونا ہے۔ خشیتِ الٰہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ح 5063

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا﴾[1]

(اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد بار جنت کے ساتھ ساتھ دوزخ کا ذکر بھی کیا ہے۔ دوزخ کے تذکرے کا مقصد انسان کو اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے عذاب سے ڈرانا مقصود تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ اور مؤمنین کو اللہ ہی سے ڈرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ ٱتَّقِ ٱللَّهَ﴾[2]

(اے نبی (مکرّم ﷺ) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے۔)

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے بطور، خاص مومنین کو اپنے خوف و خشیت کا حکم درج ذیل الفاظ میں دیا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ﴾[3]

(اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا۔)

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُمۡ﴾[4]

(پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے۔)

درج بالا قرآنی آیات اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، خوف اور ڈر بندہ مؤمن کا طرہ امتیاز ہے۔ لہٰذا عملِ تزکیہ میں ایک سالک کو اپنے خالق کا خوف و خشیت اپنے نفس میں رکھنا چاہیے تاکہ اس کو حقیقی معنوں میں تزکیہ کا حصول ہو سکے۔ قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف و توصیف کی اور ان کے لیے کامیابی کا اعلان کیا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ایسی دعائیں مانگی جن میں اللہ تعالیٰ کے خوف و تقویٰ کی طلب کی گئی۔ حضور ﷺ اکثر ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے:

---

[1] التحریم: 6

[2] الاحزاب: 1

[3] آل عمران: 102

[4] التغابن: 16

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا))[1]

(اے اللہ میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع دینے والا نہ ہوں اور ایسے دل سے جو ڈرنے والا نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر ہونے والا نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول ہونے والی نہ ہو۔)

اس لیے عملِ تزکیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت دل میں ہونا ضروری ہے۔ پھر نبی کرم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس کے خوف و تقویٰ کی دعا بھی کرنی چاہیے تاکہ حقیقی معنوں میں تزکیہ کا حصول ممکن ہو سکے۔

محاسبہِ نفس

عمل تزکیہ میں مسلسل اپنے نفس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ایک ایک عمل اور قدم پر یہ دیکھنا کہ کیا یہ عمل قرآن و سنت کے مطابق ہے، مبنی بر اعتدال ہے یا قرآن و سنت کے کسی اصول کے خلاف ہے۔ اس طرح کے بیسیوں سوالات کے ساتھ مسلسل اپنے نفس کا محاسبہ اور جائزہ لینا تزکیہ نفس کے ضروری اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے۔ جس کے بارے میں کئی قرآنی آیات میں حکم دیا گیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٞ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٖۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ﴾[2]

(اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک وہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔)

ایک دوسرے مقام پر محاسبہِ نفس کے حوالے سے درج ذیل الفاظ میں حکم دیا گیا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَيۡكُمۡ أَنفُسَكُمۡ﴾[3]

(اے ایمان والوں! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے۔)

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعا والتوبة، باب التعوذ من شر ما عمل و من شر ما لم یعمل، ح 6906

[2] الحشر: 18

[3] المائدۃ: 105

اسلامی احکام کے مطابق انسان کا اپنے نفس اور اعمال کا محاسبہ نہایت ضروری ہے جس کے بغیر تزکیہ نفس کا حصول ممکن نہیں۔ کیونکہ جب تک انسان اپنے نفس کی خرابیوں اور براہیوں سے ہی واقف نہیں ہو گا وہ اپنے نفس کو ان براہیوں اور خرابیوں سے کیسے پاک وصاف کر سکے گا۔اس لیے تزکیہ نفس کے بنیادی اصولں میں سے ایک اصول محاسبہِ نفس ہے۔

کوشش وجستجو

تزکیہ ایک مسلسل اور مستقل عمل ہے۔ یہ کوئی ایسا عمل نہیں کہ ایک دفعہ کی محنت و کوشش سے حاصل ہو جائے گا اور اس کے بعد انسان کو کسی قسم کی محنت و کوشش کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جس طرح ایک باغ کی افزائش، آرائش اور زیبائش یک لخت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ایک تدریجی اور مسلسل عمل کا متقاضی ہے بعینہ تزکیہ کا عمل بھی محض امیدوں اور خواہشوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے عزم مصمم اور عملِ پیہم کی ضرورت ہے۔ قدرت کا ایک اٹل قانون ہے کہ بغیر محنت و کوشش کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کی دنیوی و آخروی کامیابی کوشش و محنت کے ساتھ ممکن ہوتی ہے۔اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں انسان کی راہنمائی فرمائی ہے۔ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمۡۗ ﴾[1]

(بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔)

﴿وَأَن لَّيۡسَ لِلۡإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾[2]

(اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔)

﴿وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ ﴾[3]

(اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھادیں گے۔)

---

[1] الرعد: 11

[2] النجم: 39

[3] العنکبوت: 69

ان آیاتِ بیّنات سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ کوئی بھی عمل اور کام بغیر محنت و مشقت اور کوشش و جستجو کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی قوم کی اچھی یا بری حالت اس کے اعمال وافعال کی بنیادوں پر تبدیل کی جاتی ہے۔ انسان خود اپنے لیے اچھائی اور برائی کا فیصلہ کرتا ہے۔ جیسے انسان کے اعمال ہوں گے انہی کے مطابق اس سے معاملہ کیا جائے گا۔ تزکیہ نفس بھی ایک مسلسل اور مستقل عمل کا نام ہے جو لگاتار اور مسلسل محنت و کوشش کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے درج بالا آیات سے یہ اصول اخذ کیا جاتا ہے کہ تزکیہ نفس کے لیے نصرتِ الہی کے ساتھ ساتھ انسانی کوشش، محنت اور جستجو بھی لازمی اور ضروری ہے۔

نصرتِ خداوندی کی طلب

تزکیہ نفس کے حوالے سے یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ درج بالا تمام اصولوں کو مدِّ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ جو سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مدد اور نصرت کا طلب کرنا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت شاملِ حال نہ ہو تو تمام کے تمام اعمال وافعال پایا تکمیل تک نہیں پہنچ سکتے۔ جو شخص تزکیہ نفس کے لیے اخلاصِ نیت اور پختہ ارادے سے اٹھتا ہے تو اسے قدم قدم پر آزمائش وابتلاء کا سامنا کرنا پڑھتا کہ آیا یہ انسان اپنے ارادے اور نیت میں مخلص ہے یا ریاکار۔ ان مشکلوں اور آزمائشوں سے وہی انسان بچ سکتا ہے جس کو نصرت خداوندی اور تائیدِ ایزدی حاصل ہو۔ سورت فاتحہ میں ہمیں اسی چیز کی تعلیم دی گئی ہے۔ (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں)[1] قرآن وسنت میں کئی مقامات پر تزکیہ نفس کو محض اللہ کا فضل کہا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے اس کا تزکیہ کر دے۔ اس کا ہر گز یہ معنٰی نہیں کہ انسان کوشش و محنت چھوڑ دے بلکہ صرف یہ احساس دلانا ہے کہ اللہ ہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس لیے اسی کے آگے مدد واستعانت کے لیے جھکنا چاہیے۔ اس لیے اخلاصِ نیت، عملِ پیہم کے ساتھ نصرتِ خداوندی کی طلب بھی ایک ضروری عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[1] الفاتحۃ: 4

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَآءُ﴾[1]

(اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت، تو تم میں سے کوئی بھی پاک وصاف نہ ہوتا کبھی بھی، ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔)

گویا انسان کی تمام کی تمام کوششوں میں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نصرت نہ شامل ہو تو نہ صرف یہ کہ کسی انسان کا تزکیہ ممکن نہیں بلکہ اس ضمن میں کی گئی تمام کی تمام کوششیں ناکام اور بے سود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے عملِ تزکیہ میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل اور نصرت کی طلب پیشِ نظر رہنی چاہیے۔قرآنی آیاتِ بیّنات کے علاوہ خود نبی مکرم ﷺ سے ایسی بہت سی دعائیں منقول ہیں جن میں تزکیہ نفس کے ضمن میں نصرت الٰہی کی طلب سکھائی گئی ہے۔

((اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا))[2]

(اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطا کر اور اسے پاکیزہ بنا آپ ہی پاکیزہ بنانے والوں میں سے بہتر ہیں)

سطورِ بالا میں ذکر کی گئی آیتِ قرآنیہ اور اقوالِ رسول ﷺ کی روشنی میں چند اصولوں اور ضابطوں کو بیان کیا گیا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ہی ایک بندہِ مؤمن عملِ تزکیہ کے حقیقی فوائد و ثمرات حاصل کر سکتا ہے۔اگر انسان خلوصِ دل سے ہی تزکیہ نفس کے لیے کوشش کرے لیکن وہ تزکیہ نفس کے لازمی اور ضروری اصولوں اور ضابطوں سے نابلد ہو تو یقیناً گمراہی کے امکانات موجود ہوتے ہیں اس لیے بندہ مؤمن کا شیوہ ہونا چاہیے کہ وہ تزکیہ نفس کے ضمن میں مقاصد کے ساتھ ساتھ ان اصولوں ضابطوں اور طریقوں کی بھی مکمل پابندی کرے جو تزکیہ نفس کے ضمن میں قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں۔ قرآن وسنت میں بیان کردہ تزکیہ نفس کے اصولوں میں سب سے اہم عقائد کی تصحیح اور درستگی، فرض عبادات، نفس کا محاسبہ، کوشش ومحنت، خوف وخشیت الٰہی، اعتدال وتوازن، علومِ ضروریہ کا حاصل کرنا اور اخلاصِ نیت اہم ہیں۔

---

[1] النور:21

[2] صحيح مسلم، كتاب الذكر و الدعا والتوبه، باب ما يقول عند النوم و اخذ المضجع، ح 2405

فصل سوم

تصوف: معنٰی و مفہوم، حقیقت اور آغاز وارتقاء

دیگر اسلامی علوم کی طرح تزکیہ نفس و باطن کے متعلق جاننا اور اس کی عملی صورتوں کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کا علم بھی نہایت اہمیت کا حامل علم ہے۔ اسی علم کو متاخرین نے تصوف کا نام دیا ہے۔ جملہ علومِ اسلامیہ کی طرح علمِ تصوف بھی ایک خاص اہمیت کا حامل علم تصوّر کیا جاتا ہے۔ علم تصوف کی بنیاد اور اساس قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔اس علم کا مقصد اور مدّعا تزکیہ نفس، تطہیرِ قلب و روح اور عمدہ اخلاق کو پروان چڑھانا ہے۔ تصوف ایک ذہنی اور فکری رجحان بھی ہے اور اخلاقِ عالیہ کی تکمیل اور اس کی عملی صورت بھی۔

علمِ تصوف یا اصطلاح تصوف کے ضمن میں یہ جاننا ضروری ہے کہ تصوف کا لفظ یا یہ مخصوص اصطلاح کب سے رائج ہوئی اس کا آغاز اور ارتقاء کب اور کیسے ہوا نیز یہ کہ لغوی و اصطلاحی اعتبار سے اس کے معانی و مفہوم کیا کیا ہیں۔ اسی اعتبار سے اس فصل میں تصوف کا معنٰی و مفہوم، اس کی حقیقت اور آغاز وارتقاء کے حوالے سے بحث و تحقیق کی جاتی ہے۔اس فصل درج ذیل تین ابحاث پر مشتمل ہے۔

بحث اول: تصوف کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

بحث دوم: تصوف کی حقیقت اور اساس

بحث سوم: تصوف کا آغاز وارتقاء

بحث اول

تصوف کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ و مفہوم

لفظِ تصوف کی لغوی تحقیق کے بارے میں صوفیاء و علماء ایک معنیٰ پر متفق نظر نہیں آتے۔ تصوف کی تقریباً تمام قدیم و جدید کتب میں تصوف اور صوفی کی اصل کے ضمن میں بہت سے الفاظ بیان کیے جاتے ہیں۔[1] ذیل میں تصوف کے لغوی معانی کے حوالے سے اہلِ لغت اور صوفیاء کے نقطۂ نظر کے ضمن میں صرف چند اہم الفاظ کو بیان کیا جاتا ہے۔

الصوف

تصوف کا لفظ صوف سے مشتق ہے جس کے معنیٰ اون کے ہیں۔ یہ باب تفعل سے ہے۔ اس مادہ سے اس کا معنیٰ ہو گا "اونی لباس پہننا" امام قشیریؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"تصوف اذا لبس الصوف"[2]

(جب کسی نے اون کا لباس پہنا تو اس نے تصوف اختیار کیا)

الصفاء

بہت سے اہلِ علم اور صوفیائے کرام کے نزدیک تصوف اور صوفی کی اصل "الصفا" ہے۔ یعنی تصوف کا لفظ صفاء سے مشتق ہے جس کا معنیٰ صفائی اور پاکیزگی ہے اور اس کا متضاد کدورت ہے۔[3] اس معنیٰ کے حوالے سے برصغیر پاک و ہند کے ایک عظیم اور مشہور صوفی بزرگ عثمان بن علی ہجویریؒ لکھتے ہیں:

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: قادری، طاہر القادری، حقیقتِ تصوف، منہاج القرآن پبلیشرز، لاہور، 2000ء، جلد 1 ص 82-78 / ڈاکٹر اسرار احمد، حقیقتِ تصوف، انجمن خدام القرآن لاہور، 2003ء، ص 10 - 9 / احسان الٰہی ظہیر، تصوف تاریخ و حقائق، ادارہ ترجمان السنہ، لاہور، 2010ء، ص 50 - 31

[2] القشیری، ابو القاسم عبد الکریم، بن ہوازن، الرسالۃ القشیریہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط-1419، ص 355

[3] الرسالۃ القشیریہ، ص 355

"کدورت بشری صفات میں سے ہے اور صوفی اسے کہتے ہیں جو ان بشری کدورتوں سے گزر جائے۔"[1]

الصف

بعض صوفیا کے نزدیک لفظ، تصوف کا مادہِ اشتقاق الصف ہے۔ صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ سے تعلق و ربط اور محبت و عشق میں صفِ اوّل میں شامل ہوتے ہیں۔ وہ محبتِ الٰہی کو ہر چیز سے پہلے رکھتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔امام قشیریؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اہل تصوف حضورِ دل کے ساتھ پہلی صف میں موجود رہتے ہیں"[2]

راجح قول کے مطابق جس پر تقریباً تمام صوفیاء کرام کا اتفاق ہے، تصوف کا لفظ صوف سے مشتق ہے، اس لیے کہ ابتدائی دور کے اکثر و بیشتر صوفیاء کرام صوف کا لباس پہنتے تھے اس لیے لوگ انھیں صوفہ کہنے لگے۔ اس بات کی تائید میں ابو نصر سراج الطوسیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: صوفیاء کو ان کے لباس ظاہری کی وجہ سے صوفی کے لقب سے نسبت دی گئی۔ وہ لوگ اُون کا لباس اس لیے پہنتے تھے کہ صوف کا لباس پہننا اکثر نبیوں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا امتیازی نشان رہا ہے۔[3] اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایران میں صوفیوں کو پشمینہ پوش بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ حافظ شیرازی لکھتے ہیں:

سرمست در قبائے زرافشاں چو بگدازی
یک بوسہ نذرِ حافظِ پشمینہ پوش کن[4]

اسی بات اور مفہوم کی طرف علامہ اقبالؒ نے بھی اشارہ کیا ہے۔

---

[1] ہجویری، عثمان بن علی، کشف المحجوب، (مترجم: سید محمد احمد قادری) مکتبہ شمس و قمر، لاہور، 2012ء، ص60

[2] الرسالہ القشیریہ، ص356

[3] الطوسی، ابونصر السراج، کتاب اللمع، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، (مترجم: سید اسرار بخاری) ص52

[4] شیرازی، حافظ، دیوانِ حافظ، مطبوعہ تہران، س۔ن، ص275

صوفیء پشمینہ پوشِ حالِ مست

از شرابِ نغمہ قوال مست[1]

ڈاکٹر اسرار احمد تصوف کے لغوی اشتقاق کے بارے میں مختلف الفاظ و آراء پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکاتے ہیں کہ تصوف کے بارے میں جو معروف چار آراء (صفا، صف، صُفّہ، صوف) ہیں ان میں سے پہلی تین تو بالکل غلط ہیں اور ان کا غلط ہونا صد فی صد ثابت ہے۔ البتہ چوتھی رائے کے بارے میں اہم علم اور صوفیاء حضرات تقریباً متفق ہیں کہ لفظِ تصوف صوف سے بنا ہے۔[2]

تصوف کے درج بالا بیان کردہ لغوی معانی اہلِ لغت کے ہاں کسی طور بھی مروج نہیں ہیں۔ لغت میں الصوف (ص وف) الصف (ص ف) وغیرہ کے معانی جدا جدا ہیں۔ یہ الفاظ کسی طور پر بھی تصوف کا لغوی معنیٰ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے ہم کہ سکتے ہیں کہ تصوف کے لغوی معانی اس کی مشہور اور رائج تعریفات اور مفہوم سے کسی حال میں بھی مطابقت نہیں رکھتے البتہ اصطلاحی مفاہیم اور تعاریف کی افادیت سے کوئی بھی انکاری نہیں ہے۔

تصوف کا اصطلاحی معنیٰ و مفہوم

تصوف کی لغوی تعریف کی طرح اصطلاحی تعریف کے حوالے سے بھی صوفیاء کرام نے اپنے اپنے انداز میں اس کی وضاحت کی ہے۔ صوفیاء و علما کی طرف سے تصوف کی بیان کردہ تعریفات اتنی ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا ایک مشکل امر ہے اور نہ ہی یہاں اس کی کوئی ضرورت ہے۔ مشہور صوفی ابو القاسم القشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں تصوف کی پچاس سے زائد تعریفات نقل کی ہیں۔[3] اسی طرح قطب الدین منصور المروزی نے بیس سے زائد تعریفیں نقل کی ہیں۔[4] اس کے علاوہ دیگر بہت سے صوفیائے کرام اور نامور مؤرخین و محققین نے بھی تصوف کی کئی تعریفات نقل کی

---

[1] اقبال، علامہ محمد، کلّیاتِ اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1978ء، ص 123

[2] حقیقتِ تصوف، ص 9 -10

[3] تفصیل کے لیے دیکھیے: القشیری، عبدالکریم ہوازن، الرسالہ القشیریہ، دار الکتب الحدیثیہ قاہرہ، ج2 ص 551 سے آگے

[4] تفصیل کے لیے دیکھیے: المروذی، قطب الدین منصور، مناقب الصوفیہ، انتشارات مولیٰ تہران، 1362ھ، ص 32 - 29

ہیں۔[1] یہاں ہم چند مشہور و معروف صوفیاء کے تعریفات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ شیخ جنید بغدادیؒ تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"التصوف هوان تكون مع الله بلاعلاقة"[2]

(اللہ تعالٰی کے ساتھ بناکسی غرض ولالچ کے تعلق رکھنا تصوف کہلاتا ہے۔)

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں تصوف کی تعریف کے ضمن میں شیخ ابوالحسن حصریؒ کا قول نقل کیا ہے۔آپؒ فرماتے ہیں:

"التصوف صفاء السرِّمن كدورة المخالفة"[3]

(تصوف اپنے ضمیر کو مخالفتِ حق سے محفوظ رکھنااوراس کی نورانیت کو کدورت سے بچانا۔)

محمد بن احمد مقریؒ تصوف کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"التصوف استقامة الاحوال مع الحق"[4]

(تصوف جملہ احوال کو حق کے ساتھ قائم رکھنے کانام ہے۔)

گویا آپؒ کے نزدیک تصوف اس طریقہ زندگی کا نام ہے جس میں ایک بندہ مؤمن اللہ کے علاوہ ہر چیز سے منہ موڑ کر اپنے محبوب حقیقی سے بغیر غرض و لالچ کے رشتہ قائم کرلیتا ہے اور خوش حالی و تنگدستی ہر حال میں اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو قائم رکھتا ہے۔

صاحبِ رسالہ قشیریہ نے تصوف کی تعریف کے سلسلے میں زکریا انصاریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

---

[1] سراج الطوسی نے اپنی کتاب اللمع میں تصوف کی سو سے زائد تعریفات بیان کی ہیں۔ دیکھیے: کتاب اللمع ص 47 سے آگے۔اسی طرح عوارف المعارف میں شیخ سہروردی نے ذکر کیا ہے کہ تصوف کی تعریف کے بارے میں صوفیائے کرام کے ایک ہزار سے زائد اقوال ہیں۔ دیکھیے: عوالرف المعاف، ص ص 57۔ مشہور مستشرق پروفیسر نکلس نے تصوف کی مختلف اٹھتر تعریفیں نقل کی ہیں۔ دیکھیے: التصوف الاسلامی وتاریخہ، (عربی) مترجم: ڈاکٹر ابوالعلی عفیفی، ص28

[2] الرسالہ القشیریہ، ص357

[3] ہجویری، عثمان بن علی، کشف المحجوب، (مترجم: سید محمد احمد قادری) مکتبہ شمس وقمر، لاہور، 1433ھ، ص129

[4] کشف المحجوب، ص40

التصوف هو علم تعرف به الاحوال تزكية النفوس و تصفية الاخلاق و تعمير الظاهر والباطن لنيل سعادة الابدية"[1]

(تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعے انسانی نفوس کی پاکی، اخلاق و کردار کی عمدگی اور ظاہر و باطن کی تعمیر کی معرفت حاصل کی جاتی ہے تاکہ ابدی سعادت کو پایا جاسکے۔)

لفظِ تصوف کی اصل کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ تصوف ایک شرعی مقصد تزکیہ نفس یا احسان کا اصطلاحی عنوان ہے۔ عہدِ رسالت میں تمام علوم و فنون اور تمام احکامِ شریعت کا سرچشمہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔ آپ ﷺ سے حضرات صحابہ کرام نے اپنی اپنی طاقت و استعداد کے مطابق کمالات علمیہ و عملیہ کی تحصیل کی اور مختلف علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کی، لیکن اس وقت علوم کے لیے الگ الگ عنوانات اور حاملینِ علوم کے لیے الگ الگ نام نہیں ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے تمام شاگردوں اور متعلقین کا ایک خاص لقب یا وصف تھا یعنی صحابی رسول ﷺ۔ حضرات صحابہ کرام کے شاگردوں کو بھی ایک خاص لقب سے یاد کیا جانے لگا یعنی تابعین۔ چونکہ صحابی اور تابعی یہ ایسے القاب تھے کہ ان کے مقابل کوئی بھی لقب، وصف یا نام کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا اس لیے ان دو ادوار میں ہر قسم کے علوم و فنون کے ماہرین کو انہی القاب سے یاد کیا جاتا تھا۔

پھر رفتہ رفتہ مختلف علوم و فنون اور ان کی تفصیلات وضع کی جانیں لگیں اور یوں علم حدیث، علم تفسیر، علم الفقہ، علم الانساب، علم اسماء الرجال، علم اصول، علم الکلام اور مختلف علوم الگ الگ عنوانات سے ظاہر ہونے لگے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام علوم سادہ اور ابتدائی شکل میں عہد نبوت میں موجود تھے مگر جوان کی تفصیلات مرتب ہوتی گئی ان کی تدوین ہوتی گئی ان کے الگ الگ نام متعین ہوتے گئے اور ان کے لحاظ سے ان کے نام معروف ہوتے گئے تو کیا چونکہ عہد نبوت میں یا عہد صحابہ میں یہ نام اور یہ لقب نہ تھے اس لئے ان کو ردّ کر دیا جائے گا؟ یقیناً کوئی بھی سلیم العقل اور سلیم الطبع شخص ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تو پھر تصوف کے حوالے سے بھی ہمارا رویّہ یہی ہونا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ جس علم یا جس عمل کا یہ عنوان مقرر ہوا ہے وہ دین میں موجود ہے یا نہیں اگر اس اصول اور معیار پر تصوف کا مسئلہ کھرا نہیں ثابت ہوتا تو بے شک لائقِ رد اور ناقابلِ قبول ہے۔ لیکن اگر تصوف اس معیار اور اصول پر پورا اترتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا اس بنا پر انکار کر دیا جائے کہ

[1] الرسالہ القشیریہ، ص357

کتاب وسنت میں اس نام کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اگر ایسا رویہ عام کر دیا جائے تو بہت سے علوم اور اصطلاحات کو شریعت کے دائرے سے خارج کرنا پڑے گا۔

درج بالا بحث سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے تصوف کی ان جملہ تعریفات میں اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی دور کے صوفیاء کرام کے نزدیک تصوف کی ایک جامع اور منطقی تعریف بیان کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ جب ان سے سوال کیا جاتا کہ تصوف کیا ہے تو وہ تصوف کے صرف اس پہلو کا تذکرہ کرتے جس کی اہمیت جتانی ان کے پیشِ نظر ہوتی۔ جیسے کہ نبی کرم ﷺ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر اور افضل ہے تو حضور ﷺ نے ایک ہی سوال کے متعدد مواقع پر مختلف سائلین کے مزاج، نفسیات اور ہمت و طاقت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مختلف جواب دیئے۔[1] یہی وجہ ہے کہ بہت سے صوفیاء کرام سے تصوف کے متعلق ایک دو نہیں بلکہ مختلف تعریفات منقول ہیں۔ دراصل صوفیاء کرام مختلف مواقع پر سائلین کو ان کے مزاج اور نفسیات کے مطابق تصوف کے بارے میں آگاہ کرتے جسے بعد میں آنے والوں نے اس کی منطقی تعریف کے طور پر بیان کر دیا۔

[1] دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان ھو العمل، ح26۔ کتاب العتق، باب ای الرقاب افضل، ح2518۔ کتاب الجہاد ولسیر، باب فضل الجہاد والسیر، ح2782۔ کتاب الحج، باب فضلِ حج المبرور، ح1520۔ سنن ترمذی، کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء ای الاعمال افضل، ح1658۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب: جھد المقل، ح2527۔

بحث دوم

تصوف کی حقیقت اور اغراض و مقاصد

تصوف کا تعلق اصلاً انسان کے داخل اور باطن سے ہے نہ کہ ظاہر اور خارج سے۔ اس کے مقاصد میں صبر، اخلاص اور توکل جیسے فضائل، خوف، خشیت اور محبت جیسی کیفیات، دنیا سے بے نیازی، خاموشی اور خلوت نشینی جیسے رجحانات اور فقر و فاقہ عبادت و شب بیداری اور ذکر و فکر جیسے اعمال پیدا کرنا ہیں تاکہ روح میں مطلوبہ صفات پیدا ہو سکیں۔ ابوالحسین نوریؒ[1] سے جب سوال کیا گیا کہ تصوف کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا:

"تصوف نہ تو رسوم و اعمال کا نام ہے، نہ ہی علم کا بلکہ یہ تو حسنِ خلق ہے"[2]

ڈاکٹر اسرار احمد تصوف کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تصوف کا موضوع اور مقاصد صد فی صد درست اور خالص اسلامی ہیں اگر ہم انھیں معیّن الفاظ کا جامہ پہناہیں تو وہ یہ ہیں: "**اولاً:** جہل سے نجات اور معرفت کا حصول۔ **ثانیاً:** تہذیب و تزکیہ نفس۔ **ثالثاً:** تصفیہ قلب اور تجلیہ روح۔ **رابعاً:** خالق سے خلوص و اخلاص۔ **خامساً:** مخلوق کی خدمت"[3]

تصوف کے جملہ مقاصد جن کو صوفیاء کرام نے اپنی کتب میں بڑے تفصیل سے بیان کیا ہے، قرآن و سنت پر مبنی ہیں۔ یہاں تک کے ان مقاصد پر ناقدینِ تصوف کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے یہ بات وہ بھی مانتے ہیں کہ یہ جملہ مقاصد دین و شریعت کے مطلوب و مقصود ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد مقاصدِ تصوف کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] ابوالحسین احمد بن محمد نوریؒ (295ھ) تیسری صدی کے ایک بلند پایا صوفی بزرگ تھے۔ آپؒ کے والدین خراسان کے رہنے والے تھے لیکن ان کی ولادت اور پرورش بغداد میں ہوئی۔ ابوالحسین نوریؒ اپنے رفیق شیخ جنید بغدادیؒ کے مقابلے میں زیادہ عبادت گزار تھے اور ان پر وجد و سکر کا غلبہ بھی تھا۔ وہ اپنے اشارات کے لیے مشہور تھے ان میں سے کچھ کی تشریح ابو نصر سراج الطوسی نے کی ہے۔ دیکھئے: کتاب اللمع ص492، رسالہ قشیریہ ص123، کتاب التعرف ص96-100، تذکرۃ الاولیاء ص ج2 ص39 -47۔

[2] عطار، فرید الدین، تذکرۃ الاولیاء ج2 ص46

[3] اسرار احمد، حقیقتِ تصوف، ص8

یہ تمام مقاصد دین ہی کے مقاصد ہیں جو مطلوب ہیں۔ لہٰذا جہاں تک تصوف کے مقاصد کا تعلق ہے وہ عین دین ہے اور وہ عین مطلوب ہے۔[1]

تصوف کا موضوع

سادہ، آسان اور مختصر ترین الفاظ میں تصوف کا بنیادی موضوع انسان کے دل کی دنیا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان صرف ظاہری اعضاء و جوارح اور گوشت پوست کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ حقیقت میں انسان روح اور مادہ (جسم) کے مجموعے کا نام ہے۔ جس طرح شریعتِ اسلامیہ انسانی جسم کو لاحق ہونے والے اور اسے متاثر کرنے والے عوامل و عوارض کے سدّباب کے لیے مناسب راہنمائی کرتی ہے اسی طرح روح کو متاثر کرنے والے عوامل و عوارض کے بارے میں بھی مکمل معلومات اور علاج فراہم کرتی ہے۔ تصوف، جو کہ حقیقت میں احسان اور تزکیہ نفس کا ہی نام ہے، اس کا موضوع یہی روح، باطن یا دل اور اس کی کیفیات سے متعلق ہے۔ مفتی محمد شفیع اس بارے میں رقمطراز ہیں:

"علم تصوف کا موضوع ہمارے دِل کی وہ دنیا ہے جو ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آتی، مگر اس کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔"[2]

انسان کی یہ جو باطنی دنیا ہے اس کے بنیادی اور مرکزی کردار روح اور دل ہیں۔ انہی پر انسان کی ظاہری جسامت اور ظاہری اعضاء کی درستی اور صحت کا دار مدار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب))[3]

(سن لو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو گا سارا بدن درست ہو گا اور جہاں بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔ سن لو وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے۔)

---

[1] حقیقتِ تصوف، ص9

[2] مفتی، محمد شفیع، دل کی دنیا، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ص9

[3] الجامع الصحيح، كتاب الايمان، باب فضل من استبرا لدينه، ح 52- سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبهات، ح 3984

معلوم ہوا کہ اگر انسان کا دل درست اور صحیح ہو تو پورا جسمانی نظام درست ہو گا اور اگر اس میں کسی وجہ سے خرابی پیدا ہو جائے تو ظاہری و باطنی دونوں نظام تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ظاہری انسانی جسم کی صحت کے لیے مختلف ادویات اور علاج کی طرف اسلام ہماری راہنمائی کرتا ہے اسی طرح روح و دل کے امراض کے علاج کے لیے جو طریقہ، راستہ یا نظام اختیار کیا جاتا ہے اس کو احسان، تزکیہ نفس یا تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ دل کے امراض یا اس کے بگڑنے اور سنوارنے سے کیا مراد ہے؟ کون کون سی چیزیں اس کی بیماری کا سبب بنتی ہیں اور ان کا علاج اور سدّ باب کیسے ممکن ہے؟ یہ تمام امور تصوف کے مقاصد اور موضوع ہیں۔

بحث سوم

تصوف کا آغاز وار تقاء

تزکیہ نفس، جس کا بنیادی مقصد انسانی روح، دل اور نفس کی تربیت و اصلاح ہے، دینِ اسلام کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اسی تزکیہ نفس کو احسان یا تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ دین کا ایک بنیادی اور اہم شعبہ ہے اس لیے لازماً اس کی ابتداء و آغاز نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ دورِ رسالت میں اس کو احسان یا تزکیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اور یہ تزکیہ نبوتِ محمدی ﷺ کے بنیادی فرائض و مقاصد میں سے سب سے اہم مقصد تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس، جو اصل میں تصوف کا ابتدائی اور حقیقی نام تھا اس کا آغاز دورِ رسالت میں ہی ہو چکا تھا۔

اس بحث میں اس بات کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ تزکیہ نفس کی اصطلاح کے بجائے تصوف اور صوفی کی اس خاص اصطلاح کے ساتھ اصلاحِ نفس کے اس نظام کا آغاز وار تقاء کب اور کیسے ہوا۔ اس ضمن میں ہم تصوف کے آغاز وار تقاء کو مندرجہ ذیل تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

دورِ اوّل: ابتدائی اور غیر منظم دور: (پہلی تا چوتھی صدی ہجری)

اس دور میں تصوف باقاعدہ ایک تنظیم، تحریک یا نظام کی صورت میں موجود نہیں تھا۔ یہ وہ دور تھا جس میں صحبت و تربیتِ رسول ﷺ اور صحبتِ صحابہ و تابعین کے اثرات بڑی حد تک معاشرے میں موجود تھے یہی وجہ تھی کی کسی ایسے نظام یا کسی ایسی اصطلاح کی جو دورِ رسالت یا صحابہ میں نہ تھی، قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس دور میں صحبتِ رسول ﷺ و صحابہ کے زیرِ اثر مسلمانوں کے دل پاکیزہ ہو چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور کے مسلمانوں کا ہر عمل قرآن و سنت کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایات کرتے ہیں:

((قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ: أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا؟ قَالَ: "فِي الْجَنَّةِ"، فَأَلْقَى تَمَرَاتٍ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ))[1]

---

[1] الجامع الصحیح ، کتاب المغازی، باب غزوة احد، ح 4046

(ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے غزوہ احد کے موقع پر پوچھا: یارسول اللہ ! اگر میں قتل کر دیا گیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں۔ انہوں نے کھجور پھینک دی جو ان کے ہاتھ میں تھی اور لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔)

اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحبتِ رسول ﷺ کی برکت سے صحابہ کرام کے دل پاک اور نیت خالص ہو جاتی تھی اور پھر جب اسی پاکیزہ دل اور خالص نیت سے وہ عمل کرتے تھے تو ان کو حقیقی کامیابی حاصل نصیب ہو جاتی تھی۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ جس میں وہ تین مرتبہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کر دیجیے۔[1]

ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی صحبت کے اثر اور برکت کی وجہ سے صحابہ کرام خود بارگاہ رسالت میں تزکیہ نفس و اصلاح روح و دل کے لیے حاضر ہوتے تھے اور نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کا تزکیہ فرماتے تھے۔ پھر حضور ﷺ کے تربیت یافتہ ان صحابہ کرام کی صحبت میں تربیت پانے والوں کا بھی یہی حال تھا۔ ان حضرات کو تابعین کے لقب سے یاد کیا گیا۔ جس طرح صحابہ کرام نے اپنے لیے صحابیت کے لقب سے بڑھ کر کسی نام یا لقب کو ترجیح نہیں دی اسی طرح یہ حضرات بھی تابعی کے لقب کو اپنے لیے سرمایا افتخار سمجھتے تھے۔ لہٰذا دورِ تابعین تک نہ تو کسی جدید اصطلاح کی اور نہ ہی تزکیہ نفس کے لیے کسی جدید نظام کی ضرورت محسوس کی گئی۔

عہد نبوت اور عہدِ صحابہ کرام سے بُعد اور دوری کے سبب مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر تقوٰی و پرہیزگاری کے اثرات بڑی تیزی سے بتدریج کم ہوتے گئے۔ نو مسلموں کی کثرت اور ان کے بعض غیر اسلامی عقائد کے اسلام پر اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ نئی فتوحات اور نئی تہذیبوں کے امتزاج نے مسلمانوں کے مزاج پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ نظام خلافت کو ملوکیت میں بدلنے کی کامیاب کوششوں اور اسلامی تاریخ کے بعض ناخوشگوار واقعات[2] نے عام عوام اور خاص طور پر دین دار طبقے کو حکمرانوں سے بددل کر دیا۔

[1] صحيح مسلم، كتاب الحدود باب من اعترف على نفسه بالزنىٰ، ح 1695

[2] جیسے شہادتِ نواسہ رسول امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر، کعبہ اللہ پر سنگ باری۔

درج بالا اسباب اور واقعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات میں بہت سے دین دار لوگ اپنے دین و ایمان کو بچانے کے لیے دنیا سے کنارہ کش ہو کر کثرت عبادت و ریاضت، ذکر و فکر اور زہد و توکل کی طرف راغب ہوئے بلکہ انھوں نے دوسروں کو بھی ایسی زندگی گزارنے کی تلقین کی۔ ان لوگوں میں جو زیادہ مشہور و معروف ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

حسن بصریؒ (م 110ھ) مالک بن دینارؒ (م 128ھ) حضرت سفیان ثوریؒ (م 141ھ) حضرت حبیب عجمیؒ (م 156ھ) ابراھیم بن ادھمؒ (م 161ھ) عبداللہ بن مبارکؒ (م 181ھ) اور فضیل بن عیاضؒ (م 187ھ)[1]

تیسری صدی ہجری کے بعد مسلم معاشرے میں یونانی فلسفے کی آمد سے حالات میں کچھ اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یونانی فلسفے کی اس یلغار نے عقل و تشکیک کو بڑی اہمیت دی جس سے خلقِ قرآن اور اعتزال جیسے فتنے مسلم معاشرے میں رونما ہوئے۔ گویا ایک نئی علمی تحریک کا آغاز ہو گیا۔ ماموں الرشید نے بیت الحکمت کی بنیاد رکھی، یونانی کتب کے تراجم کا بندوبست کیا جانے لگا۔ اس علمی تحریک کی وجہ سے جہاں معتزلہ اور متکلمین کی دینی روش ظاہر ہوئی وہاں پر اس وقت کے صوفیاء پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ صوفیاء کرام کے نظریات و عقائد میں حبِ خدا کے حوالے سے شدت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ اسی دور میں نظریہ وحدۃ الوجود اور حلول وغیرہ کا تصور عام ہونا شروع ہوا۔

اس دور میں صوفیاء کرام کی سرگرمیوں کا اہم مرکز بغداد ہوتا تھا لیکن اس کے اثرات ایران، مصر، شام اور جزیرۃ نما عرب تک پہنچ چکے تھے۔ اس دور (تیسری اور چوتھی صدی) کے مشہور صوفیاء کرام میں حضرت معروف کرخیؒ (م 201ھ) ذوالنون مصریؒ (م 240ھ) سری سقطیؒ (م 253) بایزید بسطامیؒ (م 261ھ) حسین بن منصور الحلاج (م 309ھ) ابوبکر شبلیؒ (م 234ھ) ابو نصر سراج الطوسیؒ (م 378ھ) ابو بکر کلا بازیؒ (م 385ھ) اور شیخ ابو طالب مکیؒ (م 386ھ) وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔

[1] بھٹی، امان اللہ، اسلام کا خانقاہی نظام، مکتبہ دار السلام، 2008ء، ص 40

دورِ ثانی: تشکیلی اور ارتقائی دور: (پانچویں تا آٹھویں صدی ہجری)

اس دور میں تصوف نے باقاعدہ ایک تنظیم اور ادارے کی صورت اختیار کرنا شروع کی۔ یہی دور تصوف کی تاریخ کا سب سے اہم دور شمار کیا جاتا ہے۔ جس میں مسلم معاشرے کے تقریباً تمام حصوں میں باقاعدہ خانقاہیں قائم کی گئیں۔ ان خانقاہوں میں صوفیاء کرام بطورِ خاص ایسے شاگرد تیار کرتے تھے جو دیگر علاقوں میں جا کر صوفیاء کرام کے مشن کو جاری ترقی دیتے تھے۔ اس دور میں خالص اسلامی تصوف میں اگرچہ بہت سے غلط نظریات اور عقائد شامل ہوئے لیکن اس کے باوجود اکثر صوفیاء کرام نے دین و شریعت کے دامن کو تھامے رکھا۔ پھر مختلف صوفیاء کرام نے ہی ان غلط نظریات اور عقائد کے ردّ میں کتب تحریر کیں۔ اس سلسلے میں عبدالکریم بن ہوازنؒ، امام غزالیؒ، عبدالقادر جیلانیؒ اور عثمان بن علی ہجویریؒ نے اپنے اپنے وقت میں مختلف کتب لکھ کر تصوف کو شریعت کے تابع کرنے اور اس کو غلط نظریات کی آمیزش سے پاک کرنے کی کوششیں کیں۔

تصوف کے اس تشکیلی اور ارتقائی دور میں باقاعدہ مختلف اصلاحاتِ تصوف کا رواج ہوا۔ بعض ایسی اصطلاحات وضع ہوئیں اور اہلِ تصوف کے ہاں رائج ہو گئی جو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف تھیں۔ سکر، جذب، حلول اور مختلف قسم کی شطحیات اہلِ تصوف کے ہاں رواج پانے لگیں۔[1] اس دور کی چند اہم صوفیاء کے نام درج ذیل ہیں:

ابو نعیم اصفہانیؒ (م 430ھ) عبدالکریم بن ہوازنؒ (م 465ھ) ابوالحسن علی ہجویریؒ (م 465ھ) ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (م 505ھ) عبدالقادر جیلانیؒ (م 561ھ) ضیاء الدین سہروردیؒ (م 567ھ) فرید الدین عطارؒ (م 620ھ) شہاب الدین سہروردیؒ (م 632ھ) معین الدین چشتی اجمیریؒ (م 633ھ) بختیار کاکیؒ (م 633ھ) محی الدین ابن عربیؒ (م 638ھ) فرید الدین گنج شکرؒ (م 666ھ) جلال الدین رومیؒ (م 672ھ) اور مخدوم جہانیاںؒ (م 785ھ)

[1] اسلام کا خانقاہی نظام، ص 42

دورِ ثالث: دورِ زوال واصلاح (نویں صدی ہجری تا حال)

اس دور کا آغاز تقریباً نویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ نویں صدی ہجری تک کچھ چند ایک خرابیوں کے باوجود تصوف بہت سے لوگوں کی اصلاح و تربیت کے حوالے سے ایک بااثر نظام کی صورت میں اپنا نہایت اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ اس دور میں تصوف کو قدرے زوال وانحطاط کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ اس میں ایسے بہت سے نظریات، عقائد اور اصطلاحات شامل ہوگئیں جو بظاہر شریعت اسلامیہ سے ٹکراتی تھیں۔ اگرچہ صوفیاء کرام اپنے ان نظریات کی مختلف تاویلیں کرتے تھے تاہم علماء اور عام عوام کے لیے ایسی تاویلات ناقابلِ قبول تھیں۔ تصوف کے ارتقاء کے پہلے دو مراحل میں جو غیر اسلامی عقائد و نظریات اس میں شامل ہونا شروع ہوئے تھے وہ اب ایک سیلاب کی صورت میں اس پورے نظام کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے تیار تھے۔ اسی دور میں وحدۃ الوجود کا نظریہ عوام و خواص میں محل بحث تھا۔ بہت سے برائے نام صوفیاء نے اپنے غلط نظریات کا نہ صرف پرچار کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ وہ اسی کو حقیقی تصوف کا نام دیتے تھے۔ اس دور میں جب تصوف اپنے عروج سے زوال کی طرف بڑھنے لگا تو بہت سے صوفیاء کرام نے اس کی اصلاح کے لیے کوششیں کیں۔

تصوف کے اس اصلاحی دور میں برصغیر پاک و ہند کے نامور صوفیاء نے ہی سب سے پہلے اپنے اس روحانی نظام میں در آنے والی خرابیوں اور غلط عقائد و نظریات کی بیخ کنی کا کٹھن کام اپنے سر لیا اور بڑی جان فشانی سے اصلاحِ تصوف کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ، جو برصغیر میں سلسلہ نقشبندیہ کے بانی تھے، کی کوششیں لائقِ تحسین ہیں۔ آپؒ کی ان اصلاحی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں:

> "ہندوستان میں سب سے پہلے جس بزرگ نے اس اصول پر کثرت سے عمل کیا اور نہ صرف ہندوستان میں نقشبندی سلسلے کی مستحکم بنیاد رکھی بلکہ امراء و اکابر سے اختلاط پیدا کر کے نہایت خاموشی سے درباری بدعتوں کے خلاف متشرع اور دیندار اُمراء کا محاذ قائم کیا، وہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ تھے۔"[1]

نقشبندی سلسلے کے ہی ایک اور عظیم بزرگ شیخ احمد سرہندی (مجدّد الف ثانیؒ) نے اصلاحِ تصوف کے لیے جو کوششیں کیں ان کو تمام تذکرہ نگاروں نے بڑی تحسین کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اصلاحِ تصوف کے حوالے سے کیں جانے والی کوششوں میں

---

[1] محمد اکرم، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 2005ء، ص 191

سب سے اہم اور مؤثر کوششیں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے حصّے میں آئی۔ آپؒ نے شیخ ابن عربیؒ کے نظریہ وحدۃ الوجود کے مقابل نظریہ وحدۃ الشھود پیش کیا۔ تصوف کے اس اصلاحی دور میں حضرت مجدّد کے بعد شاہ ولی اللہ نے بھی اصلاحِ تصوف و صوفیاء کے حوالے سے بڑی مؤثر کوششیں کیں۔ اس دور میں تصوف کا زیادہ تر اثر برصغیر پاک و ہند اور اس کے مضافاتی ملکوں اور شہروں میں اپنے عروج پر تھا۔ تصوف کے مختلف سلاسل کو اسی دور میں زیادہ شہرت اور ترقی ملی۔ برصغیر کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں سلاسلِ اربعہ (چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ) کو بہت ترقی اور شہرت ملی۔ برصغیر کے طول و عرض میں ان سلاسل کی خانقاہیں قائم کی گئیں۔ جہاں اصلاحِ نفس اور تزکیہ باطن کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا ایک خاص انتظام موجود ہے۔ تصوف کے اس دور کے اہم مشائخ و صوفیاء کے نام درج ذیل ہیں:

اشرف جہانگیر سمنانیؒ (828ھ) عبدالکریم جیلیؒ (820ھ) خواجہ محمد گیسو دراز (825ھ) شیخ احمد سرہندیؒ (1033ھ) میاں میر لاہوریؒ (1152ھ) عبدالطیف بھٹائیؒ (1165ھ) شاہ ولی اللہؒ (1174ھ) پیر مہر علی شاہؒ (1356ھ) میاں محمد بخشؒ (1324ھ) وغیرہ۔

فصل چہارم

سلاسلِ تصوف کا تعارف اور آغاز وارتقاء

سلاسل کا لفظ لغوی اعتبار سے جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد سلسلہ ہے۔ سلسلہ کا لفظی معنٰی ہے: زنجیر، رابطہ، کورس اور لگاتار ہونا۔[1] سلاسلِ تصوف سے مراد تصوف و سلوک کے مختلف طریقے اور نظام ہیں جن میں تمام صوفیاء کا اپنے اپنے مرشد یا استاد سے ایک مسلسل تعلق اور رابطہ ہوتا ہے۔ یہ سلاسل مختلف صوفیاء کرام سے منسلک ہیں اور پھر بعد میں آنے والے صوفیاء کرام نے انہی طریقوں کی پیروی کی۔ یوں تو تصوف کے بہت سے سلاسل ہیں تاہم ان تمام سلاسل میں سے جن سلسلوں نے شہرت دوام پائی ان میں چار قابل ذکر ہیں۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ نقشبندیہ

دنیا کے اکثر خطوں اور ممالک میں بالعموم اور جنوبی ایشیاء و برِ صغیر پاک و ہند میں بالخصوص ان چاروں سلاسلِ تصوف سے منسلک صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے اشاعتِ دین، اصلاحِ نفس و معاشرہ اور خدمتِ خلق کے حوالے سے ایسی جاندار اور مؤثر کوششیں کی جن کہ دنیا معترف ہے اور جن کو تمام مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے۔ اسی حوالے سے ذیل میں ہم انہی چار سلاسلِ تصوف کے تعارف، آغاز وارتقاء اور ان کی برصغیر میں آمد کی تاریخ کے حوالے سے بحث و تحقیق کرتے ہیں۔ اس فصل کو درج ذیل چار مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اول: تعارف سلسلہ قادریہ

بحث دوم: تعارف سلسلہ چشتیہ

بحث سوم: تعارف سلسلہ سہروردیہ

بحث اول: تعارف سلسلہ نقشبندیہ

---

[1] قاسمی، وحید الزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات لاہور، 2001ء ص790

بحث اول

تعارف سلسلہ قادریہ

تصوف کے مشہور و معروف روحانی سلسلوں میں سے ایک اہم اور معروف سلسلہ قادریہ ہے۔ تصوف کے جن اہم سلاسل کی نسبت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے ان میں سلسلہ چشتیہ اور سہروردیہ کے علاوہ سلسلہ قادریہ بھی ہے۔ یہ سلسلہ مختلف واسطوں سے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بانیِ سلسلہ تک پہنچتا ہے۔

آغاز و ابتداء

سلسلہ قادریہ کی ابتداء عراق کے ایک مشہور شہر بغداد، جو کہ علم و حکمت کا مرکز سمجھا جاتا تھا، سے تقریباً چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں ہوئی۔ تمام تذکرہ نگار اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ سلسلہ قادریہ کے بانی اور مؤسسِ اعلیٰ مشہور و معروف صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> "آپؒ (عبدالقادر جیلانیؒ) ہی سلسلہ قادریہ کے سرِ لشکر ہیں۔ آپؒ نے اپنی زندگی میں ہی اصلاح و تربیت کا اعلیٰ انتظام قائم کر دیا تھا اور اپنے خلفاء کو تبلیغ و اشاعت کے لیے دور دور بھیج دیا تھا۔ آپؒ کے بعد اسلامی ممالک کے دور دراز حصوں میں اس سلسلے کی شاخیں قائم ہوئیں۔"[1]

آپؒ کی ولادت 470ھ میں عراق کے شہر بغداد کے ایک قصبے گیلان میں ہوئی۔ اسی نام کی نسبت سے آپؒ کو گیلانی اور جیلانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپؒ کی وفات 561ھ میں ہوئی اور مزارِ مبارک بغداد میں واقع ہے۔[2]

برصغیر میں آمد اور ارتقاء

سلسلہ قادریہ کی ہندوستان آمد کن شیوخ کے ذریعے ہوئی اس بارے میں تذکرہ نگاروں سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ ان میں اکثر کے مطابق نویں صدی ہجری سے اس سلسلے کا آغاز ہندوستان میں ہوا تھا۔ خلیق احمد نظامی لکھے ہیں:

---

[1] نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور، س-ن، ص155

[2] قادری، محمد ریاض، غوث الاغیات، قرطاس پبلیشرز، لاہور، ص7

پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ سلسلے ہندوستان میں قائم ہوئے۔ قادریہ سلسلے کو شاہ نعمت اللہ قادریؒ نے ہندوستان میں قائم کیا۔ سید محمد غوث گیلانیؒ، شیخ عبدالقادر ثانیؒ، سید موسیٰؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس سلسلے کو مغلیہ عہد میں فروغ دیا۔[1]

ہندوستان مین اس سلسلے کی آمد کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تحریروں کی تائید شیخ محمد اکرام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"شاہ نعمت اللہ قادری دکنی نے ہندوستان میں اس سلسلے کو رائج کیا۔ اگرچہ یہ سلسلہ ان سے نہیں چلا لیکن تقدمیت کا شرف انھیں ہی حاصل ہے۔"[2]

مقبول الرحیم نقی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کی ہندوستان میں بنیاد سیدنا شیخ محی الدین عبد سیدنا تاج الدین عبدالرزاقؒ (متوفی 623ھ) کی آمد سے پڑ چکی تھی۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"برصغیر پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فیوض و برکات کا سلسلہ ان کی زندگی ہی میں اس سرزمین میں پہنچ گیا تھا سب سے پہلے ان کے بڑے فرزند سید عبدالرزاقؒ ہندوستان تشریف لائے اور کچھ عرصے قیام کرنے کے بعد واپس بغداد تشریف لے گئے۔"[3]

درج بالا اقتباسات میں غور و فکر کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سلسلہ قادریہ کے اوّلین نقوش ہندوستان میں سیدنا عبدلقادر جیلانیؒ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی ملتے ہیں لیکن اس دور میں نہ تو اس سلسلے سے متعلقہ صوفیاء کرام نے ہندوستان کو اپنا مسکن بنایا اور نہ ہی اسے کوئی خاطر خواہ ترقی نصیب ہوئی یہی وجہ ہے کہ اکثر تذکرہ نگاروں کے مطابق برصغیر میں اس سلسلے کے حقیقی بانی اور اس کو ترقی دینے والے صوفیاء کی آمد تقریباً نویں صدی ہجری یعنی پندرھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ گویا یہ سلسلہ نویں صدی ہجری سے قبل یہاں پہنچ چکا تھا لیکن اس کو ایک تنظیمی نظام کی شکل میں نویں

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص157

[2] رودِ کوثر، ص63

[3] مقبول الرحیم، شہزادہ غوث الوارئ، منہاج القرآن سیدنا غوث الاعظم نمبر، 1985، ص 57

صدی میں متعارف کروایا گیا۔ نویں صدی ہجری میں ہندوستان میں اس کی ترقی اور شہرت کے لیے جن صوفیاء نے کردار ادا کیا ان میں سید محمد غوث گیلانیؒ، شیخ عبدالقادر ثانیؒ، سید موسیٰؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ قابل ذکر ہیں۔

بحث دوم

تعارف سلسلہ چشتیہ

برصغیر پاک وہند میں تصوف وروحانیت کے مشہور ومعروف سلاسل میں سب سے زیادہ شہرت سلسلہ چشتیہ کے نصیب میں آئی۔ اسکے دیگر اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ تھا کہ یہ سلسلہ کچھ ایسی خصوصیات کا حامل تھا جن کی بناپر برصغیر کے حالات اور ماحول اس کے لیے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ مثلاً موسیقی اور سماع، ادب وشعر وشاعری سے رغبت، ملائمت اور بطورِ خاص غیر مسلموں سے تعلقات اور رواداری وغیرہ۔ ان خاص اوصاف نے اس سلسلے کو ہندوستان میں ترقی اور شہرت کے جلد حصول میں بڑی مدد دی۔

آغاز وابتداء

اس عظیم سلسلے کی ابتداء خراسان (موجودہ افغانستان) کے شہر چشت سے ہوئی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخِ مشائخِ چشت میں اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "چشت، خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ وہاں کچھ بزرگانِ دین نے روحانی اصلاح وتربیت کا ایک مرکز قائم کیا۔ اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا"[1]

اس سلسلے کے مؤسس وبانی شیخ ابو اسحاق شامی ؒ(متوفی 940ء) ہیں۔ شیخ ابو اسحاق شامیؒ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا ہے۔[2] لیکن ان تمام تذکروں میں ان کے حالات تفصیل سے درج نہیں ہیں۔ آپؒ خواجہ ممشاد دینوریؒ (متوفی 910ء) کے فیض یافتہ تھے۔ خواجہ ممشاد دینوریؒ بغداد کے رہنے والے تھے۔ جب خواجہ ابو اسحاق شامیؒ ان کے پاس آئے تو انھوں نے اپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا اور فرمایا: آج سے لوگ تجھے ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے اور چشت اور اس کے اطراف کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے۔[3]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص159

[2] ایضاً

[3] لاہوری، غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ج2، ص37

"اس کے بعد خواجہ دینوریؒ نے ان کو تذکیر وارشادِ حق کے لیے چشت روانہ کر دیا۔ جہاں ان کی پر خلوص جدوجہد سے ایک عظیم سلسلے کی داغ بیل پڑی اور چشت بہت جلد ایک زبردست روحانی مرکز بن کر چمک اٹھا"[1]

برصغیر میں آمد اور عروج

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے پہلے اس سلسلے کے کچھ بزرگ برصغیر میں تشریف لا چکے تھے مثلاً خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی جن کے بارے میں مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ وہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔[2] لیکن تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ برصغیر پاک وہند میں اس سلسلے کا اجراء کرنے اور اس سرزمین میں اس کے حقیقی بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلے کو ہندوستان میں جاری کرنے کا شرف خواجہ معین الدینؒ کو حاصل ہوا۔ آپ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور ہندوستان کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ واشاعت کا کام شروع کر دیا۔"[3]

خواجہ معین الدین چشتیؒ ہی برصغیر پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کے وہ پہلے صوفی تھے جنھوں نے اس سلسلے کے پورے برصغیر میں پھیلایا اور آپؒ اور آپؒ کے چند اہم خلفاء کی بدولت اس سلسلے کو برصغیر پاک وہند میں لازوال شہرت نصیب ہوئی۔

خصوصیات

سلسلہ چشتیہ کی ایسی بہت سی خصوصیات ہیں جو اس کو دیگر سلاسلِ تصوف سے منفرد اور ممتاز کرتی ہیں۔ یہی بعض خصوصیات ایسی تھیں جن کے سبب اس سلسلے کو ہندوستان میں پنپنے کا موقع ملا۔ ان میں سماع کا روج، غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور انسانی ہمدردی پر مبنی قریبی تعلقات، ہندوستانی سماج اور رسوم ورواج سے مطابقت اور ادبیت یعنی شعر وشاعری

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص161

[2] جامی، عبدالرحمٰن، نفحات الانس، شبیر برادر لاہور، 2002ء ص207

[3] تاریخ مشائخ چشت، ص165

سے رغبت وغیرہ زیادہ اہم اور قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں ذکر خفی اور ذکرِ جہری دونوں پائے جاتے ہیں۔ نیز تربیت، اصلاحِ باطن اور تزکیہ نفس کے لیے ذکر، روزہ اور مراقبے کا زیادہ رواج ہے۔

مشہور مشائخ عظام

سلسلہ چشتیہ کے بہت سے مشائخ ایسے ہیں جنہوں نے شہرت دوام پائی ہے۔ ذیل میں ہم چند اہم صوفیاء و مشائخ چشت کے اسماء ذکر کرتے ہیں جنہوں نے بر صغیر میں شہرت دوام پائی۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (633ھ) فرید الدین گنج شکر (666ھ) نظام الدین اولیاءؒ (726ھ) علا الدین صابرؒ (691ھ) نصیر الدین چراغ دہلویؒ (757ھ) شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ (944ھ) حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (1317ھ)

بحث سوم

تعارف سلسلہ سہروردیہ

برصغیر پاک و ہند میں سلاسلِ اربعہ میں سے شہرت کے اعتبار سے چشتیہ و قادریہ کے بعد سلسلہ سہروردیہ کا نام اہم ہے۔ اس سلسلے نے بھی دیگر سلاسلِ تصوف کی طرح اس خطے میں اشاعتِ دین، تزکیہ نفوس اور خدمتِ خلق کے ضمن میں بڑی جاندار اور مؤثر کاوشیں کیں ہیں۔ اس بحث میں اس سلسلے کی ابتداء اور برصغیر پاک و ہند میں آمد اور ترقی کے حوالے سے بحث کی جاتی ہے۔

آغاز و ابتداء

اس سلسلے کی ابتداء تقریباً چھٹی صدی ہجری میں بغداد شہر سے ہوئی تھی۔ یہ سلسلہ اپنی ابتداء و آغاز کے لحاظ سے چشتیہ سلسلے کی طرح بہت پرانا ہے۔ بلکہ کئی حوالوں سے یہ سلسلہ چشتیہ سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جیسے ٹھوس تبلیغی کاموں میں اس کا پلہ شاید سلسلہ چشتیہ سے بھی بھاری ہے۔[1] عام طور پر اس سلسلے کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے منسوب ہے لیکن زیادہ صحیح اور درست بات یہ ہے کہ اس سلسلے کے حقیقی بانی ضیاءالدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ہیں۔[2] آپ کی ولادت 490ھ قصبہ سہرورد[3] میں اور وفات 563ھ بغداد میں ہوئی۔[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کی اس سلسلے کی ابتداء آج سے کم و بیش نو سو سال قبل ہوئی تھی۔

---

[1] محمد اکرم، شیخ، آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، 1992، ص252

[2] حامد علی خان، پروفیسر، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، 1975، ص66

[3] سہرورد ایک قصبے کا نام تھا جو عراق اور عجم کے اندر ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے پہلے تینوں بزرک، شیخ وجیہ الدین، ابو نجیب عبدالقاہر، شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اسی مقام کے رہنے والے تھے اسی نسبت سے یہ تمام سہروردی کہلائے اور یوں ان بزرگوں کی نسبت سے سلسلے کا نام بھی سہرودوری مشہور ہوا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو جامع انسائکلوپیڈیا (حامد علی خاں) ص 803، اور اسلامی انسائکلوپیڈیا (سید قاسم محمود) ص965

[4] عبدالرحمن چشتی، مراۃ الاسرار، بذم اتحاد المسلمین لاہور، 1412ھ ص539

شجرہ طریقت

سلسلہ سہروردیہ کا شجرہ طریقت جس کو پروفیسر حامد علی خان نے جو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ اور بہاالدین ذکریا ملتانی کے پیر بھائی تھے نے تحریر کیا۔ سلسلہ سہروردیہ کا آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ہو کر شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی تک پہنچتا ہے۔

نمبر شمار	بزرگ کا نام	وفات	مقام وفات	ملک
1	سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	40ھ	نجف	عراق
2	حضرت حسن بصریؒ	110ھ	بقیع مدینہ منورہ	سعودی عرب
3	خواجہ حبیب عجمیؒ	156ھ	بصرہ	عراق
4	خواجہ داؤد طائیؒ	165ھ	بغداد	عراق
5	حضرت معرف کرخیؒ	200ھ	بغداد	عراق
6	حضرت سری سقطیؒ	353ھ	بغداد	عراق
7	حضرت جنید بغدادیؒ	297ھ	بغداد	عراق
8	حضرت ممشاد دینوریؒ	299ھ	بغداد	عراق
9	حضرت احمد اسود دینوریؒ	340ھ	سمرقند	روس
10	حضرت ابو محمد عمویہؒ	373ھ	سمرقند	روس
11	قاضہ وجیہ الدینؒ	462ھ	بغداد	عراق
12	حضرت ضیاء الدین ابو نجیبؒ	563ھ	بغداد	عراق
13	حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ	632ھ	بغداد	عراق
14	حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ	665ھ	ملتان	پاکستان

برصغیر میں آمد اور ارتقاء

سلسلہ سہروردیہ کے ابتدائی بزرگ جن سے یہ سلسلہ منسوب ہے اور جن کی وجہ سے اس نے شہرت حاصل کی، کبھی ہندوستان نہیں آئے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس سلسلے کی ترویج و ترقی میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے چند خلفاء کی کوششیں لائق تحسین ہیں۔ اس ضمن میں دو قسم کے خلفاء تھے۔ پہلی قسم ان خلفاء پر مشتمل تھی جو ہندوستان کی سرزمین میں ہی پیدا ہوئے اور تحصیل علم و معرفت، بزرگوں سے ملاقات اور سیاحت کی غرض سے بغداد اور دوسرے شہروں کا رخ کیا اور واپس آکر یہاں اس سلسلے کے ترقی کا ذریعہ بنے۔ ان خلفاء میں شیخ سخی سرورؒ (متوفی 577ھ)، شیخ حمید الدین ناگوریؒ (متوفی 643ھ) اور بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی 665ھ) قابل ذکر ہیں۔ یہ بزرگ بغداد میں شیخ شہاب الدین سے تعلیم و تربیت اور خرقۂ خلافت لے کر واپس ہندوستان لوٹے اور یہاں انھوں نے سلسلہ سہروردیہ کو بامِ عروج تک پہنچایا۔

دوسری قسم میں وہ بزرگ شامل ہیں جنھوں نے برصغیر سے باہر بغداد اور دوسرے علاقوں میں جنم لیا اور اور وہاں سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد بغداد سے دوسرے علاقوں میں تشریف لے گئے۔ ان بزرگوں میں سے جو برصغیر میں آئے ان میں شیخ شہاب الدین المعروف شیخ جگجوتؒ، شیخ جلال الدین تبریزیؒ، شیخ نور الدین مبارک غزنویؒ، اور شیخ شرف الدین عراقیؒ شامل ہیں۔

برصغیر یا ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کا آغاز کس سن میں ہوا؟ اس بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں قائم کی جا سکتی۔ کیوں کہ تمام تذکرہ نگاروں کے تذکرے ایسے شواہد سے خالی ہیں جن سے کسی سن کا تعین کیا جا سکے۔ البتہ یہ بات تقریباً ثابت شدہ ہے کہ برصغیر میں اس سلسلے کو عروج اور ترقی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی بدولت ملی۔ لیکن کچھ آثار ایسے ملتے ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے قبل اس سرزمین پر کچھ سہروردی بزرگ تشریف لا چکے تھے۔ مسعود حسن شہاب نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے قبل شیخ نوح بکھریؒ کو اپنے مرشد سے خلافت مل چکی تھی۔[1] شیخ نوح بکھریؒ سندھ کے رہنے والے تھے اور بغداد سے واپسی پر آپ نے اسے علاقے کو اپنا مسکن

[1] مسعود حسن شہاب، اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور، ص196

بنایا۔ شیخ محمد اکرم کے مطابق ہندوستان میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے قبل آپ کے پیر بھائی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ حضرت نوح بکھری سندھ میں موجود تھے۔[1]

ڈاکٹر محمد سعید کی تحقیق کے مطابق شیخ نوح بکھریؒ کی بغداد سے ہندوستان میں آمد کا سن 580ھ ہے۔[2] اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان میں شیخ نوح بکھریؒ وہ پہلے بزرگ تھے جو اس سلسلے سے کو لے کر آئے۔ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کی ہندوستان میں آمد ایک اندازے کے مطابق تقریباً 601ھ ہے۔ آپ کی آمد سے قبل یہاں شیخ نوح بکھریؒ سندھ کے علاقے میں تشریف لا چکے تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد تقریباً چھٹی صدی ہجری کے آواخر میں ہوئی ہے۔ برصغیر میں اس سلسلے کو شہرت اور ترقی کی بلندیوں تک لے جانے والے بزرگ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ ملتان کے جملہ صوفیاء کرام میں سب سے زیادہ شہرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کو حاصل ہوئی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے مریدوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دوسرے اس لیے کہ ان کو سیاسی طور پر اقتدار حاصل رہا اور ان کے تعلقات بادشاہوں اور حکمرانوں سے رہے۔[3]

یوں تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ سہروردیہ، جس کے حقیقی بانی یا مؤسسِ اوّل حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی اور اس کو ترویج و ترقی دینے والے شیخ شہاب الدن عمر سہروردی تھے، کی ہندوستان میں آمد 580ھ میں شیخ نوح بکھریؒ کے سبب ہوئی اور برصغیر میں اس کو ترقی اور شہرت کی بلندیوں تک پہنچانے والے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ تھے۔ یوں کہنا بجا ہو گا کہ ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کے حقیقی بانی حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ تھے۔ آپؒ کی باکمال شخصیت اور اخلاقی و روحانی کردار کی وجہ سے اس سلسلے کو بہت جلد برصغیر میں دائمی شہرت نصیب ہوئی۔

---

1 آبِ کوثر، 1992ء، ص293

2 محمد سعید، ڈاکٹر، تاریخِ سہروردیہ، گیلانی پرنٹرز کراچی، 2001ء ص149

3 زیدی، ڈاکٹر شمیم، احوال و آثار شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، 1974ء، ص38

بحث چہارم

تعارف سلسلہ نقشبندیہ

روحانیت کے چند مشہور و معروف سلاسل میں سے ایک اہم سلسلہ نقشبندیہ ہے۔ اس سلسلے کی نسبت بھی سہروردیہ اور چشتیہ کے برعکس مقام کے بجائے بانی سلسلہ کے نام سے ہے۔ قدامت کے لحاظ سے یہ سلسلہ باقی تینوں سلاسل پر فوقیت رکھتا ہے۔

آغاز وابتداء

اس سلسلے کا پرانا نام سلسلہ خواجگان ہے۔ جس کی ابتداء ترکستان سے ہوئی۔ اس سلسلے کے اولین بزرگوں میں خواجہ محمد اتا لیسویؒ (متوفی 1166ء) اور خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (1179ء) اہم ہیں۔ انہی صوفیاء سے اس سلسلے کی ابتداء ہوئی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> "قدامت کے لحاظ سے سلسلہ خواجگان سب سے پہلے آتا ہے۔ یہ سلسلہ ترکستان میں قائم ہوا تھا۔ اس کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ خواجہ محمد اتا لیسویؒ ہیں۔ ان کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اصلاحات وضع کیں اور ان کو اپنے روحانی نظام کا لازمی جزء قرار دیا۔ ہوش دردم۔ نظر بر قدم۔ سفر در وطن۔ خلوت در انجمن۔ یاد کرد۔ باز کشت۔ نگاہداشت یاداشت۔"[1]

خواجہ محمد اتا لیسویؒ اور خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے اس سلسلے کو فروغ دینے کے لیے بڑی کوششیں کیں لیکن ان کو وہ شہرت اور ترقی نہ مل سکی جو بعد میں اس سلسلے کو نصیب ہوئی۔

سطورِ بالا میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس سلسلے کو قائم کرنے والے خواجہ احمد یسویؒ (المتوفی 1166ء) تھے۔ جن کو خواجہ محمد عطاء یسویؒ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (المتوفی 1179ء) نے اس کی ترقی کے لیے کوشش کی لیکن ان دونوں بزرگوں کے دور میں سلسلہ کا نام سلسلہ خواجگان تھا۔ اس لیے تاریخ دانوں اور تذکرہ نگاروں کے نزدیک سلسلہ نقشبندیہ کے مؤسس اور حقیقی بانی خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ (1389ء-1318ء) ہیں۔

---

[1] تاریخ مشائخِ چشت، ج153

برصغیر میں آمد اور ارتقاء

سلسلہ خواجگان (نقشبندیہ) تمام سلاسل میں سب سے قدیم ہے لیکن ہندوستان میں اس کی آمد سب سے بعد میں ہوئی۔ ہندوستان میں اس سلسلے کے بانی اور اس کو ترقی دینے والے پہلے صوفی بزرگ خواجہ باقی باللہؒ (متوفی 1630ء) تھے۔ شیخ محمد اکرم سلسلہ نقشبندیہ کی برصغیر میں آمد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں سب سے پہلے جس بزرگ نے اس اصول پر کثرت سے عمل کیا اور نہ صرف ہندوستان میں نقشبندی سلسلے کی مستحکم بنیاد رکھی بلکہ امراء و اکابر سے اختلاط پیدا کر کے نہایت خاموشی سے درباری بدعتوں کے خلاف متشرع اور دیندار اُمراء کا محاذ قائم کیا، وہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ تھے۔"[1]

خواجہ باقی باللہؒ کے مرید اور خلیفہ شیخ احمد سرہندی المعروف مجدّد الف ثانیؒ نے اپنے مرشد کی وفات کے بعد برصغیر میں اس سلسلے کو ترقی دی۔ حضرت مجدّد کے عہد میں اس سلسلے نے برصغیر میں شہرت دوام پائی۔

خصوصیات

سلسلہ نقشبندیہ کی سب سے اہم صفت جو اسے دوسرے سلاسل سے ممتاز کرتی ہے وہ شریعت کی حد درجہ پیروی اور تمسک بالسنۃ ہے۔ اس کے علاوہ نقشبندی مشائخ موسیقی اور سماع کے خلاف تھے، ذکرِ خفی و جلی کو جائز مانتے ہیں، مراقبہ کو تعلق باللہ کا ایک مؤثر ذریعہ خیال کرتے ہیں اور فرائض شرعی کو نوافل پر واضح ترجیح دیتے ہیں۔[2]

سلسلہ نقشبندیہ کے متعلق کی گئی بحث یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ سلسلہ اگرچہ تمام سلاسلِ تصوف میں سب سے قدیم ہے لیکن برصغیر کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو یہاں یہ سلسلہ سب سے آخر میں پہنچا۔ برصغیر میں جن سلاسلِ تصوف کو بہت زیادہ شہرت ملی ان میں بلاشبہ سلسلہ چشتیہ سرفہرست ہے۔ اس کے بعد سلسلہ نقشبندیہ وہ سلسلہ ہے جس کو یہاں بہت ترقی اور عروج ملا۔ یہ سلسلہ اپنی مخصوص اصطلاحات اور خصوصیات کی وجہ سے آج بھی لاکھوں لوگوں کے لیے ہدایت کا ساماں فراہم کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن و سنت یعنی شریعت کی پیروی ہر چیز سے مقدم سمجھی جاتی ہے۔ مشائخِ نقشبندیہ کے ہاتھ کوئی ایسی عمل یا طریقہ نہیں ملتا جو اسلامی شریعت کے خلاف ہو۔

---

1 رودِ کوثر، ص 191

2 ہاشمی، حمید اللہ شاہ، احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، تصوف فاؤنڈیشن لاہور، 2000ء، ص 64

باب دوم

تزکیۂ نفس میں سلاسلِ تصوف کے تربیتی طریقِ کار کا جائزہ

فصل اول: تزکیۂ نفس میں سلسلہ قادریہ کا تربیتی طریقِ کار، اور خصوصیات

فصل دوم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ چشتیہ کا تربیتی طریقِ کار، اور خصوصیات

فصل سوم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ سہروردیہ کا طریقِ تربیت، اور خصوصیات

فصل چہارم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ نقشبندیہ کا طریقِ تربیت، اور خصوصیات

باب دوم

تزکیۂ نفس میں سلاسلِ تصوف کے تربیتی طریقِ کار کا جائزہ

دینِ اسلام کے دیگر شعبوں مثلاً تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کے لیے جس طرح مخصوص اصطلاحات وضع کی گئیں اور ان کے اصول و ضوابط بنائے گئے اسی طرح دین اسلام کا یہ اہم شعبہ، جو تصوف و سلوک کے نام سے معروف ہے، بھی کچھ مخصوص اصطلاحات، اصول و قواعد اور ایک مخصوص نظام تربیت کا حامل ہے۔ پھر جس طرح فقہ میں عام طور پر چار مشہور و معروف مسالک (حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی) کے ساتھ ساتھ دیگر مسلک (جعفریہ، اہلِ حدیث) بھی موجود ہیں اور پوری دنیا میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان فقہی مسالک کی پیروی کرتی ہے۔ ان تمام فقہی مسالک میں فروعات میں بے شمار اختلاف ہونے کے باوجود امتِ مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ یہ تمام مسالک اپنی اصل اور اپنے مقصد کے لحاظ سے حق اور راہِ مستقیم پر ہیں۔

اسی طرح تصوف و سلوک میں بھی چار مشہور و معروف سلاسل کے علاوہ دیگر سلسلوں کے مختلف ناموں، اصولوں، اصطلاحات، تعلیمات اور طریقہ تربیت میں اختلاف کے باوجود یہ تمام سلاسل اپنے مقصدِ اصلی یعنی معرفتِ الٰہی اور تزکیۂ نفس میں متفق و متحد ہیں۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "تصوف کے سب طریقوں کے بزرگوں اور اربابِ ارشاد کی غالب اکثریت یقیناً اس امر پر پورا اتفاق رکھتی ہے کہ طریقت کی اصل ایک ہے اگرچہ اہلِ طرق کے سلوک کی راہیں الگ الگ ہو گئی ہیں۔"[1]

گویا یہ سلاسلِ تصوف اصل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تزکیۂ نفس کے حصول کے مختلف ذرائع، طریقے اور نظام ہیں۔ کتاب "روحانیتِ اسلام" کے مصنف واحد بخش سیال اس نظام اور تنظیم کی تعریف درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہوئے:

---

[1] دہلوی، شاہ ولی اللہ، ہمعات، (مترجم: پروفیسر محمد سرور) سندھ ساگر اکادمی لاہور، 1946ء، ص 53

"تاریخِ اسلام میں تمام مذہبی تنظیموں میں سے سلاسلِ طریقت کی تنظیم سب سے زیادہ مضبوط، معتبر، دیرپا اور کامیاب رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق بطون، یعنی ذاتِ حق کے قرب اور معرفت سے ہے"[1]

تزکیۂ نفس اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے سلاسلِ تصوف کی انہی مختلف اصطلاحات، اصولوں اور تربیتی طریقوں پر بحث کے لیے اس باب کو درج ذیل چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول: تزکیۂ نفس میں سلسلہ قادریہ کا تربیتی طریقِ کار، اور خصوصیات

فصل دوم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ چشتیہ کا تربیتی طریقِ کار، اور خصوصیات

فصل سوم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ سہروردیہ کا طریقِ تربیت، اور خصوصیات

فصل چہارم: تزکیۂ نفس میں سلسلہ نقشبندیہ کا طریقِ تربیت، اور خصوصیات

1 سیال، واحد بخش، روحانیتِ اسلام، بزمِ اتحاد المسلمین، لاہور، ص 203

فصل اول

تزکیہ نفس میں سلسلہ قادریہ کا تربیتی طریقِ کار اور خصوصیات

تزکیہ نفس پیغمبرِ اسلام سیدنا محمد ﷺ کے مقاصد نبوت میں سے سب سے اہم مقصد تھا۔ تصوف اور اس کے مختلف سلاسل کے وجود کا حقیقی اور اصلی مقصد یہی تزکیہ نفس کا حصول ہے۔ تزکیہ نفس کے اس اہم مقصد کے حصول کے لیے دیگر روحانی سلاسل کی طرح سلسلہ قادریہ کا اپنا ایک مخصوص نظام، اصول وضوابط اور تربیتی طریقِ کار ہے۔ تزکیہ نفس اور اصلاحِ فرد و معاشرہ کے حوالے سے قادریہ سلسلے کے اس نظام تربیت، اہم نکات اور خصوصیات کو بیان کرنے اور قرآنی منہج تربیتِ اصلاح کے ساتھ اس کا موازنہ کرنے کے لیے اس فصل کو درج ذیل تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: تصوّرِ بیعت اور قرآن سنت میں اس کی اہمیت

بحث دوم: سلسلہ قادریہ کے تربیتی نظام کے بنیادی نکات

بحث سوم: سلسلہ قادریہ کے تربیتی نظام کی خصوصیات

بحث اوّل

تصوّرِ بیعت اور قرآن سنت میں اس کی اہمیت

تصوف کے تمام روحانی سلاسل کی یہ ایک خوبی اور وصف ہے کہ وہ طالبِ حق کی باقاعدہ عملی تربیت سے قبل اس کو سلسلے کے ساتھ ایک خاص تعلق اور رابطہ قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرتے ہیں۔ عام اصطلاح میں اس کو بیعت کرنا یا مرید بنایا کہا جاتا ہے۔ روحانی تربیت چونکہ کوئی وقتی، عارضی یا یک بارگی عمل نہیں کہ بس ایک دفعہ کوشش کی جائے اور چند لمحات یا ملاقاتوں میں حاصل ہو جائے بلکہ یہ ایک تدریجی، مستقل اور مسلسل عمل کے نتیجے میں ممکن ہوتی ہے۔ اسی لیے تمام سلاسلِ تصوف کے نظام تربیت کی ابتداء بیعت سے ہوتی ہے۔ دینِ اسلام میں بیعت کا تصور، اس کی حقیقت اور اس سے متعلقہ جملہ امور کی کیا اہمیت ہے؟ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ان امور کے بارے میں بحث کی جائے۔

تصورِ بیعت اور قرآن مجید

اللہ تعالیٰ نے قرآنی مجید میں ایسے نفوسِ قدسیہ کی تعریف بیان فرمائی ہے جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی۔

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ ٱللَّهَ يَدُ ٱللَّهِ فَوۡقَ أَيۡدِيهِمۡ﴾[1]

(بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔)

علامہ واحدی نیساپوری اپنی تفسیر الوسیط فی تفسیر القرآن المجید میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"يعني: بيعة الرضوان بالحديبية، بايعوا النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على ألا يفروا ويقاتلوا، إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ لأنهم باعوا أنفسهم من الله بالجنة"[2]

---

[1] الفتح: 10

[2] نیسابوری، علی بن احمد، ، الوسيط في تفسير القرآن المجيد، دار الكتب العلمية، بيروت، 1994ء، ج 4 ص 136

(اس بیعت سے مراد بیعتِ رضوان ہے حدیبیہ میں، انھوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کرنے اور نہ بھاگنے کی بیعت کی۔ (بے شک انھوں نے اللہ کے ساتھ بیعت کی) اس لیے کہ اصل میں انھوں نے اللہ سے جنت کے لیے بیعت کی۔)

اس تفسیر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس طرح صحابہ کرام نے نبی مکرم ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کرنے اور میدانِ جہاد سے نہ بھاگنے کی بیعت کی اسی طرح نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی اتباع میں ہم بھی کسی نیک عمل پر کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر سکتے ہیں۔ مفسر قرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اپنی تفسیر میں خانقاہی نظام میں رائج بیعت کے متعلق لکھتے ہیں:

"پیروں فقیروں کی بیعت: رہی وہ بیعت جو پیر و مشائخ نے لازمی بنا رکھی ہے۔ تو یہ ہر گز واجب نہیں البتہ مشروع ضرور ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ پیر یا شیخ خود پوری طرح شریعت کا پابند ہو"[1]

درج بالا اقتباس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تصوف کے روحانی سلاسل میں جو بیعت کا تصور ہے وہ اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے۔ البتہ یہ بات لازماً ذہن نشین ہونی چاہیے کہ پیغمبر اسلام ہی وہ واحد ہستی ہیں جن کی ہر بات اور ہر حکم بلا کسی حیل و حجت کے مانا جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی برگزیدہ ہستی، ولی، صوفی یا پیر اس قابل نہیں کہ ان کی ہر بات کو بلا تحقیق مانا جائے۔ کسی بھی پیر، ولی یا صوفی کی بیعت کرتے وقت یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم صرف صحیح، درست اور شرعی احکام میں ان کی پیروی کریں گے اور ان کا حکم مانیں گے۔ اس بات پر تمام علماء اور خود صوفیاء کرام بھی متفق ہیں کہ بیعت اسی شخص کی جائز ہے جو خود شریعت کا پابند ہو، دین کے جملہ احکام کی ممکن حد تک پابندی کرتا ہو۔

بیعت کے حوالے سے قرآن مجید کی سورت التوبہ میں اللہ تعالیٰ نے ان اہلِ ایمان کی تعریف بیان فرمائی اور انھیں خوشیاں منانے کا کہا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَٱسۡتَبۡشِرُواْ بِبَيۡعِكُمُ ٱلَّذِي بَايَعۡتُم بِهِۦۚ وَذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ﴾[2]

(اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو سب سے بڑی فیروز مندی ہے۔)

---

[1] تیسیر القرآن، ج4ص247

[2] التوبہ: 111

پیر محمد کرم شاہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''جب ستر انصار مکہ میں آئے اور رات کو تنہائی میں حضور کریم کے دست مبارک پر وہ تاریخی بیعت کی جسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے تو اس وقت حضرت عبد اللہ بن رواحہ (رض) نے عرض کی اے اللہ کے نبی! جو شرط آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے ہم سے منوانا چاہتے ہیں منوا لیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ شرط ہے: ان تعبدوہ ولا تشرکوا به شیئا (کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔) اور اپنے لیے یہ شرط ہے: ان تمنعونی مما تمنعون منه انفسکم وامرالکم (کہ جس چیز سے تم اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو۔) انصار نے عرض کی کہ اگر یہ شرطیں ہم نے پوری کر دیں تو ہمیں کیا ملے گا۔ فرمایا جنت۔ اس وقت خوشی سے ان کے دل باغ باغ ہوگئے اور کہنے لگے ربح البیع لانقبل ولا نستقیل : یہ سودا تو بڑا نفع مند ہے۔ اب ہم اس سودے کو نہ خود توڑیں گے اور نہ اس کو توڑنے کی آپ سے خواہش کرینگے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[1]''

درج بالا آیاتِ قرآنی کسی بھی نیک اور جائز عمل پر بیعت کو جائز و مباح قرار دیتی ہیں نیز ان آیات قرآنی کے ضمن میں مفسرین کرام کی تشریحات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ بیعت ایک جائز اور مباح عمل ہے جس کی بنیاد شرعی نصوص پر ہے۔

حدیثِ رسول سے بیعت کا ثبوت

دین اسلام کے دو بنیادی ماخذ یعنی قرآن و سنت میں سے جس طرح قرآنی آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیعت ایک جائز و مستحسن عمل ہے اسی طرح نبی مکرم ﷺ کی بہت سی احادیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ حضور ﷺ نے بھی متعدد مواقع پر صحابہ کرام سے مختلف امور پر بیعت لی تھی۔ کسی سے جہاد پر، کسی سے ہجرت کے لیے، کسی سے ارکانِ اسلام کی پابندی کے لیے۔ ذیل میں نمونے کے طور پر چند نصوص بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] ضیاء القرآن، ج2 ص255

((بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ))[1]

(میں نے ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سردی میں صبح کے وقت باہر نکلے اور مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اللَّهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ، فَأَجَابُوا نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا.))[2]

(اے اللہ! خیر تو آخرت ہی کی خیر ہے۔ پس انصار و مہاجرین کی مغفرت کردے۔ "اس کا جواب لوگوں نے دیا کہ ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے ہمیشہ کے لیے جب تک وہ زندہ ہیں۔)

اسی طرح حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں:

((أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْعَةَ عَلَى أَنْ لَا نَنُوحَ))[3]

(رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیعت لی کہ ہم نوحہ نہیں کریں گے۔)

حضرت امیمہ بنتِ رقیہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں:

((بَايَعْتُ ﷺ فِي نِسْوَةٍ، فَقَالَ لَنَا: "فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ))[4]

(میں نے کئی عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، آپ نے ہم سے فرمایا" :اطاعت اس میں لازم ہے جو تم سے ہو سکے اور جس کی تمہیں طاقت ہو۔)

سیدہ عائشہ نبی کریم ﷺ کے عمل بیعت کی کیفیات وحالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ))[5]

(نبی کریم ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے۔)

درج بالا قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ کسی بھی نیک عمل پر بیعت کرنے اور لینے کی مشروعیت پر واضح انداز میں دلالت کرتی ہیں۔ صوفیاء کرام کے ہاں بیعت کوئی فرض یا واجب کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ یہ عملِ رسول ﷺ اور سنتِ

---

[1] النسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی، کتاب البیعة، باب البیعة علی فراق المشرک، ح 4183

[2] الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس، ح 7201

[3] سنن النسائی، کتاب البیعة، باب بیعة النساء، ح 4185

[4] سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی بیعة النساء، ح 1597

[5] الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب بیعة النساء، ح 7214

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا ہے کہ تزکیۂ نفس، اصلاحِ باطن اور روحانی تربیت ایک مسلسل عمل اور جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں اسی ضرورت کے پیشِ نظر صوفیاء کرام اپنے متعلقین سے بیعت لیتے ہیں تاکہ ان سے مسلسل اور مستقل رابطہ اور تعلق قائم کیا جاسکے۔

تصوف کے تمام روحانی سلاسل میں عام طور پر بیعت کی تین صورتیں پائی جاتی ہیں۔ 1-گناہوں سے توبہ پر بیعت۔ 2-مشائخ کے سلسلے میں شامل ہونے اور برکت کے حصول کی بیعت۔ 3-احکامِ الٰہی پر صدقِ دل اور مصمم ارادے سے عمل پیرا ہونے اور دل کو اللہ جل شانہ سے وابستہ کرنے کے عزم پر بیعت۔[1] عام طور پر اہلِ خانقاہ یا صوفیائے کرام کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سلاسلِ تصوف میں موجود تصوّر بیعت بذاتِ خود شریعت کا مقصد نہیں بلکہ ایک دینی اور شرعی حکم یعنی تزکیۂ نفس کے حصول کے لیے ایک ذریعہ اور سبب ہے۔ بظاہر یہ بات درست معلوم ہوتی ہے تاہم عصرِ حاضر میں خانقاہی نظام میں بیعت کا تصوّر اپنے اندر کچھ مفسدات بھی لیے ہوئے ہے جن کا دور ہونا اس نظام کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جدید خانقاہی نظام میں صوفیائے کرام اپنے مریدوں کو عملی انداز میں یہ باور کرانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں کہ اپنے پیر و مرشد کے ہر حکم کی بلا چوں وچراں تعمیل کرنے کی بیعت لازمی ہے۔ اور یہ کہ مرشد یا شیخ کا ہر حکم مبنی بر حکمت ہوتا ہے مرید کو کسی حکم کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے اس پر حکم بجالانا لازمی اور ضروری ہے۔ اس جیسی انگنت بدعات اور مفسدات جدید خانقاہی نظام کے تصوّرِ بیعت میں شامل ہیں۔ تمام سلاسلِ تصوف میں روحانی تربیت کے ضمن میں بیعت ایک بنیاد کی اہمیت رکھتی ہے جس پر تربیتی عمل کا مدار ہوتا ہے اس لیے بیعت کے اس شرعی، جائز اور مستحسن عمل کو ایسے تمام مفسدات سے پاک ہونا چاہیے۔

---

[1] دہلوی، شاہ ولی اللہ، رسائل شاہ ولی اللہ، (مترجم) سید محمد فاروق القادری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ج1ص48

بحث دوم

سلسلہ قادریہ کے تربیتی نظام کے بنیادی نکات

تمام روحانی سلاسل میں طالبِ حق کو بیعت کے ذریعے اپنے سلسلے میں شامل کرنے کے بعد اس کی تربیت کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔اس حوالے سے سلسلہ قادریہ کے نظامِ تربیت کے اہم اور بنیادی نکات درج ذیل ہیں۔

ذکرالٰہی

بیعت کے ذریعے کوئی بھی طالبِ حق جب ایک کامل شیخ، پیر یا ولی کے ساتھ ترکِ معاصی اور پابندیِ شریعت کا عہد کر لیتا ہے تو یہاں سے اس کی روحانی تربیت کا باقاعدہ آغاز ہو جاتا ہے۔ کسی بھی سلسلہ تصوف سے وابستہ ہونے کے بعد سالک کے لیے ابتدائی اسباق کے طور پر جو چیز ضروری اور اہم ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور ہمہ وقت اس کی یاد کو دل و دماغ میں پختہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس کے مختلف ناموں کے ساتھ یاد کرنا، صبح شام اس کے ناموں کا ورد کرنا اور دیگر طریقوں سے اللہ کا ذکر کرنا ایک مشروع اور مطلوب عمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا ذکر کا نہ صرف حکم دیا بلکہ ذاکرین کی تعریف اور عظمت کو بھی بیان کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴾[1]

(اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے)

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو کثرت سے یعنی بہت زیادہ اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ کثرتِ ذکر کے حکم سے اس کی اہمیت صاف واضح ہوتی ہے۔ذکر کی اسی اہمیت کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں بیان فرمایا ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَـٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلْقِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ﴾[2]

---

[1] الاحزاب: 41

[2] آلِ عمران: 191

(جو یاد رکتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔)

﴿وَٱذۡكُرِ ٱسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ إِلَيۡهِ تَبۡتِيلٗا﴾[1]

(اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو)

﴿فَٱذۡكُرُونِيٓ أَذۡكُرۡكُمۡ وَٱشۡكُرُواْ لِي وَلَا تَكۡفُرُونِ﴾[2]

ترجمہ: سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو)

﴿وَٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرٗا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ﴾[3]

(اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ)

﴿وَذَكَرَ ٱسۡمَ رَبِّهِۦ فَصَلَّىٰ﴾[4]

(اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا)

ذکرِ الٰہی کی دین میں اور بندہ مؤمن کی زندگی میں کیا اہمیت ہے اس بات کا اندازہ درج بالا قرآنی آیات سے لگایا جا سکتا ہے۔ان آیاتِ قرآنی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں بندہ مؤمن کو مسلسل، ہمہ وقت اور ہر حالت میں اپنے خالق و مالک کے نام کا ورد کرتے رہنے کا حکم بڑے واضح انداز میں دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ قِيَٰمٗا وَقُعُودٗا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمۡۚ﴾[5]

(ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین مخصوص حالتوں میں ذکر کا حکم دیا ہے۔ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے۔ انسان اپنی پوری زندگی انہی تین حالتوں میں سے کسی ایک میں ہوتا ہے۔اور یہاں ان تین حالتوں میں ذکر کا مطلق حکم ہے کسی خاص طریقے یا کسی خاص عضوء کے ساتھ ذکر کا حکم نہیں دیا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی پوری زندگی، چاہے وہ جس

---

[1] المزمل: 8

[2] البقرة: 152

[3] الجمعۃ: 10

[4] الاعلیٰ: 15

[5] النساء: 103

حالت میں بھی ہو جس طریقے اور جس عضو (دل، زبان، عمل) سے ممکن ہو اللہ کے ذکر کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ ذکر کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر صوفیاء کرام نے اس کو اپنے طریقِ تربیت کا بنیادی اصول اور جزء قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں متعدد ایسی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں اپنے ذکر اور حاملینِ ذکر کے فضائل اور ان کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ یہاں ہم نے نمونے کے طور پر ان میں سے چند آیات کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ نبی آخر الزمان ﷺ نے بھی اپنے قول و عمل دونوں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کی اہمیت اور ان گنت فضائل بیان کیے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ فِيهِ إِلَّا قَامُوا عَنْ مِثْلِ جِيفَةِ حِمَارٍ وَكَانَ لَهُمْ حَسْرَةً))[1]

(جو لوگ بھی بغیر اللہ کو یاد کیے کسی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوتے ہوں تو وہ ایسی مجلس سے اٹھے ہوتے ہیں جو بدبو میں مرے ہوئے گدھے کی لاش کی طرح ہوتی ہے، اور وہ مجلس ان کے لیے باعث حسرت ہو گی۔)

ایک حدیث قدسی میں ذکر و یادِ الٰہی کی اہمیت کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

((أَنَا مَعَ عَبْدِي حَيْثُمَا ذَكَرَنِي، وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاه))[2]

(میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں، اس وقت تک جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نبی کرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((كَلِمَاتٌ لَا يَتَكَلَّمُ بِهِنَّ أَحَدٌ فِي مَجْلِسِهِ عِنْدَ قِيَامِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِلَّا كُفِّرَ بِهِنَّ عَنْهُ، وَلَا يَقُولُهُنَّ فِي مَجْلِسِ خَيْرٍ وَمَجْلِسِ ذِكْرٍ إِلَّا خُتِمَ لَهُ بِهِنَّ عَلَيْهِ كَمَا يُخْتَمُ بِالْخَاتَمِ عَلَى الصَّحِيفَةِ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ))[3]

(تین کلمے ایسے ہیں جنہیں کوئی بھی مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ پڑھے تو یہ اس کے لیے (ان گناہوں کا جو اس مجلس میں اس سے ہوئے) کفارہ بن جاتے ہیں، اور اگر انہیں نیکی یا ذکر الٰہی کی مجلس میں کہے گا تو وہ مانند مہر کے ہوں

[1] ابو دؤاد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الآداب، باب کراهية ان يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله، ح 4855

[2] ابن ماجه، محمد بن يزيد، سنن ابن ماجه، کتاب الآداب، باب فضل الذکر، ح 3792، الجامع الصحيح، کتاب التوحيد، باب قول الله تعالیٰ لا تحرک به لسانک،

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الآداب، باب فی کفارة المجلس، ح 4857

گے جیسے کسی تحریر یادستاویز پراخیر میں مہر ہوتی ہے اور وہ کلمات یہ ہیں: (سبحانك اللهم وبحمدك لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک رات باہر نکلے تو دیکھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں اور پست آواز سے قرآت کر رہے ہیں، پھر آپ ﷺ عمر کے پاس سے گزرے اور وہ بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے، جب دونوں (ابو بکر و عمر) نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي تَخْفِضُ صَوْتَكَ"قَالَ: قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: وَقَالَ لِعُمَرَ: "مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَكَ"قَالَ: فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُوقِظُ الْوَسْنَانَ، وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ.فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "يَا أَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا"، وَقَالَ لِعُمَرَ: "اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا))[1]

(اے ابو بکر! میں تمہارے پاس سے گزرا اور دیکھا کہ تم دھیمی آواز سے نماز پڑھ رہے ہو"، آپ نے جواب دیا: اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اس کو (اللہ تعالیٰ) کو سنا دیا ہے، جس سے میں سرگوشی کر رہا تھا، اور آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا" : میں تمہارے پاس سے گزرا تو تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے"، تو انہوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول ﷺ! میں سوتے کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" :ابو بکر! تم اپنی آواز تھوڑی بلند کر لو"، اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہا" : تم اپنی آواز تھوڑی دھیمی کر لو۔)

درج بالا قرآنی آیات اور اقوالِ رسول ﷺ سے دینِ اسلام میں ذکرِ الٰہی کی اہمیت و افادیت واضح ہوتی ہے۔ شرعی نصوص پر مبنی ذکرِ الٰہی کی فضیلت واہمیت بیان کرنے کے بعد اب سلسلہ قادریہ میں رائج ذکر الٰہی کے مختلف طریقوں اور ذکر کے لیے مخصوص الفاظ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سلسلہ قادریہ میں ذکر اللہ کے مختلف طریقے:

تمام روحانی سلاسل میں ذکرِ الٰہی کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ صوفیاء کرام اور مشائخِ عظام نے مرتب کردہ ان تمام طرق کو باقاعدہ تجربے اور مشاہدے کے ذریعے وصول الی الحق کے لیے نہایت مؤثر پایا اسی لیے انہوں نے اپنے تربیتی نظام میں ان کو بنیادی اہمیت دی۔ لیکن تمام صوفیاء اور اہلِ خانقاہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تمام طریقے اور نظام، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس ذاتِ پاک کی معرفت کے لیے مختلف ذرائع اور اسباب ہیں۔ ان میں سے کوئی طریقہ بھی بذاتِ خود تزکیہ یا

---

[1] سنن ابی داؤد، ابواب قيام اليل، باب فی رفع الصوت بالقراءة فی صلاة الليل، ح 1329

تصوف کا مقصود نہیں ہے۔ سلسلہ قادریہ کے ہاں بھی ذکر واذکار کے ان طریقوں کی حیثیت اسباب وذرائع کی سی ہے جبکہ مقصود اصلی ذکر و فکر کے ذریعے معرفت و قربِ الٰہی کا حصول ہے۔ مشائخِ قادریہ کے ہاں ذکر کے لیے مختلف طریقے اور الفاظ واوراد مخصوص ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ذکر جہری

قادری نظامِ تربیت میں ابتدائی سالک کے لیے ذکرِ جہری کی بنیادی اہمیت ہے۔ بیعت کے بعد مشائخِ قادریہ اپنے مریدین کو بلند آواز سے مخصوص اوقات اور مخصوص الفاظ میں ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔ ذکرِ جہری کے بارے میں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ بہت زیادہ اونچی آواز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بلکہ دراصل ذکرِ جہری سے مراد آواز کے ساتھ اس انداز میں ذکر کرنا کہ وہ آواز خود کو بھی اور آس پاس کے لوگوں کو بھی سنائی دے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

> "یہ حضرات سب سے پہلے جس چیز کی تلقین کرتے ہیں وہ ذکر بالجہر ہے۔ ذکرِ جہری سے مراد بہت بلند آواز سے ذکر کرنا نہیں"[1]

ذکرِ نفی واثبات

ذکرِ جہری کی ایک قسم ذکرِ نفی واثبات ہے۔ دینِ اسلام کے بنیادی عقائد میں توحید سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ ہے۔ مشائخِ قادریہ کے ہاں اپنے مریدوں کے دل میں تصورِ توحید کو مضبوط وپختہ کرنے کے لیے لا الٰہ الاّ اللہ کا ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے اسی ذکر کو ذکرِ نفی واثبات کہا جاتا ہے۔ بیعت کے ذریعے جب سالک سلسلہ قادریہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کو ابتدائی سبق کے طور پر لا الٰہ الاّ اللہ کا ورد کرنا ہوتا ہے۔ اس ذکر کا خاص طریقہ ہے جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

> "ذکر طریقہ قادریہ کا اس طور پر ہے کہ مربع بیٹھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں زانو پر رکھے کھلا ہوا اور آنکھوں کو بند کرے اور شروع کرے ذکر کو بائیں طرف سے۔ اور نیت کرے کہ اپنے دل سے نکالتا ہے اللہ کے سوا کو۔ اور دل کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے۔ لا سے شروع کرے اور کھینچے اس کو یہاں

---

[1] رسائل شاہ ولی اللہ، ج1 ص56

تک کہ ڈالے الہ کو حالتِ نفی میں داہنے مونڈھے کے اوپر اور اثبات کرے الاّ کے لفظ کے ساتھ داہیں مونڈھے کے اوپر سے اللہ کو بیچ دل میں جس سے ماسوا کو نکال ڈالا تھا دل سے ، بہت شدت اور ضرب کے ساتھ کہ دل میں اثر ہو جائے اور اس میں ذکر کا نور قرار پکڑے۔"[1]

ذکرِ اسم ذات

ذکرِ جہری کی ایک قسم ذکرِ اسم ذات ہے۔اسم ذات کے ذکر سے مراد خالقِ کائنات کو اس کے ذاتی اور حقیقی نام یعنی **اللہ** کے ساتھ یاد کرنا اور پکارنا ہے۔ سلسلہ قادریہ میں ذکرِ اسم ذات کے مختلف طریقے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

1. **یک ضربی:** اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظِ **اللہ** کو سختی، درازی اور بلند آواز سے دل اور حلق دونوں کی قوت سے ادا کرے، پھر ٹھہر جائے یہاں تک کہ ذاکر کی سانس اپنی جگہ پر واپس آجائے پھر اسی طرح بار بار ذکر کرتا جائے۔
2. **دو ضربی:** دو زانو بیٹھے اور اسم ذات (**اللہ**) کو ایک بار داہنے زانو پر اور دوسری بار دل پر ضرب کرے اور اسے بغیر وقفے کے بار بار کرے۔ بہتر یہ ہے کہ ضربِ قلبی قوت اور سختی کے ساتھ ہوتا کہ دل پر اثر ہو اور اس میں یکسوئی پیدا ہو، پریشانی خاطر اور وسواس رفع ہو جاہیں۔
3. **سہ ضربی:** اس کی صورت یہ ہے کہ چار زانو بیٹھے اور ایک ضرب داہیں زانو پر لگائے دوسری باہیں زانو پر اور تیسری ضرب قلب پر لگائے۔ تیسری ضرب سخت تر اور زیادہ بلند ہو۔
4. **چہار ضربی:** اس کی صورت یہ ہے کہ چار زانو بیٹھے اور ایک ضرب داہیں زانو پر لگائے دوسری باہیں زانو پر اور تیسری ضرب قلب پر اور چوتھی ضرب اپنے سامنے لگائے۔ چوتھی ضرب سخت تر اور بلند تر ہو۔[2]

مخصوص انداز اور مختلف ضربیں لگانے کی حکمت:

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ایک مطلوب اور مشروع عمل ہے جس پر کسی کو آج تک نہ اعتراض ہوا ہے نہ ہو گا لیکن صوفیاء کے ہاں رائج ذکر کے مختلف انداز اور طریقوں کے بارے میں اکثر اعتراضات کیے جاتے ہیں کہ یہ طریقے شریعت میں ثابت نہیں ہیں۔ چناچہ شاہ ولی اللہؒ ان اعتراضات کے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

[1] دہلوی، شاہ ولی اللہ، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، عباسی کتب خانہ کراچی، ص20

[2] رسائل شاہ ولی اللہ، ج1 ص56-57

"انسانی فطرت ہے کہ اس کی توجہ مختلف چیزوں اور مقامات کی طرف بٹتی ہے، وہ مختلف آوازوں کی طرف دھیان دیتی ہے اور اس کے دل میں خیالات کے ہجوم گردش کرتے ہیں۔ چنانچہ اہل طریقت نے کچھ ایسے اصول اور طریقے وضع کیے ہیں جن پر عمل کر کے انسان آہستہ آہستہ غیر سے توجہ ہٹانے، بیرونی خطرات اور اشارات سے یکسو ہونے اور بلآخر اپنی ذات کے دھیان سے بھی فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے سچی لو لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔"[1]

قادریہ سلسلے کے اشغال اور طریقہ ذکر کے بارے میں مناقبِ سلطانی کے مصنف رقمطراز ہیں:

"طریقہ قادریہ عالیہ میں شروع میں نفی اثبات کا ذکرِ جہر کرایا جاتا ہے۔ اور سالک کے لیے واجب ہے کہ ضروری مسائلِ فقہ سے واقف ہو، بعد ازاں قرآن شریف کو صحیح پڑھنا سیکھے، بعد ازاں نماز، روزہ، فرض سنت اور مستحب پر قائم ہو اور پانچ سپارے یا کم از کم سو آیات کی تلاوت روزانہ ضروری کرے۔"[2]

ذکرِ خفی

ذکر کی ایک اہم قسم ذکرِ خفی ہے جس سے مراد دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا یا آہستہ آواز میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ورد کرنا ہے۔ سلسلہ قادریہ میں ذکرِ جہری کے ساتھ ساتھ ذکرِ خفی بھی رائج ہے۔ شاہ ولی اللہ ذکرِ خفی کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کا طریقہ یہ ہے کہ سالک اپنی دونوں آنکھیں اور لب بند کرے اور دل کی زبان سے کہے، اللہ سمیع، اللہ بصیر، اللہ علیم۔ گویا یہ الفاظ اپنی ناف سے نکالتا ہے سینے تک اور سینے سے نکالتا ہے دماغ تک اور دماغ سے نکالتا ہے عرش تک۔ پھر یوں کہے، اللہ علیم، اللہ بصیر، اللہ سمیع اور اپنی منزلوں سے درجہ بدرجہ اترتا آئے جن پر چڑھا تھا۔ یہ عمل بار بار کرے۔"[3]

---

1 رسائل شاہ ولی اللہ، ج 1 ص 57

2 مناقبِ سلطانی، ترجمہ: سلطان حامد، حسن اسٹیم پریس، لاہور، ص 68

3 رسائل شاہ ولی اللہ، ج 1 ص 58

پاسِ انفاس

ذکرِ خفی میں نفی واثبات کے ذکر کی ایک صورت یہ ہے کہ ذاکر اپنی سانوں پر ہوشیار اور بیدار ہو، یعنی جب سانس باہر نکلے تو بلاارادہ اس کے دل سے آواز نکلے **لا الٰہ** اور اسی طرح جب سانس اندر جائے تو بلاارادہ وقصد دل سے **الّا اللہ** کی آواز آئے۔ یہ پاسِ انفاس ہے۔ دل کی صفائی، خطرات ووساوس اور پریشان خاطری سے نجات حاصل کرنے کے لیے پاسِ انفاس انتہائی مؤثر ہے۔[1]

مراقبہ

تمام روحانی سلاسل میں تزکیہ نفس اور وصول الی اللہ کے بنیادی اور اہم ذرائع اور طریقوں میں سے ایک اہم ذریعہ اور طریقہ مراقبہ ہے۔ لغوی اعتبار سے مراقبہ کا معنی ہے: غور، تصوّر، سوچ بچار، دھیان، گیان، گردن جھکا کر فکر کرنا، حضوریِ دل سے خدا کا دھیان کرنا اور سب چیزوں کو چھوڑ کر خدا کا دھیان کرنا۔[2]

تصوف یا صوفیاء کی اصطلاح میں معرفت الٰہی کے حصول کی خاطر ماسوائے اللہ سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جانا مراقبہ کہلاتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ تصوف میں رائج مراقبے کی حقیقت اور اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مراقبے سے بحیثیت مجموعی مراد یہ ہے کہ سالک اپنی قوتِ ادراک کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کے تصور میں لگا دے یا وہ نزع کی اس حالت کا دھیان کرے جب روح بدن کو چھوڑتی ہے یا اس طرح کی کسی اور کیفیت پر سالک اپنی توجہ کو یوں مبذول کرا دے کہ اس کی عقل اس کے وہم وخیال کی قوت اور اس کے تمام کے تمام حواس اس کی توجہ کے تابع ہو جاہیں اور سالک پر ایسی کیفیت طاری ہو جائے کہ جو چیزیں محسوسات میں سے نہیں ہیں وہ اسے محسوس نظر آہیں۔"[3]

---

[1] رسائل شاہ ولی اللہ، ج1ص58

[2] فیروزالدین، فیروزاللغات (اردو جامع) فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص1224

[3] دہلوی، شاہ ولی اللہ، ہمعات، (مترجم: پروفیسر محمد سرور)، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، 1946ء، ص73- 74

"کسی بھی چیز کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کا نام ہے۔ مثلاً کسی آواز کو سننے یا کسی چیز کو محسوس کرنے یا قلبی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔"[1]

سلاسلِ تصوف میں عام طور پر جب سالک مخصوص اذکار کے ذریعے تربیت کے ابتدائی مراحل طے کر لیتا ہے تو اسے مراقبے کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ سید شبیر احمد کاکاخیل لکھتے ہیں:

"جب ذکرِ ضربی یا سرّی کی تکثیر سے سالک منور ہو جاتا ہے اور اس کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں ذکر سرایت کر جاتا ہے اور ایک محویت کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے تب مراقبات کی تعلیم کی نوبت آتی ہے۔ اصل یہی ہے لیکن اب عوارض کے سبب ذکر کے ساتھ ساتھ ہی مراقبات بھی تعلیم کر دیئے جاتے ہیں۔"[2]

روحانی سلاسل میں رائج مراقبے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

"صوفیاء کے ہاں مراقبے کی کئی قسمیں ہیں ان سب کے ضمن میں جامع اور مکمل صورت یہ ہے کہ کوئی آیتِ قرآنی یا کلمہ زبان سے بولے یا دل میں اس کو خیال کرے اور اس کے معنٰی کو دل میں اچھی طرح سے جاگزیں کرے، پھر تصور کرے کہ یہ معنٰی کیونکر ہے، اس کے تحقق اور ثبوت کی کیا صورتیں ہیں ۔ پھر دل کو اس صورت پر قائم کرے یہاں تک کے دل میں اس کے سوا کسی دوسرے معنٰی کا گزر نہ ہو اور اس میں استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے۔"[3]

صلوٰۃ الاسرار

سلسلہ قادریہ کے نظامِ تربیت میں ذکر و اذکار اور مراقبہ وغیرہ کے علاوہ ایک دوسری چیز بھی اہم سمجھی جاتی ہے جس کو صلوٰۃ الاسرار کہا جاتا ہے۔ صلوٰۃ الاسرار سے مراد مخصوص انداز میں نماز کے ذریعے امداد و استعانت الٰہی کا طلب گار ہونا ہے۔ اگرچہ یہ دیگر اذکار و اوراد کی طرح نظامِ تربیت کا لازمی اور ضروری جزء نہیں ہے لیکن اس کے باوجود سلسلہ قادریہ میں اس کا رواج آج بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ صلوٰۃ الاسرار کیا، اس کی کیفیت اور ادا کرنے کا انداز اور طریقہ

---

1 سید شبیر احمد کاکاخیل، فہم التصوف، شعبہ نشر و اشاعت خانقاہ امدادیہ راولپنڈی، ص275

2 فہم التصوف، ص273

3 رسائل شاہ ولی اللہ، ج1ص59

کیاہے ؟اس حوالے سے مولوی محی الدین کاکوری اپنی کتاب "اسرار المعرفت" میں بانی سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"فرمایا غوثِ پاکؒ نے کہ جو شخص دو رکعت نمازاس طور پر ادا کرے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد قل ھواللہ گیارہ گیارہ بار پڑھ کر بعد رکوع و سجدہ کے بیٹھے اور التحیات اور درود پڑھ کر سلام پھیرے اور درود پڑھ کر عراق کی طرف گیارہ قدم بصدقِ نیت میرا نام لے کر چلے میں اس کی حاجت برلانے کا ذمہ دار ہوں۔ چناچہ مشائخ نے اس دوگانہ کے کئی طریقے مقرر کیے ہیں اس کو صلوٰالاسرار کہا جاتا ہے۔"[1]

دینِ اسلام میں نماز اور دیگر تمام فرض عبادات کو مکمل تفصیل و تشریح کے ساتھ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے زبانی اور عملی دونوں صورتوں میں نہ صرف بیان فرمایا بلکہ انھیں معاشرے میں عملًا نافذ بھی فرمایا۔ نماز اسلام کے بنیادی ارکان میں کلمہِ شہادت کے بعد سب سے اہم رکن ہے۔ اس کی جملہ تفصیلات اور عملی صورت نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے نہایت واضح انداز میں امت کو تعلیم دی ہے اور جس پر تمام امت کا اتفاق واتحاد ہے۔ سلسلہ قادریہ میں تربیت و تزکیہِ نفس کے ضمن میں صلوٰۃ الاسرار کا جو تذکرہ ملتا ہے یہ بنیادی طور پر شریعتِ مطھرہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ نماز میں آیاتِ قرآنیہ کی کمی بیشی، تسبیحاتِ رکوع و سجود میں اضافہ یا اس جیسے دوسرے فروعی افعال واعمال تو نمازی اپنی طرف سے کم یا زیادہ کر سکتا ہے لیکن نماز کے طریقے میں کسی قسم کا ردّوبدل جائز نہیں۔ سطورِ بالا میں ذکر کردہ مخصوص نماز میں باقاعدہ طور پر مخصوص تعداد میں آیات و تسبیحات کا مقرر کرنا اور پھر نماز کے بعد عراق کی طرف چل کر دعا مانگنا جیسے اعمال بدعات کے زمرے میں آتے ہیں جو کسی بھی طور پر جائز نہیں ہو سکتے۔

سطور بالا میں قادریہ سلسلے کے تربیتی عمل کے بنیادی نکات کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ان تمام بنیادی نکات میں سلسلہ بیعت، ذکرِ الٰہی اور اس کی مختلف صورتیں اور طریقے اور مراقبہ وغیرہ اکثر امور قرآن و سنت سے اخذ کردہ اصولوں اور تعلیمات پر مشتمل ہیں جن کے بارے میں قرآن و سنت میں بہت سے احکام اور فضائل موجود ہیں۔ تاہم کچھ امور جیسے مخصوص نمازیں، ذکر کے دوران ضربیں لگانا وغیرہ ان امور کی شریعت اسلامیہ میں کوئی بنیاد ہیں ہے۔ صوفیائے قادریہ کے ہاں اگرچہ یہ امور تربیت کے بنیادی اصولوں میں شامل ہیں تاہم یہ صرف ذرائع اور اسباب ہیں مقصودِ اصلی یعنی تزکیہ نفس تک پہنچنے کے۔ لیکن ذرائع واسباب کے ضمن میں بھی احتیاط از حد ضروری ہے۔ کچھ ذرائع ایسے ہیں کہ ان کے

---

[1] کاکوری، محی الدین، اسرار المعرفت، سید المطابع دہلی، 1283ھ، ص29

اختیار کرنے سے مقصد یا عبادت کی صورت میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اس کے برعکس کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں کہ اگر ان کو بطورِ ذریعہ یا سبب ہی اختیار کر لیا جائے تو اصلی مقصد کہیں دور رہ جاتا ہے جیسے مخصوص نمازیں، ان میں مخصوص تعداد میں سورتیں یا تسبیحات پڑھنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ صوفیائے قادریہ کے ہاں کچھ اوراد، اذکار اور اعمال خاص مریدوں اور خلفاء کے لیے مخصوص ہوتے ہیں جو عام عوام یا مریدوں کے لیے ضروری نہیں ہوتے۔

بحث سوم

سلسلہ قادریہ کے تربیتی نظام کی خصوصیات

تصوف کے تمام روحانی سلاسل بلاشبہ تزکیہ نفس اور وصول الی اللہ کے مختلف نظام اور راستے ہیں جن کی منزلِ مقصود معرفتِ الٰہی اور اصلاحِ باطن ہے۔ان تمام سلاسلِ تصوف اور ان کے تربیتی نظام کی کچھ ایسی خاص خوبیاں اور صفات ہیں جو دوسرے سلاسل سے یا تو کلیتاً مختلف ہیں یا وہ خوبیاں اور صفات دوسرے سلاسل میں کم پائی جاتی ہیں۔اس حوالے سے اگر قادریہ سلسلے کے نظامِ تربیت کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بھی بہت سی ایسی خصوصیات و صفات ہیں جو دیگر سلاسلِ تصوف میں مفقود ہیں۔ سلسلہ قادریہ کی چند اہم اور منفرد خصوصیات درج ذیل ہیں:

شہرتِ دوام

یوں تو تصوف کے تمام سلاسل میں سے چار سلسلوں کو برصغیر پاک وہند میں بالخصوص اور دیگر ممالک میں بالعموم بڑی شہرت نصیب ہوئی لیکن ان چار سلاسل میں سے بھی جس سلسلے کو برصغیر کے علاوہ دیگر خطوں میں دائمی اور لازوال شہرت ملی وہ سلسلہ قادریہ ہے۔ برصغیر میں تو دیگر سلاسل چشتیہ، نقشبندیہ وغیرہ کو بھی ایسی شہرت ملی لیکن سلسلہ قادریہ کی یہ منفرد خصوصیت ہے کہ اس سلسلے کو دیگر ممالک مثلاً تیونس، مراکش، ترکی نائجیریا، ایران اور عراق وغیرہ میں بھی بڑی شہرت ملی۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی سلسلہ قادریہ کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”اگر یہ سوال کیا جائے کہ صوفیاء کرام کے سارے سلسلوں میں شہرت عام اور مقبولیت انام سب سے زیادہ کس کے حصے میں آئی ہے؟ تو عجب نہیں کہ متفقہ طور پر نام حضرت شیخ گیلانیؒ ہی کا زبانوں پر آکر رہے دوسرے بزرگوں کے حلقے پھر بھی محدود رہے۔“[1]

اہل علم میں مقبولیت

سلسلہ قادریہ کی یوں تو شہرت عوام الناس میں بھی کچھ کم نہیں لیکن اس سلسلے کی شہرت اہل علم و فضل کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ برصغیر آمد سے لیکر آج تک اس سلسلے سے وابستہ علماء و فضلاء کی ایک کثیر تعداد ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم لکھتے ہیں:

---

[1] دریاآبادی، عبدالماجد، تصوفِ اسلام، اسلامک بک فاونڈیشن لاہور، 1980ء، ص77

"سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ سے اہلِ علم طبقہ وابستہ ہوا۔ علماء کی بھاری اکثریت سلسلہ قادریہ سے متعلق ہے۔ آج بھی علماء و فضلاء کے طبقہ میں جو مقبولیت سلسلہ قادریہ کو حاصل ہے دیگر سلاسل کو نہیں۔"[1]

قدیم ترین سلسلہ

تصوف کے چار مشہور و معروف سلاسل میں سب سے اوّلین اور قدیم سلسلہ قادریہ ہے۔ برصغیر پاک وہند کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں بھی سلسلہ قادریہ اور چشتیہ تقریباً ساتھ ساتھ وارد ہوئے۔ عمومی طور پر سلسلہ قادریہ ہی تمام سلاسلِ تصوف میں سے قدیم ترین سلسلہ ہے۔

مقامِ غوثیت

اس سلسلے کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا یہ اعزاز ہے کہ آپؒ کو تمام اولیاء و صوفیاء اپنا پیشوا اور امام تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات بھی ان کے ہاں تسلیم شدہ ہے کہ آپؒ مقام غوثیت پر فائز تھے جو کہ صوفیاء کی اصطلاح میں ایک نہایت ہی اہم مقام و مرتبہ ہے۔

ذکرِ خفی وجہری

سلسلہ قادریہ کے ہاں ذکر کے دونوں طریقے رائج ہیں۔ مشائخِ قادریہ کے نظامِ تربیت میں سالک کو ذکر جہری و خفی دونوں کے ذریعے اپنے نفس کے اصلاح کی اجازت ہوتی ہے۔ دونوں قسم کے ذکر کے طریقے الگ ہیں جن کی تفصیل مذکورہ بالا صفحات میں گزر چکی ہے۔

اتباعِ شریعت

تصوف کے تمام سلاسل میں شریعت کی پابندی لازمی امر ہے۔ اسی لیے تمام سلاسلِ تصوف میں شریعت کی پابندی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے لیکن بعض مخصوص معاشرتی حالات اور لوگوں کی رسوم و عادات کے سبب بعض صوفیاء اور سلاسل کے ہاں ذکر و مراقبہ کے غیر شرعی طریقے بھی رائج ہیں لیکن یہ سلسلہ قادریہ کی خصوصیت ہے کہ اس کا پورا

---

[1] غلام یحییٰ انجم، برصغیر میں سلسلہ قادریہ کی ترویج و اشاعت، مجلہ فکر و نظر اسلام آباد، ج33 شمارہ 2, 1995، ص7

نظام تربیت اور اس کے ضروری اعمال واذکار شریعت کے عین مطابق ہیں۔اس سلسلے میں رائج تمام اذکار وآوراد مسنون بھی ہیں اور طریقہ محمدی ﷺ کے عین مطابق بھی۔

یوں تو سلسلہ قادریہ اور اس کا نظام تربیت انگنت خصوصیات وصفات کا حامل ہے لیکن سطور بالا میں سلسلہ قادریہ کی چند اہم خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔یوں اس فصل میں سلسلہ قادریہ کے پورے نظام تربیت اور اس کے اہم اور بنیادی امور اور خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے جس سے اس سلسلے کہ اہمیت اور انفرادیت واضح ہوتی ہے۔

خلاصہِ بحث

سطورِ بالا میں ذکر کردہ قادری سلسلے کے نظام تربیت کے بنیادی نکات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سلسلہ قادریہ میں رائج تربیتی طریقِ کار میں بیعت، ذکر واذکار، اوراد ووظائف، مراقبہ وغیرہ ان تمام امور کا شرعی اعتبار سے ثبوت ملتا ہے جس کا تذکرہ ہم نے ان امور کے ساتھ کیا ہے۔البتہ ذکر واذکار کے مخصوص انداز اور طریقے، الفاظِ ذکر کی تعداد ووقت اور مخصوص نمازیں اور ان کا طریقِ ادائیگی کا ثبوت نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام کے عمل سے نہیں ملتا۔ صوفیاء کرام ان مخصوص طریقوں اور انداز کی پابندی کو بذاتِ خود مقصد نہیں سمجھتے بلکہ ایک اعلی وارفع مقصد یعنی معرفتِ الہی اور تزکیہ نفس کے لیے ذرائع اور اسباب کے طور پر دیکھتے ہیں۔ شاہ لی اللہ سلاسلِ تصوف میں رائج ذکر واذکار کے مخصوص طریقوں یعنی مخصوص انداز میں بیٹھنا اور ایک ضرب، دوضرب اور تین اور چار ضربوں کے ساتھ ذکر کرنے کی حکمت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "جمہور اہلِ طریقت ذکر میں سر پھرانے اور قلب پر ضربیں لگانے اور لا الہ الاّ اللہ میں شدّ ومدّ کی رعایت کارنے پر متفق ہیں۔ذکر میں ان چیزوں کی ضرورت اس لیے پڑی کہ اس طرح ذکر کرنے سے سالک کو جمعیتِ خاطر حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذہن سے پراگندہ خیالات دور ہو جاتے ہیں۔"[1]

شاہ ولی اللہ سلاسلِ تصوف میں رائج مخصوص اذکار اور وظائف کے بارے میں سالک ومرید کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] ہمعات، ص71

"یہ سب اوراد و وظائف اچھے اور مقبول ہیں لیکن ان میں بہتر اور زیادہ پسندیدہ وہ اوراد و اذکار ہیں جو صحیح کتبِ حدیث کے مطابق ہیں"[1]

گویا صوفیاء کرام کے نزدیک یہ مخصوص انداز اور طریقے یکسو ہونے کے لیے ایک ذریعہ ہیں اصل ہدف تک پہنچنے کے لیے۔ان مخصوص اندازِ ذکر اور طریقوں کو انھوں نے مختلف تجربات کے بعد بہتر اور آسان ذریعہ اور سبب جانا اس لیے انھوں نے ان مخصوص طریقوں کے ساتھ ذکر و فکر اور عبادت ریاضت کو اپنے تربیتی نظام کا لازمی جزء قرار دیا۔

[1] لمعات، ص59

فصلِ دوم

تزکیۂ نفس میں سلسلہ چشتیہ کا تربیتی طریقِ کار اور خصوصیات

بر صغیر پاک وہند کے صوفی سلسلوں میں سے ایک اہم سلسلہ جس کی شہرت دیگر تمام سلاسل سے کہیں زیادہ ہے، سلسلہ چشتیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سلسلہ چشتیہ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خوبی اور وصف ان کا منفرد نظام تزکیہ و تربیت ہے۔ تصوف کے دیگر سلاسل کی طرح یہ سلسلہ بھی اصلاحِ نفس اور تربیت باطن کا ایک پورا نظام رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں شامل ہونے والے مریدین کی اخلاقی، سماجی و دینی تربیت کے حوالے سے رائج نظام میں بہت سے بنیادی اصول و ضوابط مرتب کیے گئے ہیں جو سالکین اور مریدین کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ذیل میں اس نظام کے بنیادی نکات اور خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اس فصل کو درج ذیل مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: سلسلہ بیعت اور مقصدِ بیعت

بحث دوم: سلسلہ چشتیہ کے تربیتی نظام کے بنیادی اور اہم نکات

بحث سوم: سلسلہ چشتیہ اور اس کے تربیتی نظام کی خصوصیات

بحث اوّل

سلسلہ بیعت اور مقصدِ بیعت

تمام روحانی سلاسلِ تصوف میں تربیت سے قبل طالبِ حق کے ساتھ مسلسل رابطہ و تعلق قائم رکھنے کے لیے سلسلہ بیعت ایک ضروری چیز ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے نظامِ تربیت کی بنیاد اور ابتداء بھی عملِ بیعت سے ہوتی ہے۔اس سلسلے میں شامل ہونے کے لیے سب سے پہلے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے۔ بیعت کا تصور قرآن و سنت سے لیا گیا ہے۔ جس کی اہمیت و افادیت اور دیگر ضروری تفصیل اس باب کی پہلی فصل میں بیان کی جاچکی ہے۔صوفیاء کرام نے بھی لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لیے سلسلہ بیعت کو لازمی قرار دیا۔ مرید جب اپنے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرلیتاہے تووہ اپنے شیخ سے گناہوں کے ترک اور کچھ خاص اعمال و وظائف کی بجاآوری کا عہد کرتا ہے۔

مقصدِ بیعت

تصوف کے تمام سلاسل میں بیعت کاایک خاص مقصد اور مدعا ہوتا ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں بیعت کا مقصد خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے۔آپؒ لکھتے ہیں:

> "جب کوئی شخص شیخ الشیوخ فرید الحق والدینؒ کی خدمت میں ارادت کی نیت سے حاضر ہوتا تو اول آپؒ سورت فاتحہ اور اخلاص پڑھنے کا حکم فرماتے اس کے بعد اٰمن الرسول پڑھتے اس کے بعد شھد اللہ سے ان الدین عند اللہ الاسلام تک پڑھتے اور فرماتے کہو، تونے اس ضعیف اور اس کے خواجہ خواجگان اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور خدائے تعالیٰ سے اس بات پر عہد کیا کہ ہاتھ، پاؤں اور آنکھ پر نگاہ رکھے گا اور شرع کے طریقے پر چلے گا۔"[1]

گویا کسی شخص سے بیعت لینے کا مقصد اس کو گناہوں سے دور کرنا اور شریعت کی پابندی کرنے پر ابھارنا ہے۔ نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کی کسی بھی مسلسل اور مستقل عمل کے حصول کے لیے اس عمل کے ساتھ مستقل اور پائیدار رابطہ

---

[1] تاریخِ مشائخِ چشت، ص256

اور تعلق ضروری ہے۔ تزکیہ نفس بھی ایک ایسا عمل ہے جو انسان کی شعوری عمر سے شروع ہو کر آخر تک رہتا ہے۔ یہ کوئی ایسا عمل نہیں کہ جو صرف چند اذکار و اعمال کو چند مرتبہ کر لینے سے حاصل ہو جائے بلکہ اس کے لیے مسلسل اور مستقل مزاجی سے کوشش اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے سلسلہ چشتیہ کے صوفیائے کرام نے دیگر سلاسل تصوف کی طرح بیعت کو اپنے سلسلے کے بنیادی اصولوں میں شامل کیا ہے۔

بحث دوم

سلسلہ چشتیہ کے تربیتی نظام کے بنیادی اور اہم نکات

تصوف کے تمام روحانی سلاسل میں سالک اور طالبِ حق کو بیعت کے ذریعے اپنے حلقہِ ارادت میں شامل کرنے کے بعد اس کی تربیت کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔اس حوالے سے سلسلہ چشتیہ کے نظامِ تربیت کے اہم اور بنیادی نکات درج ذیل ہیں۔

توبہ واستغفار

جب کوئی شخص کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو گویا وہ اپنے سابقہ تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں باقاعدہ مخصوص الفاظ کے ذریعے مرید اپنے شیخ کے سامنے اپنے سابقہ گناہوں سے تائب ہوتا ہے اور مستقبل میں ان سے بچنے کا عہد کرتا ہے۔انسان کو اخلاقی عیوب سے بچانا اور راہِ شریعت دیکھانا سلسلہ چشتیہ کا بنیادی اور مرکزی نقطہ ہے۔

مشائخِ چشت نے توبہ کی تین اقسام ذکر کی ہیں۔توبہ حال، توبہ ماضی اور توبہ مستقبل:

توبہ حال: توبہ حال یہ ہے کہ انسان کیے ہوئے گناہ پر پشیمان ہو۔

توبہ ماضی: توبہ ماضی یہ ہے کہ جن لوگوں کے حقوق ہیں ان کو پورا کرے، کسی کو برا بھلا کہا تو معافی مانگے، قرض لیا ہے تو وہ ادا کرے۔

توبہ مستقبل: یہ نیت کرے کہ آئندہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا"[1]

صرف زبان وکلام سے توبہ کرنا اور اپنی گزشتہ غلطیوں کا ازالہ نہ کرنا اصل میں توبہ ہے ہی نہیں۔اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کرام کے ہاں جو توبہ کا تصوّر رائج تھا وہ یہ کہ جتنے بھی گزشتہ گناہ کیے ہیں ان سے نہ صرف توبہ کی جائے بلکہ ان کا ازالہ بھی کیا جائے۔یعنی اگر اللہ تعالی کے حقوق پامال کیے ہیں تو استغفار کریں اور اگر اللہ تعالی کے بندوں کے

[1] سنجری، امیر علا حسن، فوائد الفواد، (مترجم: خواجہ حسن نظامی) ص370

حقوق سلب کیے ہیں تو ان سے معافی بھی مانگیں اور ان کے نقصان کا ازالہ بھی کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیا توبہ کے درجات کے حوالے سے بندوں کی حق تلفی کو پورا کرنے پر زور دیتے ہیں۔ مشائخِ چشت کے تربیتی طریقے میں توبہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ترکِ معصیت میں کوئی چیز اتنی مدد و معاون نہیں جتنی توبہ ہے۔ اس لیے دیگر تمام سلاسلِ تصوف کی طرح سلسلہ چشتیہ کے تربیتی نظام میں بھی اپنے گناہوں پر شرمندگی کے ساتھ توبہ واستغفار کرنا، ایک اہم اور لازمی جزء تصور کیا جاتا ہے۔

ذکرِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت اور ہر حالت میں یاد کرنا اور اس کے ناموں کا ورد کرنا نہایت اہم اور ضروری قرآنی حکم ہے جس کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں بیان کی جاچکی ہے۔ ذکرِ الٰہی کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر سلسلہ چشتیہ میں بھی دیگر سلاسل کی طرح تربیت و اصلاح کا ایک ذریعہ اور سبب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط اور مستحکم کرنے اور تمام جذبات و احساسات پر قابو پانے کے لیے سلسلہ چشتیہ میں مندرجہ ذیل اذکار اور اوراد ذکر کے طریقے نظامِ تربیت کا لازمی حصہ سمجھے جاتے ہیں:

ذکر، جہری: مقرر اوقات میں متعیّن طریقے کے مطابق بیٹھ کر بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ **ذکرِ خفی:** اللہ کا نام خاموشی سے لینا یعنی دل میں یا تصور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ **پاسِ انفاس:** یعنی سانس کے ساتھ ذکر کرنا۔[1]

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اہمیت وفضیلت سے کسی کو بھی انکار نہیں تاہم ذکرِ الٰہی کے ضمن میں مخصوص طریقوں کے حوالے سے اعتراضات ہوتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے اس حوالے سے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ یہ طریقے کبھی بھی ہمارے ہاں مقصود یا اصل کا درجہ نہیں رکھتے بلکہ یہ مقصودِ اصلی یعنی قرب و معرفتِ خداوندی تک پہنچنے کے مختلف ذرائع اور اسباب ہیں۔

---

[1] اسلام اور خانقاہی نظام، ص64

دینی تربیت

بیعت اور توبہ کے بعد مرید کی دینی تربیت کا آغاز ہوتا ہے۔ دینی تربیت میں سب سے پہلے اس سے ارکانِ اسلام کی پابندی کروائی جاتی ہے۔ ارکانِ اسلام میں سب سے پہلے نماز پر اور بطورِ خاص باجماعت نماز پر زور دیا جاتا تھا۔ مشائخِ چشت خود بھی باجماعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا درس دیتے تھے۔ اس کے علاوہ روزہ زکوۃ اور حج پر بھی سختی سے عمل کی تلقین کی جاتی ہے۔

اتباعِ شریعت

سلسلہ چشتیہ میں ارکان اسلام کی پابندی کے بعد جملہ امور میں شریعت کی اتباع و پیروی کا لازمی درس دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں شاہ کلیم اللہؒ اپنے خلفاء کو ہدایت فرماتے ہیں:

> "تمام اہلِ ارادت کو تاکید ہے کہ اپنے ظاہر کو شریعت سے آراستہ کریں اور اپنے باطن کو مولیٰ کے عشق سے روشن و منور کریں"[1]

تعلیمِ اخلاق

دینی تربیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم و تربیت بھی سلسلہ چشتیہ کا ایک خاص وصف ہے۔ اخلاقی تربیت کے حوالے سے درج ذیل چیزوں پر زور دیا جاتا ہے:

اصلاحِ نیت: انسان کے تمام اعمال کے قبول ورڈ کی بنیاد اور مدار انسان کی نیت اور ارادے پر ہوتا ہے۔ انسان کی نیت اور ارادے میں سچائی اور اخلاص کا ہونا کسی بھی عمل کی مقبولیت کی نشانی ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نیت کی درستگی مشائخ کی نظر میں سب سے زیادہ اہم تھی۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص281

"نیک اور صالح نیت ہی اصل ہے کیوں کہ مخلوق کی نظر عمل پر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی نیت پر ہوتی ہے"[1]

استقامت: استقامت، صبر و برداشت ایسی صفات ہیں جن کا حامل زندگی کے ہر مشکل سفر میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں تزکیہ اور اصلاحِ نفس کے ضمن میں اخلاقی تربیت میں استقامت کا بطورِ خاص درس دیا جاتا ہے۔ مشائخ چشتیہ کا کہنا ہے کہ "یک در گیر محکم گیر" "ایک چیز کو پکڑو تو اسے مضبوطی سے پکڑ لو"[2]

توکل علی اللہ: اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ کرنا ایک کامل مرید کا وصف ہونا چاہئے۔ مشائخ چشت اپنے ارادت مندوں کو جن اخلاقیات کا درس دیتے تھے ان میں ایک توکل بھی تھا۔ مشائخ کے نزدیک توکل کا ہر گز یہ معنیٰ نہ تھا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں۔ حضرت چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں:

"کسب کرنا مانع توکل نہیں ہے، اگر کوئی عیال دار کچھ کسب کرے اور نظر اس کے دل کی اس کسب پر نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو وہ متوکل ہے"[3]

عفو و در گزر: لوگوں کو معاف کر دینا، غصے کے وقت صبر و برداشت سے کام لینا اور لوگوں کی غلطیوں سے در گزر کرنا نہایت اعلیٰ اوصاف ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں اخلاقی تربیت میں معاف کرنے اور عفو و در گزر کی خاص تلقین کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایثار، دیانت داری اور تحمل کو اختیار کرنا اور لوگوں کے عیب بیان کرنے اور ان کی کھوج میں لگے رہنے سے بچنا ایسی چیزیں ہیں جن کی بطورِ خاص تعلیم اور عملی تربیت دی جاتی ہے۔ چشتی صوفیائے کرام اپنے مریدوں کی روحانی اور دینی تربیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت پر بھی محنت کرتے ہیں کیونکہ اخلاقی تربیت کے بغیر تزکیہ نفس کا حصول ممکن ہی نہیں۔ جب تک انسانی نفس سے رزائل اخلاق دور نہیں ہوں گے اس کی تربیت اور نشو و نما نہیں کی جا سکتی۔

---

[1] فوائد الفواد، ص 27

[2] ایضاً، ص 29

[3] قلندر، حمید شاعر، خیر الجالس، ناشر: واحد بک ڈپو کراچی، مجلس 11 ص 50

مریدین کی اقسام اور ان کی تربیت

سلسلۂ چشتیہ میں تربیت کے نظام میں مریدین اور ارادت مندوں کی ذہنی صلاحیتوں، ضروریات اور مقاصد کے مطابق مختلف طریقے اپنائے جاتے تھے۔ عام طور پر درج ذیل چار قسم کے لوگ آتے تھے:

خلفاء: جن مریدوں کو شیخ خرقہ خلافت دینا چاہتے ہیں ان کی تربیت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ دیگر مریدین کے برعکس ان افراد پر کچھ خاص پابندیاں ہوتی ہیں اور یہ زیادہ تر اپنے شیخ کی صحبت میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے ظاہری علوم کا ہونا، ترکِ دنیا، پابندیِ اوقات، کرامت کے اظہار سے پرہیز، قرض وامانت سے پرہیز وغیرہ بہت سی پابندیاں ہوتی ہیں۔[1]

خاص مرید: کچھ مرید ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو کسی وجہ سے خلافت تو نہیں دی جاتی لیکن ان کی تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی زیادہ وقت اپنے شیخ کی صحبت اور خدمت میں گزارتے ہیں۔ شیخ کی جلوت وخلوت کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ظاہری تربیت کے ساتھ ساتھ ان افراد کی بھی باطنی تربیت کی جاتی ہے۔ شیخ تربیت کے مراحل کے بعد ان کو کچھ خاص ذمہ داریاں تفویض کرتا ہے۔ ان کو مریدِ خاص کہا جاتا ہے۔ ان پر بھی خلفاء کی طرح کچھ خاص پابندیا ہوتی ہیں۔

عام مرید: یہ وہ مرید ہوتے ہیں جو بیعت کے بعد کبھی کبھار شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ضروری پند ونصائح لے کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ عام مریدین کی تربیت کے حوالے سے جن چیزوں کا ہونا ضروری ہے ان میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں: توحید کا صحیح تصور، عقائد درست کرنا، نبوت کے متعلق صحیح تصور بتانا، گناہوں کی تفصیل بتانا، کبائر وصغائر سے اجتناب کی تاکید، ارکانِ اسلام کی پابندی کی ہدایت اور ضرورت معاش سے آگاہ کرنا"[2]

بیعت کے بعد عام مریدین کو شیوخ چار نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ اوّل: نماز باجماعت پڑھنا۔ دوم: جمعہ فوت نہ کرنا۔ سوم: ایّامِ بیض کے روزے لازم جاننا۔ چہارم: جو کام خدا اور رسول نے منع فرمایا اسے نہ کرنا۔[3]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص286

[2] دہلوی، شاہ ولی اللہ، القول الجمیل، ایچ-ایم سعید کمپنی، کراچی، 1970ء، ص34-35

[3] تاریخ مشائخ چشت، ص286

عوام: چوتھی قسم ان عام لوگوں کی ہے جن کو عوام کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ عام طور پر کبھی کبھار اپنے کسی دنیوی مقصد کے لیے یا صرف ملاقات کے لیے چند لمحوں کے لیے شیوخ کے پاس آتے۔ ان لوگوں کو بھی شیخ ان کے مزاج اور وقت کے مطابق کچھ مختصر پند و نصائح ضرور کرتے۔ عام طور پر ایسے لوگوں کی تربیت کا طریقہ یہ ہوتا کہ جو شخص جس مقصد کے لیے آتا اس کو اسی سے متعلق کو نصیحت کر دی جاتی۔

درج بالا وضاحت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں جو مریدین کی مختلف اقسام ہیں ان میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں لیکن کچھ خاص اعمال پہلی دو اقسام کے ساتھ خاص ہیں۔ تربیت و اصلاح کے اس نظام میں ہر قسم کے افراد کی نفسیات، ضروریات اور مقاصد کے تحت الگ الگ تربیت و اصلاح کی جاتی تھی۔ اس نظام کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ تمام مریدوں کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھا جاتا جو جتنا وقت دے سکتا اس کی تربیت اسی کے مطابق ہوتی۔

انسان سے محبت

تربیتی مراحل میں شیخ اپنے مریدوں کو انسانیت سے محبت کا درس بطورِ خاص دیا کرتے تھے۔ تصوف کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صوفیاء نے بلا تفریقِ مذہب و ملت تمام انسانیت سے محبت کا درس دیا ہے۔ نہ صرف درس دیا بلکہ اس کی عملی مثالیں بھی ہماری تاریخ میں موجود ہیں۔ خانقاہیں وہ جگہیں ہوتی تھیں جہاں ہر مذہب اور ہر رنگ و نسل کے لوگ آتے تھے۔ مشائخ چشت کا ایک اہم اصول تھا کہ ہندوؤں کے ساتھ بھی شگفتہ تعلقات رکھے جاہیں۔ وہ الخلق عیال اللہ کے اصول پر تمام انسانیت سے محبت کا رشتہ استوار کرتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی انسانیت کی محبت کا درس دیتے تھے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

((كونوا عِبَادَ اللهِ إِخوَانًا))[1]

(اللہ کے بندوں بھائی بھائی ہو جاؤ)

صوفیاء کرام کی زندگیاں حضور ﷺ کے اس قول کی روشن اور عملی مثالیں ہیں۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب: البر والصلة والآداب، باب: تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، ح 2564

چلہ کشی

کسی گوشہ عزلت میں عبادت و تفکر کے لیے کچھ خاص وقت (چالیس دن) کے لیے ایک طرف توجہ کر کے مشغول ہو جانا۔ مشائخِ چشتیہ کے ہاں اصلاحِ باطن کے لیے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے چلہ کشی کا بھی رواج ہے۔اس عمل کے لیے مخصوص انداز اور طریقے سے الگ تھلگ ہو جانا ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سلسلہ چشتیہ میں رائج چلہ اور اس کے آداب اور طریقے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مشائخِ چشتیہ کا کہنا ہے کہ جو شخص چلہ کشی کا ارادہ کرے وہ چند امور کا بطورِ خاص التزام کرے۔ ہمیشہ روزے سے رہے، رات کو ہمیشہ قیام کرے کھانا، پینا، بولنا اور لوگوں سے میل ملاقات کم کر دے اور سوتے جاگتے باوضو رہے، دل ہمیشہ مرشد کے ساتھ لگائے، غفلت کو اپنے اوپر حرام قرار دے۔ حجرے میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں بڑھائے تو تعوذ کے بعد تین مرتبہ سورۃ الناس پڑھے۔اور جب بایاں پاؤں بڑھائے تو مخصوص دعا پڑھے۔"[1]

مشائخِ تصوف چلہ کشی کے جواز میں نبی کرم ﷺ کے غارِ حرا میں عبادت و ریاضت کے واقعات کو بنیاد بناتے ہیں۔ بنیادی طور پر مخصوص وقت یا دنوں کے لیے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرنا شریعت میں ناپسندیدہ نہیں ہے بشرطیکہ اس عمل سے انسان کے دیگر فرائض و واجبات میں کوتاہی نہ ہو۔ اگرچہ چشتیہ سلسلے میں چلہ کشی کا رواج ضرور ہے لیکن یہ عمل ہر طالبِ حق اور سالک کے لیے ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ عمل چشتیہ کے نظامِ تربیت کا لازمی جزء ہے۔ عام مریدوں کے لیے کسی بھی درجے میں چلہ کشی کا کوئی تصوّر نہیں پایا جاتا۔ البتہ جو مرید دنیا سے بالکل بے تعلق ہو کر صرف اور صرف اپنے مرشد سے تعلق استوار کرنا چاہتا ہے اس کو شیخ مختلف قسم کے چلوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

---

[1] رسائل شاہ ولی اللہ، ص16

مراقبہ

لغوی اعتبار سے اس کا معنٰی ہے سوچ بچار، اور غور و فکر کرنا۔ اہلِ تصوف کی اصطلاح میں گردن جھکا کر قلبی نورانی کوائف کا منتظر ہونا اور معرفتِ الٰہی کے بارے میں غور و فکر کرنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ مراقبہ تمام سلاسلِ تصوف کے تربیتی نظام کا ایک لازمی اور ضروری جزء ہے۔ دیگر سلاسلِ تصوف کی طرح وصول الی اللہ اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے سلسلہ چشتیہ کے نظامِ تربیت کا ایک اہم جزء مراقبہ ہے۔ مشائخِ چشتیہ کے ہاں مراقبے کی متعدد اقسام ہیں جن میں مراقبہ ذات، مراقبہ اقربیت، مراقبہ رؤیت وغیرہ شامل ہیں۔

مراقبے کا طریقہ: دوزانو بیٹھ کر سر کو گھٹنے پر رکھ کر قلب کو غیر اللہ سے بالکل خالی کر کے خدا کی بارگاہ میں حاضر کرے اور تعوذ و تسمیہ کے بعد اللہ حاضری، اللہ ناضری، اللہ معی کہہ کر مراقب ہو کر اس کے معنٰی کا تصور کرے اور خیال کرے کہ خدا حاضر و ناضر ہے اور ہمیشہ میرے ساتھ ساتھ ہے۔ اس خیال میں اس قدر منہمک ہو جائے کہ غیرِ خدا کا یہاں تک کہ اپنا بھی خیال دل سے نکل جائے۔[1] سالک کو مراقبے کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مراقبہ اور مجاہدہ کے سلسلے میں حق تعالٰی کو مطلوب یہ ہے کہ مراقبہ ایسا ہو کہ سالک کی توجہ فوراً ذاتِ باری تعالٰی کی طرف مبذول ہو جائے۔ مراقبے کے سلسلے میں یہ نہیں ہونا چاہیے کہ سالک اس کی تمہیدی مشقوں میں ہی پھنس کر رہ جائے۔ کیونکہ وہ اگر اس حالت میں مر جائے تو اسے آخرت میں حسرت اور رنج ہو گا۔"[2]

سماع و قوالی

سلسلہ چشتیہ کے ہاں سماع یعنی قوالی سننا ایک جائز عمل تصور کیا جاتا ہے۔ سماع اگرچہ چشتیہ کے نظامِ تربیت کا عام اور لازمی جزء نہیں ہے لیکن پھر بھی بہت سے مشائخِ چشت اس کو نہ صرف پسند کرتے تھے بلکہ خاص مریدوں کی تربیت اور

---

[1] مہاجر مکی، حاجی امداد اللہ، کلیاتِ امدادیہ، دار الاشاعت کراچی، س-ن، ص29

[2] ہمعات، ص78

روحانی ترقی میں اس کو ایک ذریعے کے طور پر جائز سمجھتے ہوئے اختیار کرتے تھے۔اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سماع اور اس متعلقہ ضروری امور کی وضاحت کی جائے نیز صوفیہ چشت کے ہاں رائج سماع کی شرائط، حدود و قیود اور آداب کو بھی بیان کیا جائے۔ سماع کے بارے میں علماء و مشائخ میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ بعض مشائخ اس کو روحانی ترقی کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں اور بعض اس کو مطلقاً حرام۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور نہ اس کی مذمت کرتے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سماع کو روحانی غذا سے تعبیر کرتے تھے لیکن اس کے آداب کا نہایت سختی سے خیال رکھتے تھے۔ سلسلہ چشتیہ میں اس کو جائز سمجھا جاتا ہے لیکن بہت سی حدود و قیود کے ساتھ۔ شیخ نظام الدین اولیاء سماع کی اقسام کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "سماع کی چار اقسام ہیں: حلال، حرام، مکروہ اور مباح۔ اگر صاحبِ وجد کا میلان حق کی طرف زیادہ ہے تو اس کے لیے مباح ہے۔ اگر مجاز کی طرف میل زیادہ ہے تو مکروہ ہے۔ اگر کسی کا میلان بالکل مجاز کی ہی طرف ہے تو اس کے لیے حرام ہے۔ اگر صاحب وجد کا میلانِ طبع مکمل حق کی طرف ہے تو اس کے لیے سماع حلال ہے۔"[1]

سماع کے جائز ہونے کی شرائط: مشائخ چشتیہ کے نزدیک سماع کے جائز ہونے کے لیے چار شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

مسمّع: گانے والا، گانے والا ایک مردِ کامل ہو لڑکا یا عورت نہ ہو۔

مستمع: سننے والا، سننے والے سنتے وقت یادِ حق سے خالی نہ ہوں۔

مسموع: جو چیز گائی جائے۔ جو چیز گائی جائے وہ فحش اور بے ہودہ کلام نہ ہو۔

آلہِ سماع: یعنی مزامیر وغیرہ نہ ہوں۔[2]

سماع کے آداب کے بارے میں شیخ عبدالقادر اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں:

---

[1] کرمانی، سید محمد مبارک، (امیر خورد) سیر الاولیا، (مترجم: غلام احمد بریاں) مشتاق بک کارنر، لاہور،، 1978ء، ص656

[2] سیر الاولیا، ص656

"فقیر کے لیے ضروری ہے کہ قصداً سماع کے لیے حاضر نہ ہو اور نہ ہی اس کو پسند کرے لیکن اگر اتفاق سے اس قسم کی مجلسوں میں پہنچ جائے تو اس پر فرض ہے کہ ادب سے بیٹھ جائے اور دل میں اپنے پروردگار کا ذکر حاضر رکھے اور غفلت اور بھول والی چیزوں سے اپنے دل کو محفوظ رکھے۔ اگر کوئی شعر اس کے دل پر اثر انداز ہو تو یہ تصور کرے کہ یہ قرآن کے قاری کی ایک نصیحت ہے، غیبی الہام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری تنبیہ کے لیے اس کی زبان پر لایا گیا ہے۔"[1]

مشائخ چشتیہ کے نزدیک ان میں سے ایک بھی شرط مفقود ہو تو سماع حرام ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان شرائط کو ترک کر دیا گیا اور اس کی روح ختم ہو گئی۔ عصرِ حاضر میں آج بھی صوفیہ چشت کے ہاں سماع کا رواج ہے لیکن بد قسمتی سے اس کی حدود و قیود اور آداب کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ دورِ جدید میں سماع کے ضمن میں یہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ نہ تو قوالی پڑھنے والے شریعت کے پابند ہوتے ہیں اور نہ ہی سننے والے اس سے واقف ہوتے ہیں بلکہ اکثریت تو صرف اس سے لطف اندوز ہونے کے لے آتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ جو کلام پڑھا جاتا ہے وہ بھی اس درجے کا نہیں ہوتا کہ جس سے نورِ ایمان کو جلا ملتی ہو اور نہ ہی وہ مزامیر کے بغیر پڑھا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ دورِ جدید کے خانقاہی نظام میں سماع کے سلسلے میں نہ تو حدود و شرائط کی پاسداری کی جاتی ہے اور نہ ہی اس کا اصلاح و تزکیہ یا روحانی ترقی میں کوئی عمل دخل ہے بلکہ یہ ایک فن اور رسم کے طور پر بعض خانقاہوں میں رائج ہے۔

مخصوص نمازیں

شریعتِ اسلامیہ میں پانچ فرض نمازوں کے علاوہ کچھ نفلی نمازیں بھی ہیں جن کی نسبت نبی مکرم ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ثابت ہے جیسے نمازِ تہجد، اشراق و چاشت وغیرہ۔ یہ نفلی نمازیں اگرچہ دین کا لازمی حصہ نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے نزدیک یہ نوافل اور نمازیں پسندیدہ رہی ہیں۔ سلاسلِ تصوف میں ان مخصوص اور ثابت شدہ نفلی نمازوں کے علاوہ بھی کچھ خاص نمازیں اور نوافل مخصوص انداز اور طریقے کے

[1] جیلانی، عبد القادر، شیخ، غنیۃ الطالبین، نعمانی کتب خانہ، لاہور، (مترجم: مبشر حسین لاہوری) س-ن، ص632

ساتھ رائج ہیں۔اس ضمن میں سلسلہ چشتیہ میں صلوۃ معکوس اور صلوۃ کن فیکون کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے سلسلہ چشتیہ کے اعمال و واشغال میں اس نماز کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"مشائخِ چشتیہ کے ہاں ایک خاص نماز ہے جسے صلوۃ معکوس کا نام دیا جاتا ہے۔ ہمیں احادیث اور فقہاء کے اقوال میں اس کی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی اسی لی ہم اس کے ذکر کو ترک کرتے ہیں۔"[1]

صلوۃ معکوس کی علاوہ سلسلہ چشتیہ میں ایک اور نماز کا ذکر بھی ملتا ہے جس کو صلوۃ کن فیکون کہا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اس مخصوص نماز کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح ان ے ہاں ایک اور نماز ہے جس کو صلوۃ کن فیکون کہتے ہیں۔ ان کے مطابق جسے کوئی انتہائی مشکل مسئلہ پیش آجائے اسے چاہیے کہ بدھ، جمرات اور جمعہ کی راتوں میں دو رکعت نماز ادا کرے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سو بار اور قل ھو اللہ ایک بار پڑھے اسی طرح دوسری رکعت میں بھی۔ پھر کہے اے ہر دشواری کو آسان کرنے والے اور ہر تاریکی کو دور کرنے والے، پھر سو بار درود پڑھ کر حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ تیسری رکعت یہ عمل پورا کر کے اپنی پگڑی یا ٹوپی سر سے اتار دے، آستین گلے میں ڈال کر گڑ گڑائے اور رو رو کر پچاس بار اپنی مشکل اور مصیبت کے لیے دعا کرے۔"[2]

شرعی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو بلاشبہ انسان کو ہر مشکل اور مصیبت میں نماز و ذکر اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاہم ایسی مخصوص کیفیت اور حالت (مخصوص تعداد میں الحمد اور قل ھو اللہ پڑھنا اور پگڑی وغیرہ اتارنا) کے ساتھ نماز ادا کرنا اور مشکل کے لیے دعا کرنا قرآن و احادیث سے ثابت نہیں ہے۔ یہ چیز صوفیاء کے خانقاہی نظام میں ایک نئی چیز ہے جس کو اس طرح لازم اور ضروری قرار دینا کسی بھی طور پر جائز اور مستحسن نہیں ہے۔

---

1 رسائل شاہ ولی اللہ، ص68

2 رسائل شاہ ولی اللہ، ص68

درج بالا سطور میں سلسلہ چشتیہ کے نظامِ تربیت کے بنیادی اصول اور نکات کو بیان کیا گیا ہے۔ان بنیادی اصولوں اور نکات میں سب سے اہم ذکرِ الٰہی ہے۔اس کے علاوہ چشتی نظامِ تربیت میں توبہ واستغفار، حقوق العباد کی ادائیگی، شریعت کی پابندی اور اخلاقی اصولوں اور اقدار کی پیروی بھی ضروری اور لازمی ہے۔یہ تمام چیزیں شریعت میں مطلوب و مقصود ہیں جس سے کبھی بھی انکار ممکن نہیں۔سماع اور قوالی کے حوالے سے بھی سلسلہ چشتیہ میں ایک رجحان پایا جاتا ہے۔شریعت میں سماع اور قوالی کو جائز نہیں سمجھا جاتا۔چشتیہ صوفیائے کرام سماع کے ضمن میں کچھ شرائط کی پابندی ضروری قرار دیتے ہیں جو کہ جدید عصری خانقاہی نظام میں مکمل طور پر ناپید ہو چکی ہیں۔اگر ان تمام شرائط کے ساتھ بھی قوالی اور سماع کو جاری رکھا جائے تب بھی یہ کوئی مستحسن عمل نہیں ہے۔بنیادی طور پر قوالی و سماع اس تربیتی نظام کا کوئی لازمی جزء نہیں تاہم عملی طور پر آج بھی چشتی خانقاہوں میں اس کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

بحث سوم

سلسلہ چشتیہ کے تربیتی نظام کی خصوصیات

تمام روحانی سلاسلِ تصوف اور ان کے تربیتی مراحل اور نظام کے کچھ خاص اوصاف ہوتے ہیں جو اسے دوسرے سلاسل سے ممتاز و منفرد کرتے ہیں۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو سلسلہ چشتیہ بھی ایسی بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔صاحبِ سیر الاولیاءاس بارے میں لکھتے ہیں: اس سلسلہ کا خاص وصف اور امتیاز نسبتِ عشق کا فروغ ہے۔جسے محبت کے سواہر چیز کا خیال دل سے نکال کر خالی دل سے دائمی ذکر کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔[1] اس کے علاوہ سلسلہ چشتیہ کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

انسان دوستی ومحبت

سلسلہ چشتیہ کی ایک اہم خوبی جو اسے دیگر سلاسل سے جدا کرتی ہے وہ ہر انسان سے مذہب وملت اور رنگ ونسل کی تمیز وفرق کے بغیر بے لوث محبت ودوستی ہے۔ سلسلہ چشتیہ کا ارتقاء برصغیر کے جن علاقوں میں پہلے پہل ہوا ان میں ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت تھی۔مشائخِ چشتیہ نے مخصوص حالات اور ماحول اور اس کے تقاضوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنے نظامِ تربیت میں انسان دوستی کو لازمی قرار دیا۔ مشائخ چشتیہ کے اسی اصولِ محبت ودوستی نے خطے میں بسنے والے غیر مسلموں خصوصاًہندوؤں کے ساتھ رابطہ آسان کردیا جس کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

سماع وقوالی کا رواج

مشائخِ چشتیہ کے ہاں سماع یعنی قوالی کا رواج تھا۔چشتیہ سلسلے کے بڑے بڑے صوفیاء سماع کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ان کی اکثر محافل میں سماع کا باقاعدگی سے اہتمام کیا جاتا تھا۔ہندوستان کا ماحول اور معاشرہ گانے بجانے اور شعر وشاعری

---

[1] سیر الاولیاء ص464

کا دلدادہ تھا اس لیے مشائخِ چشتیہ نے ہندوستانیوں کے اسی ذوق کو تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ جو بھی لوگ قوالی سننے ان مشائخ کے پاس آتے وہ انہیں اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔

ہندوؤں سے خصوصی تعلقات

طریقہ چشتیہ کی خصوصیات میں سے ایک خوبی اس سلسلے کے صوفیائے کرام کا تمام غیر مسلموں، دیگر مذاہب کے ماننے والوں اور بالخصوص ہندوؤں سے خاص اور قریبی روابط ہے۔ ہندو سماج میں ذات پات کا نظام بہت مضبوط تھا جس کی وجہ سے بہت سے ہندوؤں کو معاشرے میں نیچ اور کم درجہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے ستم گزیدہ یہ لوگ جب صوفیاء چشت کی محبت اور قربت کو دیکھتے تو دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ سلسلہ چشتیہ کی اسی خوبی نے اس کو برصغیر میں شہرت دوام بخشی۔

ذکرِ جہری

صوفیاءِ چشت کے نظامِ تربیت میں اگرچہ ذکرِ خفی بھی کیا جاتا ہے اور اس کی بھی اجازت ہوتی ہے لیکن اس نظام میں ذکر کی جو اہم قسم ہے وہ ذکرِ جہری ہے۔ صوفیائے چشتیہ بلند آواز میں ذکر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہی خوبی اسے دوسرے سلاسل نقشبندیہ سہروردیہ سے منفرد کرتی ہے۔

شعر وشاعری سے شغف

سلسلہ چشتیہ کو ہندوستان میں فروغ وترقی ملنے کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہاں کے لوگوں کا شعر وشاعری اور سماع و قوالی سے خاص شغف تھا۔ سلسلہ چشتیہ کے بہت سے مشائخ اور صوفیاء (نظام الدین اولیاء، امیر خسرو، بابا فرید گنج شکر وغیرہ) اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ انھوں نے ہندوستان کے لوگوں کے مزاج کے عین مطابق شاعری کو ذریعے تبلیغ و دعوت بنایا۔ یہ سلسلہ چشتیہ کا امتیاز ہے کہ اس سلسلے سے وابستہ بہت سے صوفیاء اور مشائخ شعر و شاعری سے شغف رکھتے تھے اور اپنے اسی شوق کو تبلیغِ اسلام کے لیے ایک ذریعے بنایا۔

خلاصہِ بحث

سلسلہ چشتیہ کے نظامِ تربیت پر بحث و تمحیص کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ سلسلہ برصغیر میں سب سے زیادہ شہرت اور ترقی حاصل کر سکا۔ اس سلسلے کا تربیتی نظام بیعت سے شروع ہوتا ہے پھر اس میں مختلف اوراوراد و وظائف ہیں۔ اصلاحِ نفس کے ضمن میں اس سلسلے میں ذکر واذکار کے مختلف طریقے ہیں، ذکرِ جہری کو ذکرِ خفی پر برتری حاصل ہے۔ یہ تمام امور اوراعمال شریعت میں ثابت شدہ ہیں جن کی تفصیل ذکر کی جاچکی ہے۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ اس سلسلے کی انفرادی خصوصیت جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ سماع کو جائز سمجھنا اور غیر مسلموں خاص طور پر ہندوؤں سے قریبی تعلق رکھنا ہے۔ سماع کے حوالے سے صوفیاء چشت نے بڑی کڑی شرائط رکھی ہیں جن کے بغیر سماع کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔ عصرِ حاضر میں کسی بھی چشتی درگاہ میں ان شرائط کے ساتھ سماع اور قوالی کی روایت تقریباً مفقود ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے بھی قوالی اور سماع کے بارے میں جواز کا تصور اکثر علماء کے ہاں نہیں ملتا۔ غیر مسلموں اور ہندوؤں کے ساتھ قریبی تعلقات جو اس سلسلے کا خاصہ ہیں اس حوالے سے نبی کرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی سیرت میں روشن مثالیں ملتی ہیں۔

فصلِ سوم

تزکیہ نفس میں سلسلہ سہروردیہ کا طریقِ تربیت اور اس کی خصوصیات

برصغیر پاک وہند میں جن سلاسلِ تصوف نے شہرتِ دوام حاصل کی ان میں سلسلہ سہروردیہ کا مقام نہایت بلند ہے۔ دیگر سلاسلِ روحانی کی طرح سہروردی سلسلہ بھی تزکیہ نفس اور روحانی تربیت کے حوالے سے اپنا ایک مخصوص نظام اور طریقہ کار رکھتا ہے جو کئی حوالوں سے دیگر سلاسلِ تصوف سے منفرد اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس فصل میں سلسلہ سہروردیہ کے اسی تربیتی نظام اور اس کی خصوصیات کے حوالے سے بحث و تحقیق کی گئی ہے۔

سلسلہ سہروردیہ کے نظامِ تربیت اور اس کی انفرادیت اور خصوصیات کو تفصیلاً بیان کرنے کے لیے اس فصل کو درج ذیل مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے:

بحث اوّل: سلسلہ سہروردیہ کے نظامِ تربیت کے بنیادی نکات

بحث دوم: سلسلہ سہروردیہ کے مخصوص اوراد اور وظائف

بحث سوم: سلسلہ سہروردیہ اور اس کے تربیتی نظام کی خصوصیات

بحث اوّل

سلسلہ سہروردیہ کے نظامِ تربیت کے بنیادی نکات

تزکیہ واصلاحِ نفس میں سلسلہ سہروردیہ کے صوفیائے کرام نے بھی دیگر سلاسل کی طرح قرآن وسنت پر مبنی اصولوں کی روشنی میں اپنا ایک مخصوص تربیتی نظام مرتب کیا ہے۔ یہ نظام افرادِ معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح میں نہایت مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ اس نظام تربیت کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں:

سلسلہ بیعت

روحانی تربیت اور تزکیہ نفس ایک مسلسل اور مستقل عمل کا نام ہے اسی لیے تصوف کے تمام روحانی سلاسل میں اپنے عقیدت مندوں اور متعلقین سے مسلسل تعلق و ربط استوار رکھنے کے لیے بیعت کا سلسلہ متعارف ہے جو کہ شرعاً جائز اور مسنون ہے۔ سلسلہ سہروردیہ میں بھی روحانی تربیت اور تزکیہ نفس کا آغاز سلسلہ بیعت سے ہوتا ہے۔ بیعت کے لیے عام طور پر طالب اپنے مرشد یا شیخ کے ساتھ مخصوص الفاظ کے ذریعے گناہوں سے توبہ اور چند اذکار واعمال کا عہد کرتا ہے۔ یہی اذکار واعمال دراصل سالک کی تربیت کے مختلف ذرائع ہوتے ہیں۔ بیعت کے بعد سالک کی روحانی تربیت کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔

تصحیحِ عقائد

سلسلہ سہروردیہ میں اصلاحِ نفس وتزکیہ باطن کے ضمن میں بیعت کے بعد عقائد کی تصحیح پر زور دیا جاتا ہے۔ دینِ اسلام میں عقائد کی حیثیت بیج کی سی ہے جو درخت کی بنیاد ہوتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے درخت کی بنیاد بھی چند بنیادی عقائد پر ہے اگر یہ عقائد درست اور پختہ ہوں تو اسی نسبت سے درخت مضبوط اور توانا ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے عقائد میں کجی و خرابی پیدا ہو جائے تو اس درخت پر لگنے والے تمام پھل (اعمال) بدذائقہ اور مضرِ صحت وبدن ہو جاتے ہیں۔ عقائد کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر مشائخِ سہروردیہ نے اپنے مریدین کے عقائد کی تصحیح و درستی کو اپنے نظام تربیت میں بنیادی حیثیت دی ہے۔ سہروردیہ سلسلے کے عظیم بزرگ سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"جب تک عقائد صحیح نہ ہوں ولایت و تقربِ بارگاہ تو درکنار بندہ مؤمن بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ امر شرعاً ثابت ہے کہ مقربانِ بارگاہ خدا کی دعا وہمت اور ذاتِ مبارکہ مظہر فیضانِ ذاتِ الٰہی ہے۔ صرف اسباب کو مدِّ نظر رکھنا اور مسبّب جل شانہ کو نہ ماننا یا قدرتِ کاملہ کو بعض اسباب میں ہی منحصر و محدود کرنا کفر ہے۔ جس اسم کے معنٰی میں تنقیص شانِ الوہیت ہو اس کو ذاتِ حق پر بولنا کلمہِ کفر ہے۔ مزید یہ کہ نبی ﷺ کی نبوت تامہ، خاتمہ اور مستقلہ ہے۔"[1]

سلسلہ سہروردیہ میں طالبانِ حق کو مختلف اوقات میں وعظ و نصیحت کی جاتی ہے جس کے ذریعے تصحیحِ عقائد کا انتظام کیا جاتا ہے۔ تصحیحِ عقائد کے بعد سالک کے لیے جملہ اعمالِ بد سے توبہ ضروری ہوتی ہے۔

توبہ واستغفار

دینِ اسلام میں تصورِ توبہ یہ ہے کہ اگر کوئی بھی گنہگار مسلمان سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور سابقہ گناہوں پر استغفار کرے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا عہد کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اپنے اس بندے کے تمام گزشتہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ توبہ کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر سہروردی سلسلے کے تربیتی نظام میں تمام مریدین و سالکین اور عقیدت مندوں کے لیے ضروری ہے کہ بیعت کے بعد اپنے مرشد کے سامنے بھی اور اکیلے میں بھی اپنے گزشتہ تمام گناہوں اور لغزشوں سے سچی توبہ کرے۔

زُہد و تقویٰ

قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور تقویٰ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے سہروردیہ کے ہاں بھی سالک کے لیے ضروری ہے کہ ظاہری و باطنی زہد اختیار کرے۔ ظاہری زہد سے مراد یہ ہے کہ جملہ ممنوعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور جن امور کی شریعت نے اجازت دی ہے انہیں اختیار کرے اور کوئی کام حکمِ ربانی کے خلاف نہ کرے۔ باطنی زُہد یہ ہے کہ قلب میں ماسوائے اللہ کے کسی کا گزر نہ ہونے دے۔ سہروردیہ کے تربیت نظام میں زہد و تقویٰ ایک بنیادی اہمیت کا حامل اصول ہے۔

[1] خاور سہروردی، یادگارِ سہروردیہ، میسرز نذیر سنز پبلیشرز، لاہور، 1999ء، ص295

قناعت

اپنی تمام نفسانی خواہشات کے ترک کر دینے اور جو کچھ میسّر ہو اس پر راض رہنے کے نتیجے کا نام قناعت ہے۔ سلسلہ سہر وردیہ میں سالک کی تربیت کے اہم اصولوں میں سے ایک اصول اسے قناعت کا نہ صرف درس دینا بلکہ عملی طور پر اسے اس کی مشق کروانا بھی ہے۔

توکل علی اللہ

سہر وردی مشائخ کے نزدیک توکل کا تصور یہ ہے کہ سالک کسی کام کو پورے ارادے و عزم اور تدبیر و کوشش سے انجام دے اور یہ یقین رکھے کہ اگر اس کام میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں مجھے ضروری کامیاب کرے گا۔

عزلت: تنہا بیٹھ کر ذکرِ الٰہی سے لو لگانا لیکن اسبابِ زندگی سے منقطع نہ ہونا۔

توجہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے خوف و امید نہ رکھے اور ہر کام میں اسی کی طرف یکسُو رہے۔

صبر: اپنے نفس کو اضطراب و گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت رکھنا۔

رضا: اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔

ذکرِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور مخصوص الفاظ اور ناموں کے ساتھ اس مبارک ذات کو پکارنا۔ سلسلہ سہر وردیہ میں ذکر کی تین اقسام رائج ہیں۔ ذکر لسانی، قلبی اور روحی۔ [1]

ذکر کی اقسام اور طریقے

مشائخ سہر وردیہ کے نظامِ تربیت میں تین اقسام کے ذکر (لسانی، قلبی اور روحانی) رائج ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہیں:

---

[1] یادگارِ سہر وردیہ، ص295

ذکرِ لسانی: وہ ذکر ہے جو عام لوگ زبان کے ذریعے کرتے ہیں۔ **2۔ذکرِ قلبی:** دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا یہاں تک کہ قلب میں ایک خاص قسم کی حرکت پیدا ہو جائے یہ حرکت دل کے دھڑکنے کی حرکت سے مختلف ہوتی ہے۔ **3۔ذکرِ روحانی:** ذکرِ روحی وہ ذکر ہے جو خاص الخاص کا حصہ ہے جن کو عارفین کاملین کہا جاتا ہے۔ جو ایک لمحے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔

ذکرِ لسانی کی اقسام: ذکرِ لسانی کی دو اقسام ہیں ذکرِ جہر (بلند آواز سے) اور ذکرِ خفی۔ سلسلہ سہروردیہ میں ذکرِ جہری کی اقسام اور طریقہ درج ذیل ہے:

1. **یک ضربی:** اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر مؤدب دو زانو بیٹھ جائے اور سانس کو ناف کے نیچے سے بلند کرے اور لفظِ اللہ کو شدّ و مدّ اور جہر کے ساتھ ناف سے اٹھا کر قلب پر چلائے۔ اور پھر اتنی ہی دیر ٹھہر جائے کہ سانس بھی ٹھہر جائے اور اسی طرح بار بار ذکر کرے۔
2. **دو ضربی:** ذاکر مؤدب دو زانو بیٹھ کر سانس کو بدستور سابق ناف کے نیچے روکے اور اسم اللہ کو بلند آواز اور سختی و قوت کے ساتھ اٹھا کر ایک ضرب زانوئے راست پر اور دوسری ضرب قلب پر لگائے۔
3. **سہ ضربی:** ذاکر چار زانو بیٹھے اور اس طرح ذکر کرے کہ ایک بار دائیں زانو پر ایک بار بائیں زانو پر اور ایک بار قلب پر ضرب لگائے۔ یہ تیسری ضرب سخت اور بلند تر ہو۔
4. ذاکر چار زانو بیٹھے اور پھر تین ضربیں سہ ضربی کے طریقت کے مطابق اور چوتھی ضرب بڑی شدّ و مدّ سے اپنے روبرو زمین پر مارے۔ یہ ذکر اسم ذات کا ذکر کہلاتا ہے۔

ذکرِ نفی و اثبات

صوفیائے کرام کے ہاں نفی و اثبات کے ذکر سے مراد لا الٰہ الّا اللہ کا ورد کرنا ہے۔ جب سالک ذکر اسم ذات کی مشق میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو اس کے بعد مشائخ سہروردیہ نے ذکرِ نفی و اثبات کی تلقین فرمائی ہے۔ ذکرِ نفی و اثبات کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر اس طرح بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آنکھیں بند کر کے لفظِ لا الٰہ کو ناف سے اٹھا کر دائیں کندھے پر سے لے جا کر پسِ پُشت ڈال دے اور وہاں سے اللہ کو دماغ تک پہنچا کر خود دائیں طرف مخاطب ہو جائے اور خیال کرے کہ میں نے تمام عالم کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے اور سب کچھ فانی ہو گیا ہے یہاں تک کہ فوق و یمین بھی طے ہو گیا ہے۔ پھر الّا اللہ کو دائیں طرف سے بائیں طرف قلب پر لے جا کر شد و مد سے ضرب کرے کہ یسار (بایاں) بھی طے ہو جائے۔

اور خیال کرے کہ سوائے اللہ کے تمام جہاں فنا ہے اور صرف اللہ کی محبت دل میں ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح زیادہ سے زیادہ ذکر کرتا جائے۔[1]

مجاہدہ

مجاہدہ کا لفظی معنی کوشش کرنا، جہد و جہد کرنا اور محنت کرنا وغیرہ ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ کوشش اور محنت ہے جو نفس کو سدھارنے اور نفسانی خواہشات قابو میں رکھنے کے لیے کی جاتی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مجاہدہ کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مجاہدہ کی حقیقت نفس اور خواہش کی مخالفت ہے۔ مجاہدہ میں نفس کو اس کی مرغوب چیزوں سے، من مانی باتوں سے اور تمام لذات سے چھڑایا جاتا ہے اور ہر وقت اسے اس کی خواہشوں کے خلاف آمادہ کیا جاتا ہے۔ اگر نفس خواہشات میں ڈوبنا چاہتا ہے تو مجاہدہ اس سرکش گھوڑے کے منہ میں تقویٰ کی لگام ڈال دیتا ہے۔"[2]

مجاہدے کا لفظ انہی معنوں میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ﴾[3]

(اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھاوینگے۔)

ابوالقاسم القشیریؒ مجاہدات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الذين زيّنوا ظواهرهم بالمجاهدات حسنت سرائرهم بالمشاهدات. الذين شغلوا ظواهرهم بالوظائف أوصلنا إلى سرائرهم اللطائف"[4]

---

1 یادگارِ سہروردیہ، ص296

2 غنیۃ الطالبین، ص639

3 العنکبوت: 69

4 القشیری، عبدالکریم بن ہوازن، لطائف الاشارات (تفسير القشيري) الهيئة المصرية العلميه للكتاب، مصر، ج 3 ص 106

(جنہوں نے اپنے ظاہر کو مجاہدات سے مزین کیا میں نے ان کے باطن کو مشاہدات سے آراستہ کیا۔ جو ظاہری طور پر وظائف میں مشغول ہوئے ہم نے انہیں باطنی طور پر لطائف تک رسائی دی۔

ابوالاعلیٰ سید مودودیؒ تفہیم القرآن میں مجاہدہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجاہدہ کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلہ میں کش مکش اور جدوجہد کرنے کے ہیں، اور جب کسی خاص مخالف طاقت کی نشان دہی نہ کی جائے بلکہ مطلقا مجاہدہ کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ہمہ گیر اور ہر جہتی کش مکش ہے، مومن کو اس دنیا میں جو کش مکش کرنی ہے اس کی نوعیت یہی کچھ ہے۔ اسے شیطان سے بھی لڑنا ہے جو اس کو ہر آن نیکی کے نقصانات سے ڈراتا اور بدی کے فائدوں اور لذتوں کا لالچ دلاتا رہتا ہے۔ اپنے نفس سے بھی لڑنا ہے جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لیے زور لگاتا رہتا ہے۔"[1]

مفسرِ قرآن مولانا عبد الحق حقانی اس آیت کے تحت مجاہدہ کی وضاحت اور اس کا دائرہ کار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو کوئی معرفت و حقیقت کے لیے کوشش کرے گا، ذکر و فکر و مراقبہ وغیرہ رستوں سے اللہ اس کو اپنے تک پہنچادے گا۔ بندہ کوشش تو کرے پھر تو اس کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس میں جہاد اصغر اور جہاد اکبر دونوں کی طرف اشارہ ہے۔"[2]

درج بالا قرآنی آیت اور مفسرین کرم کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی نیک اور جائز عمل کے لیے غور و فکر کرنا کوشش و محنت کرنا مجاہدہ ہے اور یہ ایک جائز اور مشروع عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو کامیابی اور منزل تک رسائی کی ضمانت دیتا ہے جو خالصتاً اسی کے لیے مجاہدہ، کوشش و محنت اور جدوجہد کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے مشائخِ سہروردیہ نے اپنے طریقِ تربیت میں مجاہدہ کو ایک ضروری عمل کے طور پر شامل کیا ہے۔ سید قلندر علی سہروردی مجاہدے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نفسانی جذبات کو عقل کے تابع اور اعتدال پر رکھنا اور مرضیاتِ الہیہ کے مطابق استعمال میں لانا ہی عفت و پارسائی کا مقصد وحید ہے۔ تصوف و سلوک میں معاصی و مناہی سے اجتناب اولین قدم ہے اور

---

[1] تفہیم القرآن، ج3 ص677

[2] حقانی، عبد الحق، تفسیر فتح المنان (تفسیرِ حقانی)، میر محمد کتب خانہ کراچی، ج3 ص537

ارتقاء جتنا بڑھتا ہے اتنا ہی جزئیات سے اعراض و پرہیز بڑھتا جاتا ہے۔ تزکیہ نفس مجاہدات و ریاضات سے حاصل ہوتا ہے کیوں کہ مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ محال ہے۔"[1]

مشہور صوفی بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں مجاہدہ کی اہمیت کے حوالے سے ابو علی دقاقؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

"جو اپنے ظاہر کو مجاہدہ سے آراستہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ سے حسین بنادے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو ہمارہ طلب میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دیکھا دیتے ہیں۔ اگر کوئی آغاز میں صاحبِ مجاہدہ نہیں تو اس نے طریقت کی خوشبو نہیں سونگھی۔"[2]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وصول الی اللہ اور تزکیہ و اصلاحِ نفس کے لیے سہروردی نظامِ تربیت میں مجاہدہ ایک لازمی جزء کے طور پر شامل ہے۔ اور یہ کہ مجاہدہ ایک مشروع اور مستحسن عمل ہے جو اصلاحِ باطن میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مراقبہ

لغوی اعتبار سے اس کا معنٰی ہے سوچ بچار، اور غور و فکر کرنا۔ اہلِ تصوف کی اصطلاح میں گردن جھکا کر قلبی نورانی کوائف کا منتظر ہونا اور معرفتِ الٰہی کے بارے میں غور و فکر کرنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مراقبے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مجاہدہ مراقبے کے بغیر تکمیلی مراحل طے نہیں کر سکتا جب رسول کریم ﷺ سے جبرائیل علیہ السلام نے احسان کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اسی مراقبے کی طرف اشارہ فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اس تصور سے اللہ کی عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ تصور نہ آئے تو یہ تصور تو قائم کرو کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے کیونکہ مراقبہ بندے کا اس پر یقین کرلینا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے ہر عمل سے آگاہ ہے۔ اسی یقین کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا مراقبہ ہے۔"[3]

---

1 یادگارِ سہروردیہ، ص296

2 غنیۃ الطالبین ص636

3 غنیۃ الطالبین ص639

مراقبہ تمام سلاسلِ تصوف کے تربیتی نظام کا ایک لازمی اور ضروری جزء ہے۔ مشائخِ سہروردیہ کے ہاں بھی معرفت الٰہی اور تزکیہ نفس کے لیے مراقبے کا اصول موجود ہے۔ مشائخ سہروردیہ کے نظام تربیت میں رائج مراقبے کی مختلف اقسام ہیں۔ جیسے کہ مراقبہ قدرت، مراقبہ معیت، مراقبہ شہادت، مراقبہ حضوری، مراقبہ انانیت اور مراقبہ فناء وغیرہ۔[1]

تصورِ شیخ

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر واذکار اور اوراد و وظائف پڑھتے وقت اپنے مرشد و شیخ کا تصور اپنے ذہن و خیال میں رکھے۔ تصورِ شیخ کی ضرورت واہمیت کے بارے میں سید قلندر علی سہروردیؒ لکھتے ہیں:

> "چونکہ ابتداء میں تنہا ارادتمند کے لیے ذکر اذکار میں دل لگانا اور بے نشان دوڑ کر مقصد کو پانا ذرا دشوار ہوتا ہے اور وہ نہیں سمجھ سکتا کہ میری راہ میں کیا کیا خطرات ہیں اور ان میں میرے لیے مفید اور کون ون اور کیا کیا چیزیں ہیں لہٰذا اس کے بہک جانے اور دل چھوڑ جانے کے خیال سے بزرگانِ دین بیعت کے وقت تصورِ شیخ بھی تلقین فرماتے ہیں۔ تاکہ کہ مرید فرمودہ اذکار و اوراد پر مستقیم اور متکشف حالات پت فہیم رہے اور ی نہایت مؤثر اور سہل ترین راہ ہے۔"[2]

مرید جب ذکر کرنے کے لیے بیٹھے تو اپنے شیخ و مرشد کو تصور اپنے ذہن میں لائے اس سے وہ شیطانی وسوسوں اور نفسانی خطرات سے محفوظ رہے گا اور یہ عمل اس کے لیے ذکر میں یکسوئی کا باعث ہوگا۔

اتباعِ شریعت

یوں تو تصوف کے تمام روحانی سلاسل کے ہاں شریعت کی پیروی اور اتباع ایک ضروری امر ہے لیکن اس ضمن میں جو سختی اور تاکید سلسلہ نقشبندیہ اور سہروردیہ میں پائی جاتی ہے وہ دیگر سلاسل میں قدرے مفقود ہے۔ مشائخِ سہروردیہ کے نزدیک درویش اور سالک کے لیے اتباع شریعت لازمی اور ضروری چیز ہے کیونکہ جو مبادیات ہی سے ناواقف ہے وہ انتہا (معرفتِ الٰہی) تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کے نظامِ تربیت کے تمام افعال واشغال شریعت کے عین مطابق ہیں۔ اس نظامِ تربیت میں کوئی ورد یا وظیفہ ایسا نہیں جو شریعت کی مخالفت میں ہو۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: یادگارِ سہروردیہ از خاور سہروردی، ص298- 299

[2] یادگارِ سہروردیہ، ص297

سطورِ بالا میں سلسلہ سہروردیہ کے نظامِ تربیت اوراس کے بنیادی اصولوں اور نکات کو بیان کیا گیا ہے۔ سہروردی سلسلے کے اہم اور بنیادی نکات میں اوّلاً بیعت ہونا ہے تاکہ کہ تربیتی عمل میں مستقل مزاجی اور تدریج کو اپنایا جاسکے۔ کوئی بھی سالک جن بیعت کے ذریعے اس سلسلے کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے تو یہاں سے اس کی روحانی تربیت اور تزکیہ نفس کا اہتمام ہوتا ہے۔ سہروردی خانقاہوں میں آنے والے جملہ مریدوں اور طالبین کو جو ابتدائی سبق یا وظیفہ دیا جاتا ہے وہ وعظ و نصحیت کے ذریعے ان کے عقائد کی تصحیح و درستی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے باقاعدہ وقت اور طریقہ مخصوص ہوتا ہے۔ ذکر کے ضمن میں اس سلسلے میں موجود تمام اوراد و الفاظ قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ ذکر کے ذریعے روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ مجاہدہ اور مراقبہ بھی اس نظام کا حصّہ سمجھا جتا ہے۔ ان تمام امور کو باقاعدہ اور ترتیب کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے۔ شریعتِ محمدی ﷺ کی کمال حد تک پیروی کی جاتی ہے۔ بنیادی طور پر اس سلسلے کے تمام اصول و قواعد قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات کے مطابق ہیں۔ ذکر و فکر کے طریقے کے حوالے سے مشائخ کے اپنی تجربات کی بنیاد پر مختلف اوقات میں میں مختلف الفاظ اور طریقوں کے ساتھ ذکر کا اہتمام کیا جاتا ہے جو کہ ایک جائز عمل ہے۔

بحث دوم

سلسلہ سہروردیہ کے مخصوص اوراد اور وظائف

اہل تصوف کے نزدیک تصوف قال نہیں بلکہ حال یعنی عمل کا نام ہے۔ جس کا مقصد انسان کے اندر ایسی کیفیت پیدا کرنا ہے کہ انسان اپنی روحانی طاقت سے خود خداوندِ قدوس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کی قدرت کو اپنے سامنے متجسم پائے۔ اسی مقصد کی طرف نبی مکرم ﷺ نے حدیثِ جبریل میں ارشاد فرمایا تھا کہ: (اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تو خود اسے دیکھ رہا ہے)۔ تمام سلاسلِ تصوف نے اس کیفیت کے حصول کے لیے مختلف طریقے اور اذکار و وظائف تجویز فرمائے ہیں۔ سہروردی مشائخ کے تجویز کردہ وظائف درج ذیل ہیں:

تلاوتِ کلامِ الٰہی

مشائخِ سہروردیہ کے نزدیک تلاوتِ قرآن مجید نہایت ضروری اور بہتر وظیفہ ہے۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ جس قدر ممکن ہو پابندی سے تلاوت کرے۔ مشائخِ سہروردیہ کے طریقِ تربیت میں تلاوتِ قرآنِ حکیم کے لیے سب سے بہتر وقت جو تجویز کیا جاتا ہے وہ علیٰ الصبح فجر کا وقت ہے۔ تلاوتِ قرآن مجید کے لیے فجر کے وقت کی اہمیت اور اختصاص کی دلیل قرآن مجید کی سورت بنی اسرائیل میں موجود ایک آیت سے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ کلامِ الٰہی کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾[1]

(بلاشبہ صبح کی تلاوت قرآن دیکھی جاتی ہے۔)

مشائخِ سہروردیہ کے نزدیک قرآن مجید کے پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو ترجمے کے ساتھ پڑھا جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے اور اس بات میں انتہائی سوچ و بچار سے کام لیا جائے کہ ہمارے لیے اس حکیم مطلق نے کیا تعلیم فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ سمجھنے اور غور و فکر کے لیے مرادی معنوں اور تاویلوں سے پاک ترجمے کا انتخاب کیا جانا زیادہ بہتر اور مفید ہو سکتا ہے۔

---

[1] الاسراء: 78

کلماتِ طیبات

ان سے مراد وہ چھ کلمے ہیں جو عام مسلمانوں میں مشہور و معروف ہیں۔ ان کلمات کو روزانہ پڑھنے سے سالک شش جہات کی آفات و بلیات سے محفوظ رہتا ہے۔ سالک کو چاہیے کہ ان چھ کلموں کو معانی کے ساتھ نہایت ذوق شوق اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے تاکہ جملہ برکات سے مستفیض ہو سکے۔

درود شریف

درود شریف بذاتِ خود ایک عبادت ہے جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ اور اس کی اہمیت احادیثِ رسول ﷺ میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جس کو باقاعدہ نماز کا حصہ بنایا گیا ہے۔ درود شریف کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر مشائخِ عظام نے اس کو اپنے تربیتی نظام میں شامل کیا ہے۔ سہروردی صوفیاء کے مخصوص وظائف میں بھی درود شریف کو اسی اہم اور بنیادی اہمیت کی وجہ سے شامل کیا گیا ہے۔ قلندر علی سہروردی لکھتے ہیں:

> "حقیقت یہی ہے کہ درود شریف کے ورد کے بغیر کسی وظیفے کی اجابت، کسی دعا کی قبولیت اور کسی امر صالح میں برکت نہیں ہوتی بلکہ باطنی کشودِ کار بغیر درود شریف کے ایک امر محال ہے۔ اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کا تجربہ شاہد ہے کہ جس قدر درود شریف میں کثرت کی جائے اتنی ہی جلدی کشود کار اور مطلب برآری ہوتی ہے۔"[1]

اسماء الحسنیٰ

اللہ تعالیٰ کو مختلف ناموں سے پکارنا اور اس کے ناموں کا ورد کرنا اس کی یاد کے لیے مختلف الفاظ کے ساتھ اس کا تذکرہ کرنا موجبِ ثواب اور حکم ربّانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ﴾[2]

(اور اللہ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے سو پکارو اسے انھیں ناموں سے۔)

﴿ قُلِ ٱدْعُواْ ٱللَّهَ أَوِ ٱدْعُواْ ٱلرَّحْمَٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ ﴾[3]

---

[1] یادگارِ سہروردیہ، ص300

[2] الاعراف: 180

[3] الاسراء: 110

(آپ فرمائیے یااللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں۔)

شیخ ابو طالب مکی حارثیؒ لکھتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کے اسماء کے مفہومات کے ساتھ دعا کرے۔ اور مستحب یہ ہے کہ دن میں اور رات میں روزانہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ایک بار پڑھ کر دعا کرے۔"[1]

مشائخ سہروردیہ نے اپنے مریدوں کے روحانی تربیت کے لیے وضع کردہ نظام میں اسماء الحسنیٰ کو بھی شامل کیا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک ان اسماء کے مختلف اثرات اور برکات ہوتی ہیں۔ اس لیے سالک کے لیے ضروری ہے کہ ہر نماز کے بعد ایک دفعہ یا کم از کم صبح کے وقت تین بار پڑھے۔ اس سے شیطان و نفس کی تسخیر اور ظاہری و باطنی آفات سے حفاظت ہوتی ہے اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

اسماء الحسنیٰ کے قرد کے ساتھ ساتھ سہروردی سلسلے میں تلاوتِ کلام اللہ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ سہروردی صوفیائے اپنے تمام مریدوں کو اس کی باقاعدہ تلقین کرتے ہیں۔ اس ے علاوہ چھ کلموں کو پڑھنا یاد کرنا اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود و سلام پیش کرنا بھی اس سلسلے کے نظامِ تربیت میں ایک اہم بنیادی اصول کے طور پر مسلم ہے۔

---

[1] حارثی، محمد بن عطیہ، قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، مترجم: (محمد منظور الوجیدی) شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ج 1 ص 191

بحث سوم

سلسلہ سہروردیہ اور اس کے تربیتی نظام کی خصوصیات

تمام روحانی سلاسل کی طرح سلسلہ سہروردیہ کا نظامِ تربیت بھی اپنا ایک منفرد اور خاص مقام رکھتا ہے جس کو سطورِ بالا میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ اور اس کا تربیتی نظام بہت سی خصوصیات کا حامل ہے جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

اتباعِ شریعت

یوں تو تصوف کے تمام روحانی سلاسل کے ہاں شریعت کی پیروی اور اتباع ایک ضروری امر ہے لیکن اس ضمن میں جو سختی اور تاکید سلسلہ نقشبندیہ اور سہروردیہ میں پائی جاتی ہے وہ دیگر سلاسل میں قدرے مفقود ہے۔ مشائخِ سہروردیہ کے نزدیک درویش اور سالک کے لیے اتباع شریعت لازمی اور ضروری چیز ہے کیونکہ جو مبادیات ہی سے ناواقف ہے وہ انتہا یعنی معرفتِ الٰہی تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

تلاوتِ قرآن اور درود شریف

بلاشبہ قرآن مجید تمام علوم و معارف کا منبہ اور سرچشمہ ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر خاص و عام کے لیے اس کی استطاعت اور ہمت کے مطابق راہنمائی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سہروردی سلسلہ تصوف کی ایک اہم اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کے لیے تلاوت آیاتِ قرآنی کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ دیگر سلاسل کے برعکس ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ تلاوتِ کلامِ الٰہی اور اس کے ساتھ ساتھ درودِ پاک بر نبی مکرم ﷺ تربیتی نظام کا ایک وصف اور خاصہ ہے۔

تصورِ شیخ

اس سلسلے میں تزکیہ نفس کے لیے سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اپنے شیخ اور پیر و مرشد کا تصور اپنے ذہن و خیال میں رکھے تاکہ وہ شیاطین اور ان کے وساوس سے محفوظ رہ سکے۔ تصورِ شیخ سلسلہ سہروردیہ کے نظام تربیت کا ایک لازمی جزء اور ایک خاص وصف ہے۔

مراقبہ

مراقبہ تمام سلاسلِ تصوف کے تربیتی نظام کا ایک لازمی اور ضروری جزء ہے۔ مشائخِ سہروردیہ کے ہاں بھی معرفت الٰہی اور تزکیہ نفس کے لیے مراقبے کا اصول موجود ہے۔ یوں سلسلہ سہروردیہ کی خصوصیات میں سے ایک خاص وصف مراقبہ بھی ہے۔

خلاصہ بحث

سلسلہ سہروردیہ کے طریقِ تربیت پر بحث و تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے اس سلسلے کے نظام تربیت کے اہم اور بنیادی نکات مثلاً بیعت، ذکرواذکار، تلاوتِ قرآن، درود شریف، مراقبہ اور مجاہدہ وغیرہ اصلاً قرآن وسنت سے ثابت ہیں جن کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ ذکر جہری و خفی اور ذکر کے مخصوص طریقے اور انداز بھی اس سلسلے کے طریقِ تربیت کے بنیادی اجزاء شمار کیے جاتے ہیں۔ مریدوں کی تربیت کا آغاز بنیادی عقائد کی تعلیم سے ہوتا ہے۔ وعظ و نصیحت کے ذریعے سہروردی صفیائے کرام اپنے مریدین کو دینِ اسلام کے اہم اور فرض عقائد کے تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ جہالت اور کم علمی کے سبب ان کے عقائد می موجود خرابیوں کو دور کر کے ان کے عقائد کی تصحیح و درستی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سلسلہ سہروردیہ میں نہایت سختی کے ساتھ شریعتِ مطہرہ کی پابندی کی جاتہ ہے۔ اس عظیم صوفی سلسلے کو زیادہ تر برصغیر میں ہی شہرت اور ترقی نصیب ہوئی۔

فصلِ چہارم

تزکیہ نفس میں سلسلہ نقشبندیہ کا طریقِ تربیت اور اس کی خصوصیات

سلسلہِ نقشبندیہ اس لحاظ سے تمام دیگر سلاسلِ تصوف سے سے منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے کہ اس میں مکمل طور پر شریعت کی پابندی کا عہد کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر سلاسلِ تصوف کے برعکس اس طریقہ تربیت میں سماع اور موسیقی کو جائز نہیں سمجھا جاتا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں روحانی تربیت کی عمارت مخصوص اوراد واذکار اور چند اصطلاحات و اصولوں پر قائم ہے جو اس پورے تربیتی نظام کی بنیاد اور جڑ تصور کیے جاتے ہیں۔ ذکر واذکار کے انہی مخصوص طریقوں اور اصولوں پر سالک کی تربیت کا آغاز کیا جاتا ہے۔ ان اصولوں، طریقوں اور مخصوص اصطلاحات کی تفصیل بیان کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کے لیے اس فصل کو درج ذیل مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: سلسلہ نقشبندیہ کی مخصوص اصطلاحات

بحث دوم: سلسلہ نقشبندیہ کے نظامِ تربیت کے بنیادی نکات

بحث سوم: سلسلہ نقشبندیہ اور اس کے نظامِ تربیت کی خصوصیات

بحث اول

سلسلہ نقشبندیہ کی مخصوص اصطلاحات

سلسلہ نقشبندیہ کا تربیتی نظام جن اصولوں و اصطلاحات پر قائم ہے وہ کل گیارہ ہیں جن میں سے آٹھ اصول خواجہ خواجگان حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ سے منقول ہیں اور تین اصول خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ نے متعارف کروائے تھے۔ نقشبندی طرقِ تربیت میں یہ اصول بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ گیارہ اصول درج ذیل ہیں:

1:-ہوش دردم

ہوش در دم کا معنٰی ہے کہ سالک ہر دم ہوشیار اور بیدار رہے اور ذکرِ زبانی اور قلبی پوری توجہ اور حضوری کے ساتھ ہو کسی قسم کی غفلت میں نہ ہو۔ گویا اس اصول کے تحت ہر دم یعنی ہر سانس کی حفاظت اور نگہبانی اشد ضروری ہے۔ سانس کے اندر جانے اور باہر آتی وقت سالک پوری طرح بیدار ہو تاکہ اس کا کوئی سانس بھی ذکرِ الٰہی اور یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔ اس کے دو معانی بیان کیے ہیں۔ پہلا معنٰی عام اور دوسرا معنٰی خاص۔

> "عام معنی یہ ہیں کہ جو دم اندر سے باہر آئے چاہیے کہ حضور و آگاہی سے آئے۔ غفلت کو دخل نہ دے اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہے۔ اور خاص معنٰی یہ ہیں کہ ہر ایک دم میں غیر کی نفی اور حق کا اثبات کرے یا اپنے آپ کی قسم قسم کی نفی کرے۔ جیسے کہ لا موجود الاھو سے اسی کی طرف اشارہ ہے"[1]

اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا سب سے کارگر طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہر سانس کی نگرانی کرے۔ ہر دم، ہر سانس اور ہر عمل کے بعد اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا میرا یہ سانس میرا یہ عمل ذکرِ الٰہی سے خالی تو نہیں؟ میرا یہ عمل شریعتِ اسلامی کی مخالفت میں تو نہیں؟ پس جب اور جہاں بھی اسے یہ محسوس ہو کہ اس کا عمل، اس کا قول اور اس کا ایک سانس بھی یادِ الٰہی کے بغیر گزرا ہو اسے فوراً اپنے آپ کو ذکر الٰہی میں مشغول کر لینا چاہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

[1] خبّاز، ملّا حسین،، معمولات حضراتِ نقشبندیہ، (مترجم: ملک فضل الدین نقشبندی)، سنی لیٹریری سوساٹی، لاہور، 1996ء ص 7-8

((الكیس من دان نفسه وعمل لمابعد الموت والعاجزمن اتبیع نفسه هواها وتمنیٰ علی الله الامانی))[1]

(عقلمند وہ ہے جو محاسبہ کرے اپنے نفس کا اور مرنے کے بعد کے لیے کچھ کر رکھے۔ اور عاجز وہ ہے جس نے خواہشِ نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے بے بنیاد امیدیں باندھے رہا۔)

2:- نظر بر قدم

اس سے مراد یہ ہے کہ چلتے پھرتے سالک کی نظر اپنے قدموں کی پشت پر ہو تاکہ کسی بھی غیر محرم یا برائی کی طرف اس کی نظر اور اس کے قدم نہ بڑھ سکیں۔ گویا اس اصول کے تحت سالک کو اپنی نظر اور اپنے ایک ایک قدم کی نگرانی و نگہبانی کرنی ہوتی ہے تاکہ نہ تو اس کی نظر بہک سکے اور نہ اس کے قدم حق کے راہ سے لڑکھڑا سکیں۔ اس اصول کے بھی مشائخِ نقشبندیہ کے ہاں دو معانی ہیں۔ عام اور خاص۔

3:- سفر در وطن

سفر در وطن نقشبندی طریقہِ تربیت کا ایک اہم اور بنیادی اصول ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک صفاتِ بشریہ کو چھوڑ کر صفاتِ ملکیہ حاصل کرے اور صفاتِ ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف انتقال کرے۔ یعنی جب کوئی بھی سالک مشائخ نقشبندیہ کے حلقہِ ارادت میں روحانی تربیت کے لیے بیعت کے ذریعے داخل ہو جاتا ہے تو اسے اپنی پوری کوشش کے ساتھ اپنے تمام اخلاقِ ذمیمہ کو اخلاقِ حمیدہ میں بدلنا ہوتا ہے۔ گویا سالک ہر دم ذکرِ الٰہی اور محاسبہ نفس کے ذریعے اپنے نفس کی تمام بری صفات کو صفاتِ حسنہ میں تبدیل کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے۔ تصوف کے دیگر سلاسل کے برعکس سلسلہ نقشبندیہ کی یہ خاصیت اور انفرادی وصف ہے کہ وہ آفاقی سفر سے زیادہ انفس کے سفر کو اہمیت دیتے ہیں۔ علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں:

"خواجگانِ نقشبندیہ نے مقامِ بقاء میں جو سیر انفسی سے تعلق رکھتا ہے بجائے سیرِ آفاقی کے اسی سیرِ کیفی کو اختیار کیا ہے۔ اور سفر ظاہر اتنا ہی کرتے ہیں کہ رہبرِ کامل تک پہنچ جائیں اور دوسری حرکت جائز

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب استحباب المال والعمر لطاعة، قدیمی کتب خانہ، کراچی ص 451- مسند احمد بن حنبل، عن شداد بن اوس، المکتب الاسلامی، ج 4 ص 124- السنن الکبریٰ للبھقی، کتاب الجنائز، دار صادر بیروت، ج 3 ص 329- المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، دار الفکر بیروت، ج 1 ص 57

نہیں رکھتے اور ملازمتِ شیخ سے دوری نہیں چاہتے۔ اور ملکہ آگاہی کے حصول میں نہایت کوشش کرتے ہیں اس لیے وہ سیر آفاقی کو جو دُور دراز راستہ ہے حتیٰ الامکان پسند نہیں کرتے بلکہ سیر النفسی کے ضمن میں اس کو قطع کرتے ہیں۔"[1]

4:-خلوت در انجمن

اس سے مراد یہ ہے کہ ظاہری طور پر مخلوق سے تعلق تو ضرور ہو لیکن سالک کا باطن اپنے خالق و مالک اور محبوبِ حقیقی کے ساتھ ہو۔ اس اصول کے تحت سالک کے تربیت اس انداز میں کی جاتی ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ سے وہ تمام تعلق بخوبی نبھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ذمہ ضروری کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن حقوق العباد کی ادائیگی کے وقت بھی اس کا باطن اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا مقام و مرتبہ ہے جن کی صفات کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَإِقَامِ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءِ ٱلزَّكَوٰةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ ٱلْقُلُوبُ وَٱلْأَبْصَٰرُ﴾[2]

(وہ مرد جنھیں غافل نہیں کرتی تلاوت اور نہ خرید و فروخت یادالہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے۔ وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے، گبھرا جائیں گے جس میں دل۔ اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔)

5:-یاد کرد

جیسا کہ ظاہری لفظ سے واضح ہے کہ اس اصلاح سے مشائخ نقشبندیہ کی مراد یہ ہے کہ سالک کو ہمہ وقت یادِ الہی اور ذکرِ الہی میں مشغول و مصروف ہونا چاہیے۔ اس اصطلاح کے تحت کسی خاص قسم کا ذکر مراد نہیں۔ یعنی سالک ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرے چاہیے یہ یاد زبانی ہو، قلبی ہو یا عملی ہو۔

---

1 توکلی، نور بخش، تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ، مشتاق بک کارنر، لاہور، س-ن، ص105

2 النور: 37

6:- بازگشت

رجوع کرنا، لوٹنا یا پھرنا، اس سے مراد یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی کے وقت تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد مناجات و دعاؤں کی طرف لوٹنا۔ محمد صادق قصوری اس اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے ذکر کے بعد تین بار یا پانچ بار ان مناجات کی طرف رجوع کرے۔ اے اللہ میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا اور خوشنودی، تو اپنی محبت و معرفت عطا فرما۔"[1]

علامہ نور بخش توکلی صوفیہ نقشبندیہ کے طریقِ تربیت میں رائج اصطلاح "بازگشت" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بازگشت سے مراد یہ ہے کہ جب ذاکر بطریقِ معہود کلمہ توحید کا ذکر دل سے کرے تو ہر بار کلمہ توحید کے بعد زبانِ دل سے کہے۔۔۔ خدایا! مقصود میرا تو ہے اور تیری رضا"[2]

یعنی سالک جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اس کا ذکر زبان یا دل سے کرے تو اس ذکر کی بازگشت اس کے دل کو سنائی دے۔ اس کا دل اس بات کی گواہی و شہادت دے کہ وہ اپنے محبوبِ حقیقی کے ذکر میں مستغرق ہے۔ یہ کیفیت عارضی نہ ہو بلکہ مسلسل ذکر کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جائے کہ ہمہ وقت اور مسلسل اس کو محبوب کے ذکر و فکر اور یاد کی بازگشت دل کے کانوں سے سنائی دیتی ہو۔

7:- نگہداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے نفس یا دل میں آنے والے خطرات اور احادیثِ نفس کو ہانکے اور ان کو دور کر دے۔ یعنی غیر اللہ کے جو وسوسے اور خیالات نفس و دل میں آ ہیں ان کو نہ آنے دے اور ان تمام وسوسوں اور غیر کے خیالات سے دل کی نگہداشت کرے۔

---

[1] قصوری، محمد صادق، تذکرہ نقشبندیہ خیریہ، کتب خانہ خیریہ، پشاور، 2007ء، ص116

[2] تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ، ص106

8۔:-یاداشت

یاداشت سے مطلب یہ ہے کہ توجہ ہر حال اور ہر دم مکمل ذوق کے ساتھ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رہے۔ سالک کو ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ الفاظ و خیال کے بغیر بھی وہ حق تعالیٰ کہ طرف متوجہ رہے۔ گویا سالک کو دائمی حضوری اور مکمل آگاہی حاصل ہو جانا نقشبندی اصطلاح میں یاداشت کہلاتا ہے۔

9:-وقوفِ زمانی

اس کا مفہوم ہوش دردم سے قدرے مماثل ہے۔ بنیادی فرق یہ ہے کہ ہوش دردم ابتدائی سالک کے لیے ہے جب کہ وقوفِ زمانی متوسط کے لیے۔ وقوف کا معنیٰ ہے آگاہی، اطلاع یا ٹھہرنا اور زمانی زمان یعنی وقت سے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کو اپنے ایک ایک سانس پر، اپنے وقت کے ایک ایک لمحے پر اور اپنے نفس کی جملہ حالتوں اور کیفیتوں کے بارے میں مکمل آگاہی اور اطلاع ہو۔ یعنی اس بات سے واقف اور آگاہ رہنا کہ اس کا کوئی لمحہ اور کوئی بھی سانس غفلت میں نہ گزرے۔ اس اصطلاح کی مقصد و مدعا یہ ہے کہ سالک اپنے اوقات سے محاسبہ نفس کے ذریعے ہمہ وقت آگاہ رہے۔ اگر سالک کا وقت اطاعت الٰہی اور ذکرِ الٰہی میں بسر ہو رہا ہے تو شکر بجالائے اور اگر غفلت میں گزر رہا ہے تو غفلت سے تائب ہو کر اطاعت اختیار کرے۔

10:-وقوفِ عددی

عددی عدد سے ہے جس سے مراد گنتی یا تعداد ہے۔ وقوفِ عددی سے مراد یہ ہے کہ سالک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے وقت ذکر کی تعداد سے واقف رہے۔ ایک سانس میں طاق عدد پر ذکر کرے نہ کہ جفت۔

> "اس سے مراد یہ ہے کہ سالک حبسِ دم کے ساتھ ذکرِ نفی و اثبات کے وقت طاق عدد پر سانس چھوڑا کرے"[1]

اس اصول کا مقصد توجہ کا حصول ہے کہ دل مکمل طور پر ذکر اور محبوب کی طرف ہو۔ نیز طاق عدد چونکہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد ہے اس لیے مشائخ نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔

---

[1] عبدالقادر شاہ، سلوکِ مجدّدیہ، مینار بک ڈپو سیلز اینڈ پبلیشرز، حیدر آباد، ص39

11:-وقوفِ قلبی

اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرتے وقت سالک اپنے قلب کی کیفیت وحالت سے آگاہ ہو۔اور پوری توجہ سے اپنے دل کواپنے محبوبِ حقیقی کی طرف متوجہ کرے۔

سطورِ بالا میں بیان کردہ جملہ اصطلاحات نقشبندی سلسلے کے تربیتی نظام کی بنیاد اور جڑ قرار دی گئی ہیں۔ مشائخِ نقشبندیہ جب طالبِ حق کو بیعت کے ذریعے اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیتے ہیں تواس کے بعد اس کی روحانی تربیت کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کے اس روحانی تربیتی نظام کی بنیاد کل گیارہ اصولوں پر مبنی ہے جن کواوپر بیان کیاج گیاہے۔ ان میں سے آٹھ اصول خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے متعارف کروائے تھے جبکہ باقی تین اصول خواجہ بہاء الدین نقشبند نے متعارف کروائے تھے۔ تمام مریدین وسالکین کے لیے ضروری ہوتاہے کہ وہ ان اصطلاحات اوران کے مفاہیم کونہ صرف زبانی طورپر یادرکھیں بلکہ عملی طورپران کواپنے شب وروز کا حصّہ بناہیں۔یوں بنیادی طورپر یہ اصطلاحات اور اصول سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد اور اصل تصوّر کیے جاتے ہیں۔ مشائخِ نقشبندیہ ان اصولوں اور اصطلاحات کو تعلق باللہ کے لیے نہایے ضروری تصوّر کرتے ہیں۔

بحث دوم

سلسلہ نقشبندیہ کے نظامِ تربیت کے بنیادی نکات

نقشبندی صوفیاء کے ہاں بنیادی طور پر تزکیہ نفس اور وصول الی اللہ کے تین طریقے رائج ہیں۔ ذکر اللہ، مراقبہ اور صحبتِ مرشد۔ سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت شریعت اسلامیہ کی مکمل پابندی کرنا ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر بانیانِ سلسلہ نے یہ کوشش کی ہے کہ اس سلسلے کا کوئی بھی اصول یا طریقہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف نہ ہو۔ چناچہ نظام تربیت میں جو بنیادی اصول یا طریقے شامل ہیں وہ تمام تر اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں۔ ذکر اللہ، مراقبہ اور صحبتِ مرشد اور نظامِ تربیت کے اہم نکات اور ان کی اہمیت وافادیت اور متعلقہ ضروری تفصیلات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

ذکر اللہ

اللہ تعالیٰ کو زبان کے ساتھ یا دل میں یاد کرنا، پکارنا یا اس کے مختلف اسماء کا ورد کرنا ذکر کہلاتا ہے۔ اسلام میں ذکر اللہ کی اہمیت وافادیت ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ ذکر اللہ کی اسی بنیادی دینی وشرعی اہمیت کے پیشِ نظر مشائخِ نقشبندیہ نے اسے اپنے تربیتی نظام میں ایم بنیاد اور اساس کے طور پر شامل کیا ہے۔ عام طور پر سلسلہ نقشبندیہ میں ذکر کا جو طریقہ رائج ہے وہ ذکرِ خفی ہے اسی کو ذکرِ قلبی بھی کہا جاتا ہے۔

مراقبہ

تمام روحانی سلاسل میں تزکیہ نفس اور وصول الی اللہ کے بنیادی اور اہم ذرائع اور طریقوں میں سے ایک اہم ذریعہ اور طریقہ مراقبہ ہے۔ لغوی اعتبار سے مراقبہ کا معنی ہے: غور، تصوّر، سوچ بچار، دھیان، گیان، گردن جھکا کر فکر کرنا، حضوریِ دل سے خدا کا دھیان کرنا اور سب چیزوں کو چھوڑ کر خدا کا دھیان کرنا۔[1] تصوف یا صوفیاء کی اصطلاح میں معرفت الٰہی کے حصول کی خاطر ماسوائ اللہ سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جانا مراقبہ کہلاتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ مراقبے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[1] فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو جامع) فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص1224

"کسی بھی چیز کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کا نام ہے۔ مثلاً کسی آواز کو سننے یا کسی چیز کو محسوس کرنے یا قلبی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔"[1]

مراقبے سے بحیثیت مجموعی مراد یہ ہے کہ سالک اپنی قوتِ ادراک کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کے تصور میں لگادے یا وہ نزع کی اس حالت کا دھیان کرے جب روح بدن کو چھوڑتی ہے یا اس طرح کی کسی اور کیفیت پر ساک اپنی توجہ کو یوں مبذول کرادے کہ اس کی عقل اس کے وہم وخیال کی قوت اور اس کے تمام کے تمام حواس اس کی توجہ کے تابع ہو جاہیں اور سالک پر ایسی کیفیت طاری ہو جائے کہ جو چیزیں محسوسات میں سے نہیں ہیں وہ اسے محسوس نظر آہیں۔[2] سلاسلِ تصوف میں عام طور پر جب سالک مخصوص اذکار کے ذریعے تربیت کے ابتدائی مراحل طے کرلیتا ہے تو اسے مراقبے کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔ سید شبیر احمد کاکاخیل لکھتے ہیں:

"جب ذکرِ ضربی یا سرّی کی تکثیر سے سالک منور ہو جاتا ہے اور اس کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں ذکر سرایت کر جاتا ہے اور ایک محویت کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے تب مراقبات کی تعلیم کی نوبت آتی ہے۔ اصل یہی ہے لیکن اب عوارض کے سبب ذکر کے ساتھ ساتھ ہی مراقبات بھی تعلیم کر دیئے جاتے ہیں۔"[3]

مراقبے کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر مشائخِ نقشبندیہ نے اسے اپنے نظامِ تربیت کا حصّہ بنایا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں رائج مراقبے اور اس کے طریقے کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"اس کی صورت یہ ہے کہ سانس کو تھوڑی دیر کے لیے ناف کے نیچے روکے اور اپنے تمام حواسِ مدرکہ کو اس مجرد بسیط معنٰی کی طرف مرکوز کردے جسے ہر سالک اللہ کا نام بولتے وقت تصور کرتا ہے۔"[4]

روحانی سلاسل میں رائج مراقبے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

---

[1] کاکاخیل، سید شبیر احمد، فہم التصوف، شعبہ نشرواشاعت خانقاہ امدادیہ راولپنڈی، ص275

[2] ہمعات،، ص73- 74

[3] فہم التصوف، ص273

[4] رسائل شاہ ولی اللہ، ج1ص71

"صوفیاء کے ہاں مراقبے کی کئی قسمیں ہیں ان سب کے ضمن میں جامع اور مکمل صورت یہ ہے کہ کوئی آیتِ قرآنی یا کلمہ زبان سے بولے یا دل میں اس کو خیال کرے اور اس کے معنٰی کو دل میں اچھی طرح سے جاگزیں کرے، پھر تصور کرے کہ یہ معنٰی کیونکر ہے، اس کے تحقق اور ثبوت کی کیا صورتیں ہیں ۔پھر دل کو اس صورت پر قائم کرے یہاں تک کے دل میں اس کے سوا کسی دوسرے معنٰی کا گزر نہ ہو اور اس میں استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے۔"[1]

صحبتِ مرشد

مرشد کا لغوی معنٰی ہے "ہدایت کرنے والا، سیدھی راہ بتانے والا، راہنما، ہادی، پیر اور استاد"[2] اصطلاح صوفیاء میں صحبتِ مرشد سے مراد ہمہ وقت یا اکثر اوقات اپنے شیخ یا پیر کی مصاحبت اور سنگت اختیار کرنا ہے۔ نقشبندی صوفیاء کے ہاں تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کے لیے صحبتِ مرشد نہایت ضروری ہے۔ اولیا اللہ کی ہم نشینی اور ان کی سنگت اختیار کرنے کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآنِ مجید میں نبی کرم ﷺ کو مخاطب فرما کر حکم دیا کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے جوڑے رکھیں جو صبح و شام صرف اور صرف اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنے آپ کو ذکر و فکر میں مشغول رکھتے ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِٱلْغَدَوٰةِ وَٱلْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُۥ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ﴾[3]

(اور روکے رکھئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے۔)

صاحبِ تفسیرِ بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

1 رسائل شاہ ولی اللہ، ج1 ص59

2 فیروز اللغات، ص1229

3 الکھف: 28

"قَالَ قَتَادَةُ: نَزَلَتْ فِي أَصْحَابِ الصُّفَةِ وَكَانُوا سَبْعَمِائَةِ رَجُلٍ فُقَرَاءَ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يَرْجِعُونَ إِلَى تِجَارَةٍ وَلَا إلى زرع ولا ضرع ويصلون صَلَاةً وَيَنْتَظِرُونَ أُخْرَى"[1]

(حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اصحابِ صفہ کے بارے میں میں نازل ہوئی، یہ سات سو فقیر آدمی تھے جو نبی کریم ﷺ کی مسجد میں ہی ہوتے تھے۔ یہ لوگ نہ تجارت کے لیے جات تھے اور نہ ہی زراعت وغیرہ کے لیے۔ اور یہ لوگ ایک نماز ادا کرتے اور دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔)

درج بالا قرآنی آیت اور تفسیری اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی صحبت اور سنگت رکھنے کا حکم دیا جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر اور صلوۃ ودعا میں مصروف ہوتے ہیں اور عارضی دنیاوی حاجات وضروریات کی تمنا اور آرزو سے بے نیاز ہو کر خالصتاً اپنے خالق ومالک سے لو لگا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کا اتنا اعلیٰ مقام ومرتبہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو بھی ایسے لوگوں کی سنگت اختیار کانے کا حکم دیتا ہے۔

اصلاً تو اس آیت میں نبی مکرم ﷺ کو اپنے اصحاب کو اپنی صحبتِ مبارکہ سے سرفراز فرمانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس آیت کا حکم عام ہے یعنی جہاں بھی جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر میں مشغول ہوگا اس کی ہم نشینی اور مصاحبت اختیار کی جا سکتی ہے۔ صوفیاء کرام کے ہاں اس صحبت اور سنگت کو رابطہ بالشیخ یا صحبتِ مرشد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روحانی ترقی کے لیے تصوف میں رابطہ بالشیخ ایک ضروری چیز ہے۔ اسی لیے مشائخِ نقشبندیہ کے ہاں وصول الی اللہ کے بنیادی طریقوں اور ذرائع میں سے ایک اہم طریقہ صحبتِ مرشد ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"مشائخِ نقشبندیہ کے نزدیک وصول الی اللہ کا تیسرا طریقہ اپنے مرشد کے ساتھ کمال درجے کا رابطہ اور تعلقِ خاطر ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ مرشد قوی التوجہ اور یادداشت کی دائمی مشق سے بہرہ ور ہو۔ ایسے مرشد کی صحبت اختیار کرے تو سوائے اس کی محبت کے اپنی ذات کو ہر شے کے تصور اور خیال سے خالی کرے اور مرشد کے فیض کا منتظر رہے۔"[2]

---

[1] البغوي، الحسين بن مسعود بن محمد، معالم التنزيل في تفسير القرآن (تفسير بغوي)، دار إحياء التراث العربي بيروت، 1420ھ، ج 3 ص 188

[2] رسائل شاہ ولی اللہ، ج1 ص71

مشائخِ نقشبندیہ کے نزدیک اگرچہ وصول الی اللہ اور تزکیہ نفس کے بنیادی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ صحبتِ مرشد ہے تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ مرشد اس میدان کا مردِ مجاہد ہو۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ کے درج بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ مرشد اور شیخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہایت قوی التوجہ اور اس راہ میں طالبِ حق کی راہنمائی کا ماہر ہو۔ اگر کسی طالبِ حق کو ایسا مرشد و راہنما میسر آ جائے تو اس کے تزکیہ و اصلاح کے لیے صحبتِ مرشد ہی اہم ذریعہ ہو سکتا ہے۔ صحبتِ مرشد کی اہمیت کے بارے میں سید محمد ذوقیؒ لکھتے ہیں:

"وہ طالبانِ حق کو اپنی تعلیم و تربیت اور اپنے توسل و فیضانِ باطنی اور اپنے تصرف سے وصول الی اللہ کے درجے تک پہنچانے والا ہے۔ بوجہ صاحبِ ارشاد ہونے کے وہ نائب رسول ﷺ ہوتا ہے۔ جو کام کہ پیغمبرِ خدا نے اپنی حیاتِ ظاہری میں کیا اسے بعد کے زمانوں میں جاری رکھتا ہے۔ اسے عالمِ ملک و ملکوت میں حق تعالیٰ کی طرف سے تصرف عطا ہوتا ہے۔[1]

رابطہ بالشیخ یا صحبتِ مرشد کی اہمیت کے بارے میں مولانا رومؒ کا مشہور و معروف اور زبان زدِ عام شعر درج ذیل ہے:

مولوی ہر گز نشد مولائے روم
تا مریدی شمس تبریزی نشد

(اگر رومی شمس تبریزؒ کا مرید نہ ہوتا تو کبھی بھی یہ مقام حاصل نہ کر سکتا۔)

مشہور صوفی شاعر سیّد وارث شاہ ضرورتِ مرشد کے بارے میں لکھتے ہیں:

بنا مرشداں راہ نہ ہتھ آوے
دودھ باہجھ رجھدی نہ کھیر ساہیں[2]

سلطان العاشقین حضرت سلطان باہو مرشد کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

جے تو چاہیں وحدت رب دی تاں مل مرشد دیا تلیاں ہو۔
مرشد لطفوں کرے نظارہ گل تھیوں سب کلیاں ہو۔[3]

---

[1] سید محمد ذوقی، سرِ دلبراں، کراچی، محفلِ ذوقیہ 1400ھ، ص239

[2] وارث شاہ، سیّد، ہیر وارث شاہ، (مترجم: پروفیسر حمید اللہ ہاشمی) شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، 2000ء، ص171

[3] باہو، سلطان محمد، ابیاتِ باہو، العارفین پبلیکیشنز، 2003ء، ص 29

صحبتِ مرشد کی اسی ضرورت واہمیت کے پیشِ نظر مشائخِ نقشبندیہ نے اپنے نظامِ تربیت میں اس کو ایک اصول کے طور پر شامل کیا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں سالک کو تزکیہ نفس اور روحانی ترقی کے لیے صحبتِ مرشد کو لازمی پکڑنا ہوتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے نظام تربیت کے بنیادی اصولوں اور نکات کو بیان کرنے کے بعد یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس سلسلے کے نظام تربیت کی جملہ اصطلاحات، تمام بنیادی اصول و نکات اور تمام اوراد واذکار شرعی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے اپنائے گئے ہیں۔ مشائخِ نقشبندیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی سب سے اہم خوبی یہی ہے کہ اس سلسلے میں مکمل طور پر شریعت کو ہر چیز پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نقشبندی صوفیائے کرام قوالی سے مکمل طور پر اعراض کرتے تھے۔ اس سلسلے میں داخل ہونے کے بعد سالک اور مرید کو صحبتِ مرشد کے علاوہ تمام ذکر کردہ اصولوں کی کماحقہ پیروی کرنا لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔

بحث سوم

سلسلہ نقشبندیہ اوراس کے نظامِ تربیت کی خصوصیات

سلسلہ نقشبندیہ اس لحاظ سے باقی تمام سلاسلِ تصوف سے منفرد و ممتاز ہے کہ اس میں شریعتِ اسلامیہ کی کمال درجہ تک اتباع اور پیروی کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مشائخِ نقشبندیہ کے ہاں سماع و موسیقی کا رواج نہیں ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ اور اس کے نظامِ تربیت کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

نسبتِ صدیقی

تصوف کے دیگر تینوں سلاسل کے برعکس اس سلسلے کی روحانی نسبت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں افضل و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

اتباعِ شریعت

سلسلہ نقشبندیہ میں حد درجہ قرآن و سنت کی اتباع و پیروی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طریقِ تربیت میں شامل تمام اوراد و اذکار قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔

مخصوص اصطلاحات

دیگر سلاسلِ تصوف کے برعکس اس سلسلے کے تربیتی نظام کی بنیاد چند اصطلاحات اور اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ دیگر سلاسل میں اگرچہ نظامِ تربیت منفرد اور جدا ہے لیکن کسی بھی سلسلے میں چند مخصوص اصول نہیں ہیں جن کی پابندی ہر سالک کے لیے ضروری ہو۔

سماع و موسیقی سے دوری

سلسلہ نقشبندیہ کی یہ ایک منفرد خوبی ہے کی اس میں سماع و موسیقی کو جائز نہیں سمجھا جاتا۔ سلسلہ نقشبندیہ کے تمام مشائخ سماع و موسیقی کو جائز تصور نہیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کے تمام مشائخ کی سوانح میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

ذکرِ خفی

سلسلہ نقشبندیہ میں عام طور پر ذکر خفی کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ذکرِ جلی و خفی دونوں کا جائزاور مسنون مانا جاتا ہے۔ عام مریدوں کو ذکرِ خفی کی تلقین کی جاتی ہے۔

صحبتِ مرشد

رابطہ بالشیخ یا صحبتِ مرشد کو روحانی ترقی میں ایک خاص اور بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ سلسلہ نقشبندیہ کی سب سے اہم صفت جو اسے دوسرے سلاسل سے ممتاز کرتی ہے وہ شریعت کی حد درجہ پیروی اور تمسک بالسنۃ ہے۔ اس کے علاوہ نقشبندی مشائخ موسیقی اور سماع کے خلاف تھے، ذکرِ خفی و جلی کو جائز مانتے ہیں، مراقبہ کو تعلق باللہ کا ایک مؤثر ذریعہ خیال کرتے ہیں اور فرائض شرعی کو نوافل پر واضح ترجیح دیتے ہیں۔[1]

گزشتہ صفحات میں سلاسلِ اربعہ کے بنیادی اصولوں، نظامِ تربیت اور اس کے بنیادی نکات اور خصوصیات کو بیان کرنے اور اس کا تجزیہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان تمام سلاسل تصوف کا افراد کی تربیت اور تزکیہ نفس کے حوالے سے اپنا اپنا مخصوص نظام اور طریقہ ہے۔ ان نظام ہائے تربیت میں بیشتر نکات اور اصول ایک جیسے ہیں جن مین بیعت کرنا، ذکرِ الٰہی کی کثرت، مراقبہ و مجاہدہ، تلاوتِ کلام و درود شریف کی کثرت وغیرہ۔ دوسری طرف چند چیزیں اور امور ایسے ہیں جو تمام سلاسل تصوف کے نظام میں منفرد ہیں جیسے سلسلہ نقشبندیہ کی مخصوص اصطلاحات، سلسلہ چشتیہ و قادریہ میں سماع و قوال کا رواج وغیرہ۔ ان تمام مشترکات و مختلفات کے باوجود تمام سلاسل مقصدِ اصلی یعنی نفس کو آلائشوں سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت میں غرق کرنے کے حوالے سے متفق و متحد نظر آتے ہیں۔

---

[1] ہاشمی، حمید اللہ شاہ، احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، تصوف فاؤنڈیشن لاہور، 2000ء، ص 64

باب سوم
سلاسلِ تصوف کی اصلاح معاشرہ میں کاوشیں اور ان کے اثرات

فصل اول: اشاعتِ دِین میں صوفیاءِ کرام کی کوششیں اور ان کے اثرات

فصل دوم: خانقاہی نظام کا افراد کے تزکیہٗ نفس میں کردار اور اثرات

فصل سوم: معاشرتی اِصلاح میں خانقاہی نظام کا کردار اور اس کے اثرات

فصل چہارم: خانقاہی نظام کی معاشی و اقتصادی خدمات و اثرات

باب سوم

سلاسلِ تصوف کی اصلاح معاشرہ میں کاوشیں اور ان کے اثرات

برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کے بہت سے ذرائع بیان کیے جاتے ہیں[1] جن میں مسلمان تاجر اور صوفیاء کرام کی آمد اہم شمار کیے جاتے ہیں۔ برصغیر کے اس خطے میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے مؤخر الذکر ذریعہ ایک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اس خطے میں اپنی آمد کے ساتھ ہی مقامی لوگوں کی نفسیات، معاشرتی رسوم و رواج، باہمی تعلقات اور عقائد و نظریات کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور ایک ایسا تبلیغی اور اصلاحی نظام متعارف کروایا جو ایک طرف خالص اسلامی اصولوں اور نظریات پر مبنی تھا اور دوسری طرف مقامی لوگوں کی نفسیات کے عین مطابق۔ یہ نظام اپنے معروف معنوں میں تصوف یا خانقاہی نظام سے جانا جاتا ہے۔

برصغیر کی تاریخ کے حوالے سے یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس سرزمین میں اسلام جس تلوار سے پھیلا وہ صوفیاء کرام کے عمدہ اخلاق اور بلند کردار کی تلوار تھی۔ ہر دور کے کامل صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے اپنے اقوال و ملفوظات اور افعال و اعمال کے ذریعے تبلیغِ اسلام اور اصلاحِ معاشرے کے لیے مثالی کوششیں کیں۔ صوفیاء کرام نے اشاعتِ اسلام اور معاشرتی اصلاح کے لیے خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نظام نے برصغیر کے لوگوں کو کفر و شرک و بت پرستی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر دائرہ اسلام میں داخل کر دیا۔ نیز افرادِ معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں سے تمام موجودہ خرابیوں کو دُور کر کے ایک انتہائی مہذب اور صالح معاشرے کی بنیاد رکھی۔ صوفیائے کرام کی ان جملہ دینی و مذہبی اور معاشرتی و سماجی خدمات کا تذکرہ ہر دور کے اکثر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ان تذکرہ نگاروں میں جہاں بہت سے ان صوفیائے کرام کے اپنے عقیدت مند اور متعلقین و مریدین ہیں وہاں بہت سے مستشرقین بھی شامل ہیں۔

---

[1] اسلام اور خانقاہی نظام، ص 207

سلسلہ چشتیہ کے مشہور و معروف صوفی بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی ہمہ جہتی معاشرتی خدمات اور ان کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور روسی مصنفہ اینا سفورا[1] لکھتی ہیں: مذہب ہو یا سیاست، تعلیم ہو یا ادب، موسیقی ہو یا باہمی انسانی تعلقات، سماجی و ثقافتی دائرے میں آنے والا شاید ہی کوئی ایسا عمل ہو جسے شیخ نظام الدینؒ نے نہ متاثر کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حالاتِ زندگی فقط امیر حسن سنجری، امیر خورد، حمید قلندر، شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی، دارا شکوہ اور احوالِ اولیاء کے دیگر مصنفین نے ہی نہیں لکھے بلکہ سلطنتِ دہلی کے زیادہ تر مؤرخین نے بھی انھیں اپنی تحریروں میں جگہ دی ہے۔[2] اس باب میں صوفیاء کرام کے مرتب کردہ اسی خانقاہی نظام کی دینی و تبلیغی، سماجی و معاشرتی اور معاشی و اقتصادی خدمات اور ان کے اثرات کو بیان کیا جائے گا۔ صوفیاء کرام اور خانقاہی نظام کی ان ہمہ جہتی خدمات اور ان کے اثرات کے بارے میں بحث و تحقیق کرنے کے لیے اس باب کو ان خدمات کے لحاظ سے درج ذیل چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

فصل اول: اشاعتِ دین میں صوفیاء کرام کی کوششیں اور ان کے اثرات

فصل دوم: خانقاہی نظام کا افراد کے تزکیۂ نفس میں کردار اور اثرات

فصل سوم: معاشرتی اصلاح میں خانقاہی نظام کا کردار اور اس کے اثرات

فصل چہارم: خانقاہی نظام کی معاشی و اقتصادی خدمات و اثرات

---

[1] اینا سفوروا، روس کے شہر ماسکو میں 11 جنوری 1949ء میں پیدا ہوئی۔ پیشہ ورانہ دلچسپی کے موضوعات میں جنوبی ایشیا کے قبل جدید ادب، برصغیر میں اسلام، تصوف اور بصری فنون شامل ہیں۔ دی رشین اکیڈمی آف سائنس (The Russian academy of science) میں انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل سٹڈیز کے ایشیائی ادب کے شعبے کی سربراہ ہیں، انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اینڈ کلاسیکی کلچرز میں ہند اسلامی ثقافت کی روسی ریاستی جامعہ میں پروفیسر ہیں۔ موصوفہ بین الاقوامی فیکلٹی نیشنل کالج آف آرٹس (پاکستان) بین الاقوامی فیکلٹی فیلو، مرکز برائے مطالعہ جنس و ثقافت (پاکستان)، فیلو رائل ایشیاٹک سوسائٹی (یو۔کے) کی رکن ہیں۔ پاکستانی ادب اور ثقافتی ورثہ کی تحقیق میں ان کی خدمات پر انہیں پاکستان کا اعلیٰ ترین سول اعزاز ستارہ امتیاز دیا گیا ہے۔ (https://en.wikipedia.org/wiki/Anna_Suvorova) آپ نے اپنی مشہور کتاب (Muslim saint of South Asia) جو کہ اصل میں روسی زبان میں ہے اور جس کا اردو ترجمہ محمد ارشد رازی نے کیا ہے، میں برصغیر کے معروف اولیائے اور ان کی خانقاہوں کا تفصیلا تذکرہ کیا ہے۔ درج بالا اقتباس اسی کتاب سے لیا گیا ہے۔

[2] اینا سفوروا، برصغیر کے اولیا اور ان کے مزار، (مترجم: محمد ارشد رازی) ص 119

فصل اول

اشاعتِ دِین میں صوفیاء کرام کی کوششیں اور ان کے اثرات

بر صغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ صوفیاء کرام اور ان کے خانقاہی نظام نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستانی معاشرہ اسلام کی آمد سے قبل بت پرستی اور کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ صوفیاء کرام نے بتوں کے پجاریوں کو توحیدِ خالص کا درس دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ توحیدِ خالص کے پجاری بن گئے۔ دعوتِ دین و تبلیغِ اسلام کے ضمن میں صوفیاء کرام کی خدمات کے حوالے سے اگر تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صوفیاء کرام نے اس میدان میں دو طرح کی خدمات سر انجام دیں۔ **اوّل:** کفر و شرک اور بت پرستی کی دلدل میں پھنسے خدائے واحِد و اَحد و لاشریک سے ناآشنا لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا۔ **دوم:** ایسے مسلمانوں کے نظریات و عقائد کی اصلاح و درستگی جو کم علمی یا دیگر سماجی عوامل کے زیرِ اثر توحید کے قائل ہونے کے باوجود توحیدِ خالص سے ناآشنا تھے اور جن کے بنیادی عقائد میں معاشرتی رسوم و رواج اور سماجی عوامل کے منفی اثرات کے سبب بگاڑ اور فساد و خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ صوفیاء کرام نے ان ہی دو میدانوں میں اپنی تمام کوششیں صرف کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کوششوں کے مثبت نتائج و ثمرات ان کی زندگیوں میں ہی دکھا دیئے۔ صوفیاء کرام کی ان خدمات، کوششوں اور ان کے اثرات کو تفصیلاً بیان کرنے کے لیے اس فصل کو تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اول: صوفیائے کرام کے عقائد و نظریات

بحث دوم: غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام اور اس کے مثبت اثرات

بحث سوم: امراء و سلاطین کی دینی اصلاح کی کوششیں اور ان کے ثمرات

بحث چہارم: عوام الناس کے عقائد کی اصلاح کی کاوشیں اور ان کے اثرات

بحث اوّل

صوفیائے کرام کے عقائد و نظریات

صوفیاء کرام خود بھی ایک اللہ کو ماننے والے تھے اور انھوں نے ہندوستان کے بت پرستوں کو بھی اسی خدائے واحد و اَحد کے آگے سر جھکانے کی دعوت دی۔ صوفیاء کرام کی تبلیغی و دعوتی خدمات کو بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے ان کے عقائد و نظریات کے بارے میں جانا جائے تا کہ ذہنوں سے یہ خلش دور ہو جائے کہ صوفیاء کرام کے نظریات و عقائد خالص نہیں تھے اور ان میں شرک کی آمیزش تھی۔ تصوف کے میدان میں سلسلہ قادریہ کے بانی شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ایک بڑا مقام اور مرتبہ ہے۔ تمام سلاسلِ تصوف کے صوفیاء اور اولیاء انھیں اپنا پیشوا اور امام تسلیم کرتے ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے عقائد و نظریات کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی سیر اعلام النبلاء میں انہی کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

"اعْتِقَادُنَا اعْتِقَادُ السَّلَفِ الصَّالِحِ وَالصَّحَابَةِ"[1]

(ہمارا عقیدہ وہی ہے صحابہ کرام اور سلف صالحین کا ہے۔)

شیخ عبد القادر جیلانیؒ اپنے کتاب غنیۃ الطالبین کے پہلے باب میں عقیدہ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ کلمہ شہادت کا اقرار کرے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے علاوہ ہر دین سے برات کا اظہار کرے اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتقاد رکھے۔"[2]

ایک دوسرے مقام پر شیخ عبد القادر جیلانیؒ عقیدہ توحید کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اس حقیقت کو پہچان لے کی اللہ تعالیٰ ایک ہے، تنہا ہے، بے نیاز ہے، اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اس کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ نہیں، وہ بے نظیر اور لا مثال

---

[1] ذهبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیر أعلام النبلاء، دار الحدیث- القاهرة، 2006ء، ج 15 ص 181
[2] غنیۃ الطالبین، ص53

ہے،اس کا کوئی مددگار اور شریک نہیں، کوئی اسے سہارا دینے والا نہیں، کوئی اس کا وزیر نہیں کوئی اس کا حصے دار نہیں، کوئی اس کا مشیر نہیں، نہ وہ ایسا جوہر ہے کہ اسے دیکھا جائے اور محسوس کیا جائے، نہ ایسا جسم ہے کہ چھوا جائے، نہ اس کی ماہیت ہے نہ حد ہے۔ وہی اللہ ہے جس نے آسمان بلند کیے اور زمیں بچھائی۔"[1]

درج بالا عبارات و اقوال صوفیاء کرام کے روحانی پیشوا و امام عبدالقادر جیلانیؒ کے عقیدۂ توحید کی حقیقی تصویر کشی کرتے ہیں یہی وہ عقیدہ ہے جس پر اسلام کی عمارات قائم ہے اور تمام صوفیاء نے اسی عقیدے کا پرچار کیا۔ موصوف کے اسی عقیدہ توحید کی وضاحت ان کے ایک سوانح نگار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"حق تعالیٰ قادرِ مطلق، بزرگ و برتر عرش والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ اپنی قدرت و علم اور تغیر و تبدلِ احوال میں منفرد ہے اس کا نہ کوئی ہم نام ہے نہ مثل۔ اس کا علم لامتناہی ہے۔ وہ رحمٰن و رحیم ہے مالک و قدوس ہے۔ وہ عزیز و حکیم ہے واحد و اَحد ہے۔ اس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اس کا کوئی شریک ہے نہ ہی کوئی وزیر و مشیر۔ اس کا نہ کوئی معاونہ ہے نہ مددگار۔ نہ اس کا جسم ہے کہ چھو سکیں نہ وہ جوہر ہے جس کو محسوس کر سکیں نہ وہ عرض ہے جو فنا ہو جائے۔"[2]

ایک دوسرے مقام پر شیخؒ کے عقیدہ توحید کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ بس حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے۔ اسی فعل کا تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے۔ جو کچھ تیرے لیے مفید یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا"[3]

---

[1] غنیۃ الطالبین، ص155

[2] قادری، محمد ریاض، غوث والا غیاث، قرطاس پبلیشرز لاہور، س-ن، ص274

[3] غوث والا غیاث، ص277

توحید کے حوالے سے صوفیاء کرام کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے برصغیر کے مشہور و معرف صوفی بزرگ شیخ عثمان بن علی ہجویری کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

"بدن کی طہارت کے لیے جس طرح خالص پانی کی ضرورت ہے، اسی طرح دل کی طہارت کے لیے خالص توحید کی ضرورت ہے"[1]

صوفیاء کرام کے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں نظریے اوراس کی وضاحت کے حوالے سے تصوف پر ابتدائی دور میں ایک عمدہ کتاب لکھنے والے ابو بکر کلا بازی رقمطراز ہیں:

" تمام صوفیاء کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، تنہا ہے، منفرد ہے اور بے نیاز و قدیم ہے۔ وہ اپنے ناموں اور صفات کے ساتھ ازل سے ہے۔ اور وہ کسی لحاظ سے بھی مخلوق سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کی ذات دیگر ذاتوں سے مشابہت رکھتی ہے نہ اس کی صفات۔ اور کوئی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی"[2]

رسالہ قشیریہ[3] میں امام قشیریؒ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ذات کی تقسیم ہو سکتی ہے، نہ اس کی ذات کی مثال ہے، نہ صفات کی اور نہ ہی اس کے افعال اور مصنوعات میں اس کا کوئی شریک ہے۔"[4]

---

[1] کشف المحجوب، ص255

[2] کلا بازی، محمد بن ابراہیم، کتاب التعرف، تصوف فاونڈیشن لاہور، 1998، ص48

[3] تصوف کے موضوع پر عربی زبان میں لکھی گئی ایک نہایت اہم اور تمام صوفیاء و علماء کے ہاں مستند اور تسلیم شدہ کتاب ہے۔ اس کے مصنف کا نام امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ ہیں۔ یہ کتاب تقریباً پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں لکھی گئی جو تصوف کی بنیادی کتب میں شمار کی جاتی ہے۔ بعد میں آنے والے تقریباً تمام صوفیاءِ کرام نے اس کتاب کو ایک مصدر کے طور پر لیا ہے اور اپنی کتب میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب میں تصوف کی مختلف اصطلاحات کی وضاحت، صوفیاء کرام کے عقائد و نظریات، کرامات، حالات، اخلاق و کردار اور ان کے اقوال کا بڑا جاندار تذکرہ کیا گیا ہے۔

[4] قشیری، عبدالکریم بن ہوازن، ابوالقاسم، الرسالہ القشیریہ، (مترجم: محمد عبدالنصیر علوی) مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص446

موصوف اپنی اس کتاب (رسالہ قشیریہ) کا سببِ تالیف ہی یہی بتاتے ہیں کہ دین وعبادات سے دوری، اخلاقِ حسنہ کا ناپید ہو جانااور طرح طرح کی بدعات کا عام ہو جانا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اتمام امور وافعال کو سلف کا طریقہ سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے۔ مختصر طور پر مصنف معاشرے میں اور خاص طور پر تصوف کے حوالے سے جو بدعات اور خرافات معاشرے میں رائج ہو چکیں تھی اس کے خاتمے کے لیے تصوف کی اصل حقیقت کو بیان کرنا اس کتاب کا مقصد بتاتا ہے۔ اپنے اس مقصد کو بیان کرنے کے بعد کتاب کے بالکل ابتدائی صفحات میں صوفیاء کرام کے توحید کے حوالے سے اصولی نظریات وعقائد کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اس جماعت کے شیوخ نے اپنے قواعد کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں کو بنایا ہے۔ ان کی روشنی میں اپنے عقائد کو بدعات سے پاک کیا ہے اور اس توحید کو اپنایا ہے جس پر اسلاف اور اہلِ سنت تھے۔ جو کہ تمثیل و تعطیل کے عقائدِ باطلہ سے پاک تھی اور قدم کی حقیقت کو بھی وہ لوگ جانتے تھے اور موجود و معدوم سے بھی وہ لوگ واقف تھے"[1]

آخر میں ان تمام صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کے عقائد و نظریات اور تعلیمات سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے بیان کی جاتی ہے جو اس تمام گفتگو اور بحث کا نتیجہ اور خلاصہ ہے۔ موصوف لکھتے ہیں: جس طرح تمام اہلِ تصوف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طریقت کے سب سلسلوں کی اصل ایک ہے اسی طرح یہ تمام بزرگ اس امر میں بھی متفق ہیں کہ راہِ طریقت کے سالک کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے عقائد کو درست کرے، اس ضمن میں اسے صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین کے عقائد کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔ عقائد کی اصلاح کے بعد اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے جملہ ارکان کو بجالائے۔ یہ راہِ طریقت کا پہلا مقام ہے جس کا نام طاعت ہے۔ طاعت دراصل تصوف و احسان کی اصل جڑ ہے اس کے بغیر طریقت اور سلوک کبھی درست نہیں ہو سکتے۔[2]

---

[1] الرسالہ القشیریہ، ص45

[2] ہمعات، ص54-55

صوفیاء کرام کے عقائد و نظریات اور دین و شریعت کے بارے میں ان کے فہم پر سطورِ بالا میں کی گئی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تصوف و روحانیت کے تمام سلاسل اور ان کے مشائخ و صوفیاء خالص توحید کے پرستار تھے نیز یہ کہ دینِ اسلام کے بنیادی تمام عقائد کو زبان و بیان اور عمل سے مانتے تھے۔ اور اپنے انہی نظریات و عقائد کی لوگوں کو تعلیم دیتے اور تبلیغ کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ عہدِ رسالت و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دوری کے سبب جہاں دین کے دوسرے شعبوں میں تنزلی و زوال آتا گیا اسی طرح دین کی روحانی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور اصلاحِ نفس و معاشرہ کے لیے کوششیں کرنے والا یہ نظام جسے تصوف یا خانقاہی نظام کہا جاتا ہے، بھی زوال پذیر ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے مفاد پرست، دنیا پرست اور برائے نام صوفیوں نے اس نظام کے اندر بہت سی بدعات اور مفسدات کا شامل کیا۔ عام عوام کا شعوری ارتقاء نہ ہونے کے سبب وہ بھی ایسے صوفیاء کے جال میں پھنستے گئے اور یوں یہ نظام بری طرح تباہی کی طرف چلتا گیا۔ اس تمام کے باوجود ہر دور میں علماءِ امت کے ساتھ ساتھ خود کامل صوفیائے کرام نے بھی اس نظام کی اصلاح کی کوششیں کیں اور ایسے تمام باطل عقائد و نظریات کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جو جاہل پیروں اور صوفیاء کے طرف سے متعارف کروائے گئے تھے اور جن کا دینِ اسلام سے کوئی ربط و تعلق نہیں تھا۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے لے مجددّ الف ثانی تک پھر شاہ ولی اللہؒ تک تمام کامل صوفیائے کرام خالص توحید کے ماننے والے اور اسی کی طرف دعوت دینے والے تھے۔

بحث دوم

صوفیاء کرام کی غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام اور اس کے ثمرات

برِ صغیر میں صوفیاء کرام نے دعوت و تبلیغ کے لیے جس خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی اس نے لاکھوں غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا، ہزاروں گمراہوں کو صراطِ مستقیم دیکھایا اور ان گنت خداؤں کے پجاریوں کو خدائے واحد واَحد کے آگے جھکنا سیکھایا۔ صوفیائے کرام نے اپنے اپنے وقتوں میں کمال محبت و مودّت کے ساتھ کفار کو دعوتِ حق دی اور ان کے قول و عمل سے متاثر ہو کر بہت سے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس بحث میں ہم ان گنت مثالوں میں سے چند صوفیائے کرام کی زندگیوں کے عملی نمونے پیش کریں گے جن کی بدولت بہت سے غیر مسلموں کو دینِ اسلام کی روشنی نصیب ہوئی اور وہ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں داخل ہوئے۔

متقدمین صوفیائے کرام میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ (متوفی 111ھ) ایک مشہور و معروف تابعی اور روحانیات کے امام گزرے ہیں۔ تمام سلاسل تصوف کے صوفیائے کرام انھیں اپنا روحانی امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ واحد بخش سیّال اپنی کتاب "روحانیتِ اسلام" میں آپؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

> "آپؒ کا ایک آتش پرست ہمسایہ تھا جس کا نام شمعون تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ اس کی عیادت کے لیے گئے اور اسے اس حالت میں دعوتِ اسلام دی۔ اس نے کہا کہ اگر آپؒ مجھے جنت کا پروانہ لکھ دیں تو میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپؒ نے اس کی شرط قبول کرتے ہوئے پروانہ لکھ دیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔"[1]

خواجہ حسن بصریؒ بلاشبہ جلیل القدر صوفیائے کرام میں سے تھے جو شریعتِ اسلامیہ کی پابندی کو ہی درست راہ اور کامیابی کا معیار قرار دیتے تھے۔ درج بالا اقتباس میں آپؒ نے شمعون یہودی کے مطالبے پر کہ اگر آپؒ مجھے جنت کا پروانہ

---

[1] لاہوری، غلام سرور، مفتی، خزینۃ الاصفیاء، مکتبہ نبویہ، 2001ء، ج2ص14 / سیّال، واحد بخش، روحانیتِ اسلام، بزمِ اتحاد المسلمین لاہور، 1408ھ، ص301

لکھ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا، اسے جنت کی ضمانت دی۔ بنیادی طور پر جنت و جہنم کا فیصلہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی بھی انسان چاہیے وہ کتنا ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو، اپنی طرف سے کرلے۔ بلا شبہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت سے جنت عطا کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی سیدنا محمد ﷺ نے کئی مقامات پر کچھ اعمال کے کرنے پر جنت کی بشارت عطا کی ہے۔[1] جب خواجہ حسن بصریؒ نے تبلیغ و دعوتِ دین کا فریضہ ان آخری لمحات میں بھی نہ چھوڑا اور اپنے اس ہمسائے کو اس کی زندگی کے آخری لمحات میں بھی پیغامِ حق دیا تو اس نے کامیابی کی ضمانت مانگی۔ چونکہ خواجہ حسن بصریؒ شریعتِ اسلامیہ کے عالم اور اتباع کرنے والے تھے تو انھوں نے شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی اصولوں اور نبی کریم ﷺ کے متعدد ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے رسول ﷺ کی دی گئی بشارت کے تحت شمعون کو جنت کا پروانہ لکھ دیا۔ صوفیاء کرام کی پاکیزہ صحبت اور اس کے انہی کرشماتی اثرات کو مولانا رومیؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

---

[1] نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة" (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین، ح 3116) اسی طرح ایک دوسری حدیث میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من شهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله حرم الله عليه النار" (سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فیمن یموت وھو یشھد ان لاالہ الااللہ، ح 2638) اسی طرح نبی کرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا جس کے ننانوے دفتر گناہوں کے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے مالک۔ پھر ایل پرچہ نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا جو اس بندے نے دنیا میں صدقِ دل سے پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ایک کلمہ کی بدولت اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما کر جنت عطا کرے گا۔ (سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فیمن یموت وھو یشھد ان لاالہ الااللہ، ح 2639)۔ امام بخاری اپنی صحیح میں روایات کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" أتاني آت من ربي فأخبرني أو قال بشرني أنه من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة، قلت: وإن زنى وإن سرق قال: وإن زنى وإن سرق " (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب فی الجنائز و من کان آخر کلامہ لاالہ الااللہ، ح 1237)

صوفیائے کرام اور ان کے اس نظام کی کاوشوں و ثمرات کا نہ صرف اپنوں نے بلکہ غیروں نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیا اور تاریخ نے ان خدمات کو اپنے صفحات میں محفوظ رکھا۔ مشہور مستشرق پروفیسر آرنلڈ[1] اپنی کتاب (Preaching of Islam) میں صوفیاء کی تبلیغی کوششوں کے ثمرات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کہا جاتا ہے کہ پنجاب کے مغربی میدانی علاقوں کے باشندوں نے بہاالحقؒ[2] (بہاالدین زکریا ملتانیؒ متوفی 661ھ) ملتان اور بابا فرید الدین پاکپتن کی تبلیغ کے ذریعے اسلام قبول کیا تھا۔ بابا فرید الدینؒ[3] (متوفی 666ھ) کے ایک سوانح نگار کے مطابق سولہ قبائل ایسے تھے جنہوں نے ان کی تبلیغ کے ذریعے اسلام قبول کیا۔"[4]

صوفیاء کرام کی پُرخلوص تبلیغی کوششوں کی نہ صرف اپنوں نے بلکہ ان لوگوں نے بھی گواہی دی ہے جو سرے سے اسلام اور صوفیاء کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ درج بالا اقتباس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ برصغیر میں اسلام کی تبلیغ و

[1] پورا نام سر تھامس آرنلڈ (Sir Thomas Arnold) ہے۔ ایک انگریز مستشرق اور ماہر تعلیم تھا۔ 1864ء کو انگلینڈ میں پیدا ہوا۔ مختلف یورپی زبانوں کے علاوہ عربی فارسی بھی سیکھی۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور اورینٹل کالج میں پروفیسر رہے۔ علامہ اقبالؒ کے فلسفہ کے استاد تھے۔ مختلف کتب کے مصنف جن میں پریچنگ آف اسلام قابل ذکر ہے۔ 1930ء میں انتقال ہوا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (یادِ رفتگاں، سید سلیمان ندوی، مجلس نشریاتِ اسلام، 1954ء، ص 103 سے آگے اور حیاتِ شبلی، سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ، اعظم گڑھ یوپی، 2008ء، ص 137 سے آگے)

[2] آپؒ برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ 578ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے بغداد میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ آپؒ کا وصال 661ھ کو ہوا اور مزار ملتان میں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری، مکتبہ نبویہ، لاہور، 2001ء، ج4 ص38)

[3] آپؒ سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگوں میں سے ہیں۔ ولادت 589ھ کو ملتان میں ہوئی۔ آپ خواجہ بختیار کاکی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ پنجاب میں آپؒ نے سلسلہ چشتیہ کو شہرت و ترقی عطا کی۔ آپ کا وصال 666ھ کو پاکپتن میں ہوا اور وہاں آپؒ کا مزار ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری، مکتبہ نبویہ، لاہور، 2001ء، ج2 ص108 سے آگے)

[4] آرنلڈ، تھامس واکر، پریچنگ آف اسلام، (دعوتِ اسلام) (مترجم: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ) محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ص279

اشاعت کے سلسلے میں صوفیاء کرام کی طرف سے کی گئی کوششیں ایسی بآور ثابت ہوہیں کہ ان کی گواہی اپنوں اور غیروں ہر ایک نے دی ہے۔

برصغیر کے تاریخی شہر لاہور میں آنے والے اوّلین صوفیاءاور مبلغین میں شیخ اسماعیل بخاریؒ(متوفی 1056ء) کا نام نہایت اہم تصور کیا جاتا ہے۔ آپؒ کی تبلیغی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے تصوف وصوفیائے کرام سے متعلق ایک نامور محقق محمد اقبال مجدّدی لکھتے ہیں:

"مقامی روایات کے مطابق شیخ اسماعیل بخاریؒ سادات میں سے تھے اور لاہور آنے والے مبلغین و محدثین میں قدیم شخصیت تھے۔ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے، خاص طور پر تفسیر، حدیث اور فقہ کے امام تھے۔ 1005ء کے آواخر میں لاہور تشریف لائے۔ ان کی مجلسِ وعظ میں عوام بکثرت شریک ہوتے اور ہزارہا افراد نے ان کے مواعظ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔"[1]

لاہور کے تاریخی شہر میں آنے والے صوفیائے کرام میں حضرت پیر مکیؒ[2](متوفی 612ھ) کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ آپؒ اپنے ورودِ لاہور کے بعد تقریباً چھتیس (36) سال حیات رہے۔ محمد اقبال مجدّدی آپؒ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ان کے قیامِ لاہور کی مدّت چھتیس (36) سال بنتی ہے۔ ان سالوں میں پیر مکیؒ نے لاہور میں درس و تدریس اور دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور صدہا طالبانِ خدا آپؒ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور تعلیم و تربیت پا کر کامل ہوئے۔"[3]

---

[1] مجدّدی، محمد اقبال، تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند، پروگریسو بکس لاہور، 2013ء، ج1 ص18

[2] آپؒ کا اصل نام شیخ عزیزالدین مکّی لاہوری تھا، ساتویں صدی کے ایک عظیم صوفی بزرگ تھے۔ آپؒ کے اجداد کا تعلق بخارا سے تھا، آپؒ کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے شیخ جنید بغدادی سے جا ملتا ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کے لاہور آنے سے قبل آپؒ لاہور تشریف لا چکے تھے اور دعوت و تبلیغ میں مصروف تھے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (تذکرہ علماء ومشائخِ پاکستان وہند از محمد اقبال مجدّدی، پروگریسو بکس لاہور، 2013ء، ج1 ص272 سے آگے۔ اور خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری، ج2 ص256)

[3] تذکرہ علماء ومشائخِ پاکستان وہند، ج1 ص273

برصغیر میں آنے والے اوّلین صوفیاء کرام میں ایک اہم نام سید علی ہجویریؒ کا ہے۔ آپؒ نے یہاں آنے کے بعد دعوت و تبلیغ کے لیے جو کوششیں کیں ان کا اعتراف ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے درج ذیل اشعار کی صورت میں کیا ہے۔

سیّد ہجویر مخدومِ امم مرقدِ او پیر سنجری را حرام

بندہائے کہسار آسان گسیخت در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت

عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد حق ز خرف او بلند آوازہ شد

پاسبانِ عزت ام الکتاب از نگاھش خانہ باطل، خراب

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت صبحِ ما از مہر او تابندہ گشت

عاشقِ وہم قاصد طیار عشق از جبینش آشکار اسرارِ عشق[1]

پروفیسر آرنلڈ ہندوستان کے مشہور صوفی بزرگ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی دینی و تبلیغی کوششوں اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس بارے میں لکھتا ہے: ہندوستان کے ایک مشہور و معروف صوفی خواجہ معین الدین چشتی بھی ہیں۔ ہندوستان میں جو پہلا شخص آپ نے مسلمان کیا وہ راجہ کا ایک جوگی گرو تھا۔ رفتہ رفتہ ان کے مریدوں کی ایک کثیر جماعت ان کے قریب جمع ہو گئی جنہوں نے ان کی تبلیغ سے بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اب ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے آپ کی شہرت ہر طرف پھیل گئی اور آپ کا شہرہ سن کر بہت سے ہندو اجمیر آئے اور آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اجمیر جاتے ہوئے جب آپؒ نے دلّی میں قیام کیا تھا تو سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا۔[2]

---

[1] کلیاتِ اقبال (فارسی) ص 52 -51

[2] دعوتِ اسلام، ص279

سلسلہ قادریہ کے بانی سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظِ حسنہ اور ان کے اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے محمد دین کلیم لکھتے ہیں کہ آپؒ کے ایک شاگرد اور مرید شیخ عبداللہ جبائی کا بیان کہ آپؒ کے مواعظِ حسنہ سے متاثر ہو کر ایک لاکھ سے زائد لوگ جو فسق و فجور میں مبتلا تھے، آپکے دستِ حق پر تائب ہوئے۔اور ہزارہا یہودی و نصرانی اسلام سے سرفراز ہوئے۔ [1]

برصغیر پاک و ہند میں آنے والے صوفیائے کرام اور ان کی خدماتِ اسلام کے حوالے سے سب سے زیادہ مؤثر اور معروف نام بلاشبہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہے۔ڈاکٹر خورشید گیلانی سلسلہ چشتیہ کے بانی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلہ اس قدر مؤثر اور وسیع تھا کہ ہندوستان کا کوئی کونہ ایسا نہ رہا جہاں آپؒ کے خلفاء، خدام اور فیض یافتہ افراد نہ پہنچے ہوں اور اسلام کی تبلیغ کا حق ادا نہ کیا ہو۔" [2]

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ نے تبلیغِ اسلام کے حوالے سے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ سہروردی مشائخ میں سے ایک اہم نام شیخ جلال الدین سرخ بخاریؒ [3] (متوفی 652ھ) کا ہے۔آپؒ کے متعلق تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپؒ نے اپنے مرشد بہاالدینؒ کے حکم پر اُوچ کو اپنا تبلیغی مسکن بنایا۔اُوچ میں تشریف آوری کے بعد آپؒ نے اقوامِ چدھر، ڈھر سیال اور وارم میں تبلیغ و اصلاح کا کام شروع کیا جن کی بدولت یہ قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ [4]

---

[1] قادری، محمد دین، تذکرہ مشائخِ قادریہ، مکتبہ نبویہ، لاہور، 1975ء، ص107/واحد بخش سیال، روحانیتِ اسلام، ص327

[2] گیلانی، خورشید احمد، سیّد، روحِ تصوف، فرید بک سٹال، لاہور، 1981ء، ص101

[3] سید جلال الدینؒ کی ولادت 557ھ کو بخارہ میں ہوئی۔آپ کے والد کا نام سید ابوالموید علی تھا آپؒ کا نسب نامی سید علی متقی سے جا ملتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (تاریخ سہروردیہ از ڈاکٹر محمد سعید، گیلانی پرنٹرز کراچی، 2001ء، ص60-61، تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں از پروفیسر محمد ایوب قادری، سعید ایچ کمپنی کراچی، 1975ء، ص52، اور تذکرۂ حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ از مولانا نور احمد خان فریدی، قصر الادب کراچی، 1957ء، ص45)

[4] محمد سعید، ڈاکٹر، تاریخ سہروردیہ، گیلانی پرنٹرز کراچی، 2001ء، ص64

شیخ جلال الدین سرخ بخاریؒ کی تبلیغی کوششوں اوران کے ثمرات پر گفتگو کرتے ہوئے اعجاز الحق قدوسی[1] لکھتے ہیں:

"آپؒ 1244ء میں اوچ تشریف لے گئے اور وہاں محلہ بخاریاں آباد کیا، آپؒ ہی کی بدولت اُچ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی اور یہ شہر اسلام کا مرکز بنا۔ پھر آپؒ نے پنجاب میں شہر جنگ سیالاں کی بنیاد ڈالی اور بہت دن تک مغربی پنجاب میں اعلاءِ کلمۃ الحق اور تبلیغِ اسلام فرماتے رہے۔ آپؒ کی سعی سے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا۔"[2]

پروفیسر آرنلڈ نے ہندوستان میں آنے والے تقریباً تمام مشہور و معروف صوفیاء کرام کا فرداً فرداً نہ صرف تفصیلی تذکرہ کیا ہے بلکہ ان کی اشاعت و تبلیغِ اسلام اور معاشرتی اصلاح کے حوالے سے خدمات کا بھی کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ صوفیاء کرام کی انہی دعوتی و تبلیغی اور اصلاحی کاوشوں، کوششوں اور خدمات کا تذکرہ کرتے پروفیسر آرنلڈ نے شیخ جلال الدینؒ کی خدمات کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سید جلال الدین کی آمد بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جو 1199ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 1244ء میں اُچ کے مقام پر سکونت اختیار کی جو آج کل بہاول پور کے علاقے میں ہے۔ آپ نے قرب وجوار میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔"[3]

صوفیاء کرام کا اندازِ دعوت و تبلیغ زبانی و کلامی سے زیادہ عملی ہوتا تھا۔ یہ بندگانِ خدا تعلیمات و اخلاقیاتِ اسلام کا عملی نمونہ تھے جن کے اعلیٰ کردار و اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔ تاریخِ اسلام میں اور خاص طور پر برصغیر کے حوالے سے دیکھا جائے تو ایسے بہت سے واقعات تذکرہ نگاروں اور مؤرخین نے قلم بند کیے ہیں

---

[1] آپ کی پیدائش 1905ء میں ہندوستان کے شہر جالندھر (پنجاب انڈیا) کے ایک صوفی گھرانے میں ہوئی۔ والد کا نام پروفیسر ظہور الحق تھے جو اپنے زمانے میں اپچی سن کالج میں انگریزی کے پروفیسر تھے۔ موصوف سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے۔ بہت سی کتب کے مصنف تھے جن میں چند اہم یہ ہیں: تذکرہ صوفیاء سندھ، تذکرہ صوفیاء سرحد، تاریخِ سندھ، تاریخ مغربی پاکستان اور اقبال اور علماء، پاک و ہند ہیں۔

[2] قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ اولیائے سندھ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1959ء، ص 77

[3] دعوتِ اسلام، 280/ خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری، مجلسِ نشریات اسلام، لکھنؤ، 1873، ج 2 ص 36۔

جن میں صوفیائے کرام کے اخلاق و کردار کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔ابوالحسن علی ندوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ[1] کے اعلیٰ اخلاق و کردار اور غیر مسلموں پر اس کے اثرات کا ایک واقعہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں: انگریز حکومت کے ابتداء کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفر نگر کے قصبہ کاندھلہ میں ایک جگہ پر ہندو مسلم کا تنازعہ ہوا کہ یہ جگہ ہندوؤں کا معبد ہے یا مسلمانوں کی مسجد۔ انگریز مجسٹریٹ نے دونوں فریقوں کے بیانات سننے کے بعد تنہائی میں مسلمانوں سے پوچھا کہ ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ اعتماد کریں اور اس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے۔ مسلمانوں نے کہا ہمارے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں۔ یہی بات مجسٹریٹ نے ہندوؤں سے اکیلے میں پوچھی۔ انھوں نے کہا ایک مسلمان بزرگ ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے شاید وہ اس موقع پر بھی سچی بات کہیں۔ یہ بزرگ الٰہی بخش کاندھلویؒ (خلیفہ سید احمد شہیدؒ) کے خاندان کے ہیں۔ وہ جب مجسٹریٹ کے سامنے آئے معاملہ سنا تو کہا صحیح بات یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فیصلہ ہندوؤں کے حق میں ہو گیا۔اس واقعے کو دیکھ کر بہت سے ہندو اس روز ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔[2]

ایسے درجنوں واقعات کتبِ تاریخ کا حصّہ ہیں جن میں غیر مسلموں کے قبولِ اسلام کے واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ بنیادی طور پر دیکھا جائے تو ایسے واقعات کے دیکھنے سننے والوں کی تعداد کا کثیر ہونا ایک عقلی بات ہے۔اس حوالے سے جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ایسے واقعات کے اس دور کے لکھاریوں اور تاریخ دانوں نے ردّ نہیں کیا بلکہ انہیں تسلسل کے ساتھ نقل کیا ہے جس سے ایسے واقعات کی صداقت پر مزید یقین بڑھ جاتا ہے۔ سندھ کے ایک معروف صوفی بزرگ لال شہاز قلندرؒ[3] کی تبلیغی کوششوں کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں:

---

[1] آپؒ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگرد اور سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے۔ولادت 1162ھ میں ہوئی آپ عربی، اردو اور فارسی پر عبور رکھتے تھے مختلف کتب کے مصنف تھے۔وفات 1245ھ میں ہوئی۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (کاروانِ ایمان و عزیمت از سید ابوالحسن علی ندوی، سید احمد شہید اکیڈمی لاہور، 1980ء ص 83-84)

[2] ندوی، ابوالحسن علی، سید، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، ص 296

[3] آپؒ کا نام سید عثمان مروند (متوفی 650ھ) ہے۔آپ کی ولادت 538ھ کو مروند میں ہوئی، آپ کا نسب نامی سیدنا امام حسین سے جاملتا ہے۔آپؒ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے سہوان کا علاقہ منتخب کیا۔

"پیر لاکھا کے والد ہندو تھے، پیر لاکھا نے لال شہباز قلندرؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔"[1]

سید جلال الدین تبریزیؒ کی اشاعت وخدمتِ اسلام کے حوالے سے پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"بہت سے مسلمان حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خاص طور پر وہ ہندو اور بدھ جو نہایت پستی کی زندگی گزار رہے تھے، حضرت تبریزیؒ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔"[2]

برصغیر میں صوفیائے کرام کی اشاعتِ اسلام کے ضمن میں ڈاکٹر محمد شفیع مشہور صوفی بزرگ فرید الدین عطارؒ کی گئی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ فرید الدین اور آپؒ کے مریدوں کی سعی مشکور سے تمام پنجاب نورِ اسلام سے منوّر ہو گیا۔ سیال جو پنجاب کے مغربی میدانی علاقے کی نہایت اہم اقوام سے ہیں اور غالباً پنوار راجپوت ہیں، ان کا مورثِ اعلیٰ پاک پتن میں حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا، اور اس کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا۔"[3]

اس بحث میں صوفیائے کرام کی غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام پیش کرنے اور ان کے اثرات کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ مختلف تاریخ دانوں، تذکرہ نگاروں اور دیگر مصنفین کی آراء واقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں صوفیائے کرام نے تبلیغِ اسلام کے حوالے سے اپنے مخصوص انداز واسلوب کے ذریعے حقیقتاً بڑا مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ صوفیائے کرام کی ان تبلیغی کاوشوں کا تذکرہ کرنے والوں میں تقریباً ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں۔ ان میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو بنیادی طور پر صوفیائے کرام کے معتقد نہیں بلکہ غیر جانبدارانہ انداز میں تاریخ نویسی میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے صوفیائے کرام کے مریدین اور متعلقین بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مستشرقین نے بھی ایسے درجنوں واقعات کو نقل کیا ہے جو مسلم تاریخ دانوں نے لکھے ہیں۔ اس تمام تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی

---

[1] کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، تذکرہ صوفیاء بلوچستان، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1986ء، ص224

[2] قادری، محمد ایوب، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ادارہ تحقیق وتصنیف کراچی، ص67

[3] محمد شفیع، ڈاکٹر، مقالاتِ دینی وعلمی، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ص95

ہے کہ صوفیائے کرام کی تبلیغی کاوشوں کے حوالے سے جو واقعات اور عددی تفصیلات تاریخ کا حصّہ ہیں ان میں سے اکثر واقعات صداقت کے میزان میں پورا اترتے ہیں۔ یوں یہ بات بالکل واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ و اشاعت اسلام، اصلاحِ نفس و معاشرہ اور خدماتِ خلق کے حوالے سے مختلف ادوار کے صوفیائے کرام نے بڑی بے لوث، پر خلوص، جاندار، مؤثر اور بار آور کاوشیں کیں جن کے اثرات صرف برصغیر پاک و ہند تک ہی محدود نہ تھے بلکہ جنوبی ایشاء کے دیگر خطے بھی ان کے اثرات سے محروم نہیں رہے۔ نیز یہ کہ انہی صوفیائے کرام کی کوششوں کی بدولت بہت سے قبائل اور ان گنت افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے افراد گناہوں سے تائب ہوئے۔

بحث سوم

امراءوسلاطین کے باطل عقائد و نظریات کی اصلاح کی کوششیں اوران کے ثمرات

صوفیائے کرام نے ہر دور اور ہر زمانے میں بادشاہوں، وزیروں اور امراء حکومت کی اصلاح کی کوششیں کیں۔ان بندگانِ خداکو جہاں بھی کوئی خرابی اور بدعت نظر آتی بلاخوف وخطراس کی اصلاح کے لیے کمربستہ ہو جاتے۔ان بزرگوں کے ذہنوں میں نبی مکرم ﷺ کا وہ فرمان ہمہ وقت حاضر و موجود رہتا تھاجو حضرت ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے ظالم حکمران کے سامنے کلمہِ حق کہنے کو بہترین اورافضل جہاد قرار دیا تھا۔[1] شیخ فرید الدین عطارؒ خلیفہ ہارون الرشید (عہدِ حکومت 786 تا 809ء) کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جب وہ حضرت فضیل بن عیاضؒ (متوفی 187ھ) کے پاس حاضر ہوااور کہاکہ مجھے کچھ نصیحت کیجیے توآپؒ نےاسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

> "تیرا باپ محمد ﷺ کا چچا تھا۔اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنادیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا:یا عم بک نفسک۔(اے چچاتجھے تیرے نفس کاامیر کیا۔)فرمایایہ ملک تیراگھر ہےاور رعایا تیری اولاد،ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں پر مہربانی، بچے بچیوں سے نیک سلوک کر،اگر کوئی مفلس بڑھیارات کو بھوکی سوجائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیرے دامن گیر ہو گی اور تیرے ساتھ جھگڑاکرے گی۔"[2]

خلیق احمد نظامی جو تاریخِ ہند اور صوفیائے کرام کے حوالے سے دورِ جدید کے ایک مستند محقق تسلیم کیے جاتے ہیں، سلاطین دہلی کے مذہبی افکار وعقائد پر صوفیائے کرام و مشائخِ عظام کے اثرات کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] سنن نسائی، كتاب البيعة، باب فضل من تكلم بالحق عند امام الجائر، ح 4214، سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الامر بالمعروف و نهى عن المنكر، ح 4011، سنن ترمذی، كتاب الفتن ، باب ما جاء افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، ح 2174

[2] تاریخِ مشائخِ چشت، ص75/واحد بخش سیال، روحانیتِ اسلام، بزمِ اتحادالمسلمین، 1408ھ، ص311/ خزینۃ الاصفیاء، ج2ص23

"سلاطین کے مذہبی افکار پر مشائخ عظام کے اثرات بھی فراموش نہیں کیے جا سکتے ان بزرگوں نے اپنی خاموش زندگی اور بے لوث خدمتِ خلق سے عوام و خواص سب ہی کو متاثر کیا ہے تھا۔"[1]

مسلمان علماء، مشائخ اور صوفیاء نے ہمیشہ اہلِ اقتدار اور حکمران طبقے کی ممکن حد تک اصلاح کی کوششیں کیں جن کی روشن مثالیں اسلامی تاریخ میں جا بجا ملتی ہیں۔ برصغیر میں سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات اور ان کی اصلاح میں یہاں کے صوفیاء و مشائخ کا بڑا عمل دخل تھا۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"مسلم سوسائٹی کے بعض اہم عناصر اپنے اپنے مخصوص انداز میں بادشاہوں کو ہدایات کرتے رہتے تھے۔ کوئی رمز و کنایہ میں بات کہتا، کوئی کہانیوں کے ذریعے اور کوئی شاعرانہ انداز میں۔ امیر خسروؒ ہمیشہ دربار سے متعلق رہے لیکن بادشاہوں کو نصیحتیں کرنے اور ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنے میں انھوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔"[2]

ہندوستان میں مسلمان صدیوں سے دیگر اقوام (ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ) کے ساتھ رہتے آرئے تھے اس کے باوجود مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی کبھی بھی ان اقوام کی دینی و سماجی اقدار و روایات سے متاثر ہو کر اپنی تہذیبی و دینی روایات و اقدار اور بنیادی عقائد سے روگردانی نہیں کی۔ عوام الناس کے مثل یہاں کے اکثر مسلمان امراء و سلاطین کی زندگیاں بھی انہی اصولوں اور نظریات کی حامی رہیں۔ تاہم یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ کچھ مسلم حکمرانوں نے غیر مسلموں، خاص طور پر ہندوؤں کے ساتھ بے جا رواداری اور محبت و مودّت کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ ان کو شاہی درباروں میں بڑے بڑے عہدوں پر بیٹھا دیا۔ ان مسلم حکمرانوں کی بے جا رواداری اور غیر مسلوں کی شاہی معاملات میں دخل اندازی کی وجہ سے یہ امراء اور سلاطین اپنی دینی و سماجی تہذیب سے دور ہونے لگے اور ان پر دوسری اقوام، خاص طور پر ہندوؤں کی دینی تہذیب کے اثرات نظر آنے لگے۔ جس کی روشن مثال مغلیہ خاندان کے عظیم سلطان و حکمران جلال الدین محمد اکبر اور اس کا جانشین جہانگیر ہے۔

---

[1] نظامی، خلیق احمد، سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، الجمعیہ پریس دہلی، 1958ء، ص 23

[2] سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، ص 27

صدیوں کے باہمی میل جول اور بعض دوسرے سماجی عوامل کے سبب ان امراء وسلاطین میں بہت سے غیر اسلامی عقائد، رسومات اور تصورات شامل ہو گئے تھے۔ برصغیر آمد کے بعد مسلمان صوفیاء نے امراء وسلاطین کے ان عقائد کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی بڑی اہم کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا نام سب سے اہم شمار کیا جاتا ہے۔مغلیہ بادشاہ جلال الدین اکبر کے دورِ حکومت میں اسلامی عقائد و شعار کو مسخ کیا گیا۔ اکبر نے اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو جمع کیا جو اسلامی عقائد و عبادات کا مذاق اڑاتے اور اسلامی شخصیات کو ہدف تنقید بناتے۔اکبر نے بھی تخلیقِ کائنات ملائکہ ،بعث بعد الموت، وحی اور رسالت وغیرہ کے اسلامی تصور کا انکار کر دیا۔ان حالات میں حضرت مجدّد،اکبر اور اس کے حواریوں کی راہ میں دیوار بن گئے اور اسلامی عقائد کی اصلاح اور ترویج کے لیے کوششیں کیں۔ بادشاہوں اور سلاطین کی اصلاح کے حوالے سے شیخ احمد سرہندی المعروف مجدّد الف ثانیؒ کی کوششیں ایک امتیازی شان کے ساتھ تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں۔ سطورِ ذیل میں موصوف کی کاوشوں کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی کی امراء وسلاطین کی دینی اصلاح کی کوششیں

حضرت مجدّد الف ثانی کا دور کئی حوالوں سے انتہائی زبوں حالی کا شکار تھا۔ جہاں ایک طرف اکبر کے الحادی نظریات نے دین کی اصل روح کو مسخ کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف اس کی ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں سے بے جا اور حد سے بڑھتی ہوئی رواداری نے خود مسلمانوں کو مذہبی آزادی سے محرومی کے خدشے سے دوچار کر دیا۔اس کے ساتھ ساتھ روحانیت کے نام پر جاہل اور خام صوفیاء نے خانقاہی نظام میں بے شمار بدعات و خرافات داخل کر کے دین کے اس پاکیزہ اور مبنی بر اخلاص شعبے کو بھی آلودہ کر دیا تھا۔ عام عوام بھی ان تمام حالات کے زیرِ اثر دین سے دور ہو چکی تھی مختلف قسم کی بدعات و خرافات اور باطل نظریات و عقائد کو ہی دین و شریعت کے نام پر اپنائے ہوئے تھی۔ غرض کہ مجدّد کے زمانے میں دین و مذہب، تصوف و روحانیت، اخلاق و اعمال اور سیاست و معاشرت ہر ایک شعبہ اور نظام مکمل طور پر انحطاط اور زوال کا شکار کا شکار تھا۔ ان تمام برائیوں اور مفسدات کی سرکوبی کے لیے مجدّد الف ثانی نے انتہائی مؤثر کاوشیں کیں۔ موصوف کے مشن اور مقصد کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد عبد الحق انصاری رقمطراز ہیں:

"شیخ مجددؒ کے کام کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد الحاد اور غلط طریقوں پر تنقید کرنا، وحی، نبوت، اور شریعتِ محمدی ﷺ میں از سرِ نو یقینِ راسخ پیدا کرنا، نافرمانیوں اور بدعات و خرافات کو مٹانا، اچھائیوں، نیکیوں اور اتباعِ سنت کا احیا کرنا اور اسلام مخالف عناصر اور قوتوں کے خلاف جہاد اور اسلامی اداروں کا قیام تھا۔"[1]

ان تمام حالات میں حضرت مجددؒ نے اپنی تمام ذہنی و فکری، علمی و عملی اور تصنیفی و قلمی صلاحیتوں اور طاقتوں کو دین اور سماج کے ہر طبقے: عوام، علماء، خطباء، صوفیاء، اہلِ حکومت و سیاست وغیرہ کے غلط نظریات و خیالات کی اصلاح کے لیے وقف کر دیا۔ اس سلسلے میں آپؒ نے بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے، علماء و صوفیاء اور سیاستدانوں کو مکتوب و خطوط لکھے اور ان پر یہ واضح کیا کہ قرآن و سنت اور عقل کی روشنی میں کون سا نظریہ، عقیدہ اور عمل شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہے اور کون سا نظریہ، طریقہ اور عمل غیر شرعی، بدعت اور باطل ہے۔

اکبر کے دورِ حکومت میں الحاد، بدعات و خرافات اور سیاسی حوالے سے غلط پالیسیوں کے پیچھے جس طبقے کا ہاتھ تھا وہ درباری علماء تھے۔ ان علماء کے نہ صرف حکمرانوں کے ساتھ قریبی تعلقات اور حکومتی معاملات میں عمل دخل تھا بلکہ عام عوام بھی بڑی حد تک ان کے زیرِ اثر تھی۔ ان درباری علماء میں ابوالفضل، ملا مبارک ناگوری[2]، میر فتح اللہ شیرازی[3]،

---

[1] انصاری، محمد عبدالحق، تصوف و شریعت، (مترجم: محمد مشتاق تجاروی) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی، 2008ء، ج1 ص39

[2] ملا مبارک اکبری دور کے مشہور درباری عالم ابوالفضل فیضی کے والد تھے۔ 911ھ میں ناگور میں پیدا ہوئے اور 1001ھ میں آگرہ میں وفات پائی۔ یہ اپنے زمانے کے بہت بڑے شیعہ عالم تھے انھوں نے ہی اکبر کو الحاد کی راہ پر ڈالا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: عزیز احمد کی کتاب (Islamic culture in the Indian environment, Oxford university press, 1964, P 175) اور منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر بدایونی، (مترجم: ڈاکٹر علیم اشرف خاں) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2008ء، ص149 سے آگے۔

[3] یہ بھی اکبر کے درباری علماء میں شامل تھا جو الہیات، ریاضیات، طبیعیات اور تمام عقلی و نقلی علوم میں اپنے وقت کا ماہر عالم تھا۔ فتح اللہ شیرازی کو اس کمیٹی کا سربرا بنایا گیا جو شریعت کی معقولیت جانچنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: منتخب التواریخ، ص265 سے آگے۔/ سرمایہ عمر، پروفیسر محمد اسلم،، ندوۃ المصنفین لاہور، 1976، ص9 سے 30

شریف عاملی[1] کے نام سر فہرست ہیں۔ان کے علاوہ اور بھی علماء تھے جنہوں نے یونانی فلسفہ کے ساتھ ساتھ ہندو پنڈتوں سے ہندی فلسفہ بھی پڑھا تھا۔ علماء کا یہ طبقہ وحی و نبوت کی معقولیت پر اعتراضات کرنے کے ساتھ ساتھ شریعتِ اسلامیہ کی ضرورت کا انکاری تھا۔ علماء کے اس طبقہ کی اصلاح اور الحاد و بدعات کی اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت مجدّد نے ایک معرکتہ الآراء کتاب 'اثبات النبوۃ' کے نام سے لکھی۔ جس میں انھوں نے بڑے مدلّل انداز میں نبوت کی ضرورت و اہمیت، الہام و کشف، دعویٰ نبوت پر یقین رکھنے کی وجوہات کو بیان کیا ہے۔اثبات النبوۃ اگرچہ ایک مختصر کتاب ہے لیکن اپنے مضمون میں نہایت جامع اور اہم کتاب ہے جس نے کفر و الحاد اور اکبر کے دینِ الٰہی کے راستے میں بندھ باندھنے کے ساتھ ساتھ درباری علماء کی اصلاح کی بھی کوشش کی ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق (1351 – 1388ء) کے ساتھ بھی اس وقت کے صوفیائے کرام کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ بادشاہ تمام سلاسل کے صوفیائے کرام سے بڑی گہری عقیدت رکھتا تھا۔تذکرہ علماء و مشائخِ پاکستان و ہند کا مصنف سلاطین کے صوفیاء سے تعلقات کے حوالے سے لکھتا ہے:

"جب 1353ء میں سلطان فیروز شاہ تغلق، بنگال کے سفر کے دوران بہرائچ[2] پہنچا تو شیخ امیر ماہ سیّد افضل الدین (متوفی 772ھ)[3] کی خدمات میں بھی حاضر ہوا۔خوب گرم بحث میں سلطان کے بعض

---

[1] یہ باطل نظریات کا حامل ایک انتہائی چالاک اور شاطر انسان تھا۔ایک ملک سے دوسرے ملک گھومتا رہتا اور ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لیتا۔اکبر کے دربار کے چند خاص علماء میں شامل تھا۔اس کو اکبر نے بنگال میں اپنے نئے مذہب کے داعی کے طور پر منتخب کیا۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: منتخب التواریخ،، ص192 - 197

[2] ہندوستان کے صوبے اتر پردیش کا ایک شہر ہے۔

[3] آپ آٹھویں صدی ہجری کے ایک عالم، مصنف اور صوفی تھے۔آپؒ کے اجداد بغداد کے رہنے والے تھے۔ ہلاکو خان کے حملے کے وقت آپ کے والد سید نظام الدین بغداد سے براستہ غزنی ہندوستان آئے اور لاہور میں قیام کے بعد دہلی چلے گئے بعد میں اتر بردیش کے قصبے بہرائچ کو مسکن بنایا اور وہاں ہی شیخ امیر ماہ کی ولادت ہوئی۔ شیخ امیر ماہؒ سلسلہ سہروردیہ میں بیعت ہوئے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (تذکرہ علماء و مشائخِ پاکستان و ہند از محمد اقبال مجدّدی، ج1 ص640 سے آگے۔

شکوک وشبہات رفع ہوئے۔اس ملاقات کے بعد سلطان کا دنیا سے دل سرد پڑ گیا۔اوراس پر مذہبیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔[1]

مغلیہ حکمرانوں میں اورنگزیب عالمگیر ایک نہایت ہی مشہور و معروف اور دینی ذوق رکھنے والا حکمران تھا۔تاریخی طور پر ایسے بہت سے شواہد ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کی تخت نشینی میں علماء وصوفیاء کا بڑا اہم کردار تھا۔[2] پروفیسر محمد اسلم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"بادشاہ کے نام حضرت سیف الدینؒ (متوفی 1098ھ) کے دو درجن مکتوبات موجود ہیں جن میں بادشاہ کی توجہ رفع بدعت اور احیائے سنت کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔موصوف کی انھی خدمات کی بنا پر نقشبندی حلقوں میں آپؒ کو محی السنت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔میری ناقص رائے میں یہ خاندانِ مجدد ہی تھا جس نے اورنگزیب کو محی الدین بنایا"[3]

جس طرح اکبر اور جہانگیر کے دور میں حضرت مجددّ الف ثانیؒ اور آپؒ کے خلفاء نے اشاعتِ دین اور ردِّ بدعات کے لیے کوششیں کیں اسی طرح ہر دور میں مختلف صوفیائے اور اولیائے عظام نے اپنے اپنے دائرے میں سلاطینِ وقت، امراء اور وزراء کی اصلاح کے لیے کوششیں جاری رکھیں۔ اورنگزیب کے دینی ذوق اور اس کی تخت نشینی میں جن صوفیاء کا کردار تھا ان میں سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ شیخ برہان الدین برھانپوریؒ (متوفی 1083ھ)[4] کا ذکر بھی ملتا ہے۔

---

[1] تذکرہ علماء ومشائخِ پاکستان وہند، ج1 ص641

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم، (مقالہ: اورنگزیب کی تخت نشینی میں علماء ومشائخ کا کردار) بک ٹاک لاہور، 1991ء، ص283 سے آگے۔

[3] محمد اسلم، پروفیسر، تاریخی مقالات، بک ٹاک لاہور، 1991ء، ص289

[4] آپؒ کی ولادت 998ھ کو ہوئی، آپؒ گیارویں صدی ہجری کے ایک نامور عالم اور صوفی تھے۔والد کا نام شیخ کبیر محمد بن علی صدیقی تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔تفصیل کے لیے دیکھیے: (تذکرہ علماء ومشائخِ پاکستان وہند از محمد اقبال مجددی ج1 ص606 سے آگے۔

پروفیسر محمد اقبال مجدّدی، شیخؒ کے اورنگزیب کے ساتھ تعلقات و روابط کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اورنگزیب نے زمانہ شہزادگی میں کئی مرتبہ شیخ برہان الدینؒ سے ملاقات کی۔ ایک مرتبہ ان سے ملاقات کر کے دار الشکوہ کے ملحدانہ عقائد و نظریات کی تفصیلات بیان کیں اور تخت نشینی کے لیے آپؒ سے دعا کی درخواست کی۔ شیخ برہان الدینؒ نے بہت سی نصیحتوں کے ساتھ بادشاہت کی بشارت دی اور دعا فرمائی۔[1]

صوفیائے کرام نے ہمیشہ سلاطین وقت و حکمرانوں سے تعلقات صرف اسی لیے رکھے تاکہ موقع بموقع ان کی اصلاح و راہنمائی کی جاسکے۔ ان صوفیاء و مشائخ نے جہاں بھی جیسے بھی ممکن ہوا نہ صرف عوام الناس کی راہنمائی کی کوششیں کیں بلکہ امراء، وزراء اور سلاطینِ وقت کی بھی اصلاح کی۔ مندرجہ بالا اقتباس اس بات کا شاہد ہے کہ جب بھی حکمران، وزراء یا شہزادے ان بندگانِ خدا سے ملتے تو موقع کی مناسبت سے یہ صوفیاء ان کو مناسب پند و نصائح بھی کرتے تھے۔ یہ انہی صوفیاء کی کوششوں کا ثمر تھا کہ اکبر و جہانگیر کی دین بے زاری کے باوجود بعد کے مغلیہ بعد حکمرانوں کو دوبارہ دینی ذوق نصیب ہوا اور پھر اورنگزیب کے ہاتھوں بہت سی بدعات کا خاتمہ ممکن ہوا جس سے شریعتِ محمدی کا ایک بار پھر سے دور دورا ہوا۔ پروفیسر محمد اسلم، صوفیائے کرام اور مشائخِ عظام کے حکمرانوں کی اصلاح کے لیے استوار کیے گئے تعلقات اور ان کے اثرات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اورنگزیب اپنے عنفوانِ شاب میں ہی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے متاثر ہو چکا تھا اور اس نے آپؒ کے جانشین خواجہ محمد معصومؒ (متوفی 1080ھ)[2] کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ زمانہ

---

[1] تذکرہ علماء و مشائخِ پاکستان و ہند۔ ج1 ص606

[2] خواجہ محمد معصوم حضرت مجدّد الف ثانی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ آپؒ کی ولادت 1009ھ میں ہوئی۔ حضرت مجدّد نے آپ کی بطور خاص تربیت فرمائی۔ بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے ساتھ آپ کے قریبی تعلقات اور خط و کتابت تھی۔ بادشاہ اورنگزیب کی تخت نشینی میں آپؒ اور آپ کے مریدین کی حمایت قابل ذکر ہے۔ صحیح روایات کے مطابق آپؒ کی وفات 1080ھ میں ہوئی آپؒ کا مزار سرہند میں واقع ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: (خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری، ج3 ص198 سے آگے)

شہزادگی میں اس کی خط وکتابت اکثر خواجہ صاحبؒ سے رہتی تھی۔ خواجہ صاحب کے مکتوبات میں ایسے مکاتیب موجود ہیں جو شہزادہ دین پناہ کے نام سے لکھے گئے تھے۔"[1]

حضرت خواجہ معصومؒ، شہزادہ دین پناہ کے نام ایک خط میں اسے جہاد شروع کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں ایک گھڑی کا جہاد حرمِ مکہ میں حجرِ اسود کے پاس لیلۃالقدر کے قیام سے افضل ہے۔[2]

سلسلہ سہروردیہ کے اکثر مشائخ وصوفیاء کرام کے امراء وسلاطین سے گہرے روابط تھے۔ اکثر امراء وسلاطینِ وقت ان بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ صوفیاء سہروردیہ نے ہمیشہ ان تعلقات اور روابط کو عوام کی فلاح اور سلاطین کی اصلاح کے لیے استعمال کیا۔ جہاں بھی ان پاکباز ہستیوں کو خرابی یا بگاڑ نظر آتا اس کی اصلاح کی بھرپور کوشش کرتے۔ ملتان کے ایک معروف صوفی بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے متعلق تذکرہ نگاروں ایک تفصیلی واقعہ ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے حاکمِ ملتان ناصرالدین قباچہ کی سخت مزاجی، عوام پر کیے جانے والے مظالم اور قباچہ کی فتنہ انگیزی و مخالفت کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے سلطان التمش کو خط لکھا۔ اسی طرح ایک اور عالمِ باعمل اور ملتان کے قاضی شرف الدین اصفہانی نے بھی اسے مضمون کا خط سلطان التمش کو لکھا۔ اتفاق سے یہ دونوں خطوط قباچہ کے ملازموں کے ساتھ لگ گئے۔ قباچہ نے قاضی شرف الدین اصفہانی اور بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور پہلے قاضی شرف الدین اصفہانی سے اس کے خط کے بارے میں پوچھا تو وہ خاموش رہے جس پر قباچہ غصے میں آیا اور ان کا سر قلم کروادیا پھر بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے خط کے بارے میں دریافت کیا تو آپؒ نے بڑی بے باکی سے نہ صرف اس خط کے لکھنے کا اعتراف کیا بلکہ دربار میں حاکم ناصرالدین قباچہ کو اس کی بداعمالیوں اور مظالم سے بھی آگاہ کیا۔ حمید اللہ ہاشمی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"آپؒ (بہاءالدین زکریا ملتانیؒ) نے وہ خط پڑھا اور فرمایا: بے شک یہ خط میرا ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو لکھا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے میں نے یہ خط بالکل صحیح لکھا ہے۔ اور تو جو کچھ کرنا

---

[1] تاریخی مقالات، ص293

[2] محمد معصوم، خواجہ، مکتوبات، (فارسی) مترجم: نسیم احمد فریدی، مکتبہ سراجیہ، ڈیرہ اسماعیل خان، مکتوب 64ص115

چاہتا ہے کر گزر، تو آخر ک ہی کیا سکتا ہے تیرے ہاتھ میں ہے ہی کیا۔ یہ سن کر قباچہ سوچ میں پڑھ گیا"[1]

الغرض قباچہ کے دربار سے شیخ صحیح سلامت نکل آئے۔اس واقعے سے آپؒ کی روحانیت کا اہلِ دربار پر یہ اثر ہوا کہ ان میں سے اکثر شیخؒ کے معتقد و مرید ہو گئے۔ ملّا عبدالقادر بدایونی مغل سلاطین کے صوفیاء و مشائخ سے تعلقات کے حوالے سے ایک وزیر مہر علی بیگ کے ساتھ کیے گئے اپنے ایک سفر کے بارے میں لکھتا ہے: غرض کہ بڑی مشکل سے کشتی ساحل سے جا لگی اور ہم کوہِ چنار کے جنگل میں شیخ غوث گوالیاریؒ کے ٹھکانے پر پہنچے۔ یہ ہندوستان کے ممتاز و معروف بزرگ اور صاحب دعوت صوفی تھے اور اس جنگل میں کم و بیش بارہ سال سے مقیم تھے۔دعوتِ دین کی وجہ سے ان کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ عالی مرتبہ بادشاہ وامراء بھی عقیدت وخلوص کے ساتھ ان کے آستانے پر سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔[2]

برصغیر کے ایک اور مشہور و معروف صوفی بزرگ حضرت بو علی قلندرؒ (متوفی 1324ء)[3] تھے جنہوں نے اصلاحِ عوام وخواص کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دین۔ سید خورشید احمد آپؒ کی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں: آپؒ نے اپنے مواعظِ حسنہ سے خواص و عوام دونوں کو متاثر کیا اور اس حکمت و محنت سے تبلیغِ اسلام کا کام کیا کہ دِنوں میں معاشرے کا رنگ بدل گیا۔اوامر کی پیروی اور نواہی سے اجتناب کا دور دورہ ہونے لگا۔ایک طرف غیر مسلم حلقہ اسلام میںٔ داخل ہونے لگے اور دوسری طرف مسلمانوں میں جو معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پیدا ہو گئیں تھیں ان کا استیصال شروع ہو گیا۔[4]

---

[1] ہاشمی، حمید اللہ، احوال وآثار حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، تصوف فاونڈیشن لاہور، 2000ء، ص 101

[2] منتخب التواریخ، جلد 2، ص 25

[3] آپؒ عراقِ عجم کے رہنے والے تھے۔ ولادت 605ھ بمطابق 1209ء کو ہوئی اور تیرھویں صدی کے آخر میں پانی پت میں تشریف لائے اور یہاں ہی سکونت اختیار کی۔ 1324ء میں انتقال ہوا آپؒ کا مزار پانی پت میں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (خزینۃ الاصفیاء از غلام سرور لاہوری، ج 2 ص 172 سے آگے)

[4] روحِ تصوف، ص 103

خلاصہِ بحث

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بر صغیر پاک وہند میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے صوفیائے کرام کا کردار ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ صوفیائے کرام نے اشاعتِ دین، اصلاحِ معاشرے اور خدمتِ خلق کے ضمن میں جہاں ایک طرف غیر مسلموں کو اپنے کردار واخلاق سے متاثر کیا وہاں دوسری طرف مسلم عوام بھی ان صوفیائے کرام کی تعلیم سے متاثر ہو کر راہِ مستقیم کی مسافر بنی۔ صوفیائے کرام کی ان جملہ تبلیغی واصلاحی کوششوں کا مرکز ایک طرف عام عوام ہوتے تھے تو دوسری طرف سلاطینِ وقت، امراء، رؤساء اور وزارء۔ درج بالا بحث میں ذکر کردہ تاریخی واقعات اور تذکرہ نگاروں کے اقتباسات اس بات کو مزید روشن اور واضح کرتے ہیں کہ بر صغیر پاک وہند میں صوفیائے کرام نے بہت سے بادشاہوں، سلاطینِ وقت، امراء اور وزارء کی اصلاح کی کوششیں کیں اور بڑی حد تک یہ کوششیں کامیاب ہوئیں۔ اس سلسلے میں دیگر صوفیائے کرام کے علاوہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا کردار نہایت نمایاں ہے۔ آپؒ کی مبنی بر حکمت، جارحانہ اور بروقت تبلیغی واصلاحی کاوشوں کے نتیجے میں اکبر وجہانگیر کے دور کی بدعات کا خاتمہ ہوا اور پھر بعد کے مغلیہ حکمرانوں کے ادوار میں پچھلے حکمرانوں کی طرف سے رائج کی گئی بدعات اور خلافِ شریعت باتوں کا خاتمہ ہوا۔ اور دینِ اسلام کی اشاعت وترویج میں اضافہ ہوا۔

بحث چہارم

عوام الناس کے عقائد واعمال کی اصلاح کی کاوشیں اور ان کے اثرات

دنیا میں جیسے ہی مسلم حکومتوں کا زوال شروع ہوا، ساتھ ہی اسلامی شعائر، اسلامی اخلاقیات اور دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں بھی زوال پذیر ہونا شروع ہو گئیں۔ دینی و دنیوی ہر شعبے میں اس زوال کے آثار واضح دکھائی دینے لگے۔ ہر طرف کفر و شرک، ظلم و بربریت اور ناانصافی کا دور دورا تھا۔ایسے کشیدہ حالات میں بھی مردانِ حق نے ہمیشہ اپنے اپنے وقتوں میں کبھی اعلانیہ اور کبھی خاموشی سے تجدید و اصلاح کی اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ ان ہی مردانِ حق میں سے سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان محمد فاتح، نورالدین زنگی نے اپنی اپنی کوششیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو کامیابیوں سے نوازا۔ تجدیدِ دین و اصلاحِ کی انہی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے برصغیر کے معروف محقق و مصنف ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں سلطان ٹیپو شہیدؒ[1] (متوفی 1799ء) جیسا عالی ہمت، بلند نظر اور شیر دل قائد پیدا ہوا جو قریب تھا کہ ہندوستان کو غیر ملکی خطرات سے پاک کر دے، دوسری طرف سید احمد شہیدؒ (متوفی 1831ء)[2] جیسا صاحبِ عزیمت اور صاحبِ تاثیر داعی اور مجاہد پیدا ہوا جو خلافتِ راشدہ کے اصولوں اور مناہج پر ایسی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا جس کا حلقہ ہندوستان سے بخارہ تک وسیع ہو۔ اس کی دعوت و

[1] ٹیپو سلطان کا اصل نام فتح علی ٹیپو اور والد کا نام سلطان حیدر علی تھا جو جنوبی ہند کے حکمران تھے۔ ٹیپو سلطان کی ولادت 1750ء میں بنگلور ہندوستان میں ہوئی۔ ٹیپو سلطان نے انگریزی سامراج اور مرہٹوں کے خلاف سنجیدہ عملی اقدامات کیے۔ جہاد کرتے ہوئے میسور کی تیسری جنگ میں اپنوں کی غداری کے سبب 1799ء کی جام شہادت نوش کیا۔ آپ کا مشہورِ زمانہ قول ہے: ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔''

[2] آپؒ کی ولادت 1786ء میں اترپردیش (رائے بریلی) میں ہوئی۔ والد کا نام سید مولانا محمد عرفان تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپؒ نے سکھوں اور مرہٹوں کے خلاف عملی طور پر جہاد کیا اور بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپؒ نے کچھ کتب بھی تصنیف کیں جن میں حقیقتِ صلوٰۃ، مکاتیب سید احمد شہید، تنبیہ الغافلین، صراطِ مستقیم اور رسالہ اشغال اہم ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب، طالبانِ راہِ سلوک و تصوف کے لیے مختلف اوراد، مراقبات اور وظائف پر مبنی ہے نیز اس میں سلاسلِ طریقت کے شجرات بھی شامل ہیں۔

تبلیغ نے ہزاروں کی تعداد ایسے بلند سیرت مجاہد، حوصلہ وایثار پیشہ داعی اور سپاہی پیدا کر دیئے جنہوں نے اپنے ایمان ویقین، للہیّت وخلوص اور دینی جوش وحمیت سے قرون اولی کی یاد تازہ کر دی۔"[1]

درج بالا اقتباس میں بندگانِ خدا کی اصلاحی کوششوں کی ضمن میں سید احمد شہیدؒ کی کوششوں کا تذکرہ اس امر پر شاہد ہے کہ برصغیر میں ہمیشہ سے بزرگانِ دین نے عوام وخواص کی اصلاح کے لیے ہمہ وقت کاوشیں کی ہیں۔ سید احمد شہیدؒ نہ صرف ایک مجاہد تھے بلکہ آپؒ ایک بڑے عالمِ دین اور تصوف وروحانیت کی منزل کے مسافر بھی تھے۔ آپؒ نے اپنے قول و عمل دونوں سے تجدیدِ دین و اصلاحِ عوام کی کوششیں کیں۔ عوام میں آپؒ کو بے حد مقبولیت حاصل تھی۔ 1236ھ میں جب آپؒ نے حج کا سفر کیا تو ہندوستان کے جن جن علاقوں سے آپ کا قافلہ گزرتا ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر آپؒ کے ہاتھ پر توبہ کرتے اور بیعت کا شرف حاصل کرتے۔ دیہاتوں و قصبوں کے اہلِ ثروت لوگ آپ کی ضیافت کرتے اور صحبت و مواعظ سے استفادہ کرتے۔ آپؒ کی صحبت وتعلیمات سے متاثر ہو کر لوگوں نے آپؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اور براہیوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔ آپؒ کے سفر حج اور صحبت کی تاثیر کی روداد بیان کرتے ہوئے ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں: اصلاح ودین داری توبہ وانابت کی اس فضا کا اثر یہ ہوا کہ کلکتہ میں یک لخت شراب کمپنی موقوف ہو گئی۔ دوکان داروں نے جا کر انگریز سرکار میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا عذر ادا کرتے ہیں اور دوکانیں ہماری بند ہیں۔ جب سے ایک بزرگ قافلے کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں، شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید ہو گئے ہیں۔ انھوں نے تمام نشہ آور اشیاء سے توبہ کی ہے اب کوئی ہماری دوکانوں کی طرف سے ہو کر بھی نہیں نکلتا۔[2]

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے عہد میں عوام اور عام مسلمانوں کی زندگی بھی ان سیاسی حالات اور درباری علماء کے زیرِ اثر بڑی حد تک شرک وبدعت اور ان گنت خرافات اور باطل نظریات سے عبارت تھی۔ حضرت مجدّدؒ خود اس بارے میں لکھتے ہیں:

[1] ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، ص 92

[2] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص 287

مشرکانہ مذاہب اور ہندوستانی ثقافت سے ربط و تعلق کی وجہ سے مسلمان غیر مسلموں کی مذہبی رسوم میں شرکت کرتے تھے۔[1] اپنی اغراض کے لیے ان کے دیوی دیوتاؤں سے منت مانتے تھے، عورتیں چیچک سے بچنے کے لیے ان کی پراتھنا کیا کرتیں تھیں۔[2] راکھی اور دیوالی جیسے ہندوں تہواروں میں بھی مسلمان شریک ہونے لگے تھے۔ دیوالی کے موقع پر وہ بھی بالکل ہندوؤں کی طرح دیئے جلاتے اور کھاناپکا کر رنگ برنگے برتنوں میں ڈال کر دوستوں کے ہاں تحفے بھیجا کرتے تھے۔[3] عام مسلمانوں کے ان باطل عقائد و نظریات اور بدعات و خرافات کی تردید اور ان مسلمانوں کی اصلاح کے لیے حضرت مجدّد نے پوری کوشش کی۔ اپنے ایک مکتوب میں، جو انھوں نے ملا احمد برکی کے نام لکھا، فرماتے ہیں:

"جہاں جہاں بدعات کا زور ہے وہ پوری توجہ اور لگن کے سے شرعی احکام اور فقہی اصولوں کو رواج دینے کی کوشش کرو۔ اپنے آپ کو تیار کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دو۔ یہ تمھاری ذمہ داری ہے اور اسے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرو۔"[4]

ابوالحسن علی ندویؒ حضرت مجدّد کی اصلاحی کوششوں اور عوام میں ان کے اثر و رسوخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے متبعین کی فہرست پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و افغانستان کے کتنے شہروں و قصبات میں کتنے کثیر التعداد اشخاص اور عہدِ جہانگیری کے کتنے بڑے بڑے امیر و ارکانِ دولت ان کے حلقہ ارادت و بیعت میں شامل تھے۔"[5]

حضرت مجدّد نے تجدیدِ دین و اصلاحِ عوام و خواص کی جن کوششوں کا آغاز اکبر و جہانگیر کے دور میں کیا بد میں آپؒ کے خلفاء اور اولاد نے اسے بطریقِ احسن جاری رکھا اور اس میں اپنا حصّہ شامل کیا۔ آپؒ کے خلفاء میں ایک اہم نام سید

---

1 مکتوبات، ج1 مکتوب266 ص612

2 مکتوبات، ج3 مکتوب41ص1297

3 مکتوبات، ج3مکتوب41ص1298اور ج1مکتوب266، ص612

4 مکتوبات، ج1مکتوب275ص670

5 انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص283

آدم بنوریؒ (م 1053ھ) کا تھا، جنہوں نے اپنے مرشد کے اتباع میں ان کے مشن کو بڑی جانفشانی سے آگے بڑھایا۔ ابوالحسن علی ندوی آپؒ کی عوام تبلیغی و اصلاحی کوششوں اور عوام و خواص میں حاصل مقبولیت کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"حضرت سید آدم بنوریؒ کی خانقاہ میں ایک اک ہزار آدمی روزانہ ہوتے تھے، جو دونوں وقت خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے۔ ان کی سواری کے ساتھ ہزاروں ہزار آدمی اور سینکڑوں علماء ہوتے تھے۔ تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو سادات و مشائخ اور دوسرے طبقوں کے دس ہزار آدمی آپؒ کے ہم رکاب تھے۔ طالبین کا اتنا بڑا مجمع ہر وقت رہتا تھا کہ شاہجہاں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔"[1]

حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کی اولاد میں سے آپؒ کے فرزند اور خلیفہ خواجہ معصومؒ، نقشبندی سلسلے کے ایک معروف صوفی بزرگ تھے۔ آپؒ نے حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ عوام و خواص میں آپؒ کی مقبولیت اس قدر تھی کہ لاکھوں عام عوام کے علاوہ بیسیوں امراء و ارکانِ حکومت و سلطنت آپؒ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ ابوالحسن علی ندوی اس امر کی شہادت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت مجددؒ کے نامور خلیفہ اور فرزند خواجہ معصومؒ کے ہاتھ پر نو لاکھ انسانوں نے بیعت و توبہ کی اور سات ہزار آدمی خلافت سے مشرف ہوئے۔"[2]

سلسلہ سہروردیہ کے بانی اور عظیم بزرگ شیخ ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردی کی تعلیمات و خدمات کے حوالے سے ان کے ایک تذکرہ نگار لکھتے ہیں: آپؒ بغداد کے ایک شعلہ بیان مقرر تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپؒ کا وعظ و بیان نہایت پُر تاثیر ہوتا تھا لوگوں کے دلوں کو وعظ و نصیحت سے اطاعتِ خداوندی کی طرف موڑتے تھے۔ ان کی مجلسِ وعظ و نصیحت

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص 283

[2] ایضاً

میں ایک مخلوقِ خدا حاضر ہوتی تھی۔ آپ کے وعظ و نصیحت سے بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہِ ہدایت نصیب ہوتی اور ہزاروں لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے تھے۔ [1]

اسی سلسلے کے ایک اور عظیم صوفی بزرگ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی خدمتِ اسلام کے حوالے سے تذکرہ نگارں نے لکھا ہے کہ آپؒ نے ملتان میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں دور دراز علاقوں سے طلباء آتے اور علمِ دین سیکھتے تھے۔ اس مدرسے میں تبلیغِ اسلام کو مؤثر بنانے کے لیے اس وقت کی مشہور زبانوں کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس مدرسے میں قراء، حفاظ اور علماء کرام کے تزکیہ باطن کی ریاضتوں کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ [2]

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے حوالے سے تحقیق کرنے والے ایک معروف محقق پروفیسر ڈاکٹر سعید احمد اپنی تحقیق "تاریخِ سہروردیہ" میں مشائخِ سہروردیہ کی اشاعتِ اسلام کے حوالے سے کی گئی کوششوں کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے معروف صوفی بزرگ حضرت لال شہباز قلندر [3] کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپؒ سہون پہنچے اور اصلاحِ عوام کے لیے سہون میں ایک عصمت فروشی کے اڈے کے قریب ہی اپنا حجرہ بنایا۔ آپؒ کی تعلیم و تبلیغ کی بدولت قرب و جوار کے لوگوں نے متاثر ہو کر ایک قبیح کاروبار کا خاتمہ کر دیا۔" [4]

ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب " انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں چاروں سلاسل کے بہت سے صوفیائے کرام و اولیائے عظام کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ اس ضمن میں موصوف سلسلہ نقشبندیہ کے ایک عظیم

---

[1] سہروردی، محمد نعیم طاہر، تذکرہ مشائخِ سہروردیہ قلندریہ، زاویہ پبلیشرز لاہور، 2005ء ص 110

[2] فریدی، مولانا نور احمد، تاریخ ملتان، قصرِ ادب پبلیشرز ملتان، 1972ء، ص 6

[3] آپؒ کا نام سید عثمان مروند (متوفی 650ھ) ہے۔ آپ کی ولادت 538ھ کو مروند میں ہوئی، آپ کا نسب نامی سیدنا امام حسین سے جاملتا ہے۔ آپؒ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے سہوان کا علاقہ منتخب کیا۔

[4] تاریخ سہروردیہ، ص 100

صوفی بزرگ مرزا مظہر جانِ جاناں[1] (متوفی 1781ء) کے خلیفہ شاہ غلام علیؒ[2] (متوفی 1824ء) اور ان کی مجالس کا تذکرہ کرتے ہوئے برصغیر کے معروف عالم، مفسر، محقق اور مصلح سر سید احمد خاں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم، شام، بغداد، مصر، چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمتِ خانقاہ کو سعادتِ ابدی سمجھے، اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے۔[3]

ڈاکٹر سید خورشید احمد گیلانی، ضیاء الدین برنی کے حوالے سے اپنی معروف کتاب روحِ تصوف میں حضرت بو علی قلندرؒ کی اصلاحی کاوشوں اور ان کے اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیخؒ کے مبارک وجود، ان کے انفاس پاک کی برکت اور ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے۔ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ سلطان کا معتقد اور مخلص ہو گیا۔ حواص و عوام کے دل نے نیکی ن اختیار کر لی تھی۔ عہدِ علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، فسق و فجور، قمر بازی اور فحاشی کا نام بھی لوگوں کی زبان پر نہیں آنے پاتا تھا۔ اب کبیرہ گناہ مسلمانوں کو کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے۔ مسلمان ایک دوسر کی شرم سے سود خوری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔[4]

---

[1] آپؒ کی ولادت 1669ء میں ہوئی۔ آپؒ کے والد کا نام مرزا جان سلطان تھا جو بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے دربار میں منصب دار تھے۔ اورنگزیب عالمگیر نے آپؒ کا نام جانِ جان رکھا۔ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں سید نور محمد بدایونی سے خلافت و خرقہ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ سلسلہ قادریہ و چشتیہ میں بھی خلافت رکھتے تھے۔ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج و ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی وفات 1781ء میں ہوئی اور دہلی میں مدفون ہوئے۔

[2] آپؒ کا اصل نام شاہ عبداللہ تھا۔ والد کا نام شاہ عبدالطیف تھا، ولادت 1156ھ کو پٹیالہ میں ہوئی۔ روحانی سلسلہ میں آپ کے مرشد مرزا مظہر جانِ جاناں تھے جن سے آپ کو خلافت و خرقہ عطاء ہوا۔ تقریباً پندرہ کتب کے مصنف تھے، وفات 1240ھ بمطابق 1824ء میں ہوئی آپ کا مزار اپنے مرشد کے قدموں میں (دہلی) میں ہے۔

[3] ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص284

[4] روحِ تصوف، ص104

صوفیائے کرام کی اصلاحی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابو الحسن علی ندوی ، مشہور عرب سیّاح ابن جبیر اندلسی (م 614ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شیخ رضی الدین قزوینیؒ کی مجلسِ واعظ کے اثناء میں آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں جاری ہوتیں تھیں۔ لوگ پروانوں اور متوالوں کی طرح توبہ کے لیے ان کے ہاتھ پر گر رہے تھے۔"[1]

خلاصہِ بحث

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ صوفیاء کرام نے برصغیر کے خطے میں اشاعتِ اسلام، امن و امان کے قیام، اور معاشرتی اصلاح کے حوالے سے بڑی جاندار اور مثبت کوششیں کی ہیں، اور ان کوششوں کا بنیادی مرکز ان کی قائم کردہ خانقاہیں ہی تھیں۔ یہی خانقاہیں ہی تھیں جہاں پر صوفیاء کرام اپنے غیر مسلم عقیدت مندوں کو دعوتِ دین دیا کرتے تھے۔ گزشتہ صفحات میں ذکر کردہ درجنوں واقعات اور اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے اپنے اپنے وقتوں میں جہاں غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام پیش کی وہاں انھوں نے مسلم حکمرانوں اور سلاطینِ وقت کے عقائد و اعمال کی تصحیح اور اصلاح کے لیے تسلسل کے ساتھ کوششیں کیں۔ بہت سے صوفیائے کرام نے خطرناک اور عبرت انگیز انجام کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود راہِ حق کو نہیں چھوڑا۔ انہی صوفیائے کرام نے سلاطین و بادشاہوں کے ساتھ ساتھ عام عوام کے عقائد و نظریات اور افعال و اعمال کی درستی اور اصلاح کے لیے دن رات ایک کیا۔ خانقاہوں اور آستانوں میں آنے والے افراد کی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کے لیے عملاً کوششیں کیں جو حد درجہ مؤثر ثابت ہوئیں۔ درج بالا اقتباسات اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ صوفیاء کرام اور خانقاہی نظام کی انہی کوششوں سے ہزاروں افراد دینِ اسلام میں داخل ہوئے۔ لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔ صوفیائے کرام کی کوششوں کا سب سے اہم مرکز عوام الناس ہوتے تھے۔

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص156

فصل دوم

خانقاہی نظام کا افراد کے تزکیۂ نفس میں کردار اور اثرات

برصغیر پاک و ہند میں صوفیاء کی آمد اور تبلیغِ دین کے سلسلے میں ان کی کاوشیں لائق تعریف و تحسین ہیں جن کی شہادت اپنوں اور غیروں ہر ایک نے دی ہے۔ خانقاہی نظام کے قیام کے اہم اور بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد نفوسِ انسانی اور قلبِ انسانی کو مختلف اقسام کی آلائشوں سے پاک کر کے آہینۂ حق بنا دیا جائے۔ صوفیاء کرام نے اپنے زمانے، وقت اور حالات و واقعات کے مطابق اپنے اس بنیادی مقصد کے حصول کے لیے مختلف قسم کے ذرائع اور طریقوں کے استعمال سے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ صوفیاء کرام کی انہی مخلصانہ کاوشوں کے نتیجہ میں ایک عام انسان سے لے کر بادشاہوں تک کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہو گیا۔ نفوسِ انسانی کے تزکیے و تجلیے کے لیے صوفیاء کرام اور ان کے قائم کردہ خانقاہی نظام نے سینکڑوں ہزاوں افراد کے زنگ آلود دلوں کو نفسانی آلائشوں سے پاک و صاف کر کے ان کی زندگیوں میں روحانی انقلاب برپا کیا۔

صوفیائے کرام کی ان کاوشوں کا اثر امیر و غریب، عام و خاص، رعایا و بادشا اور ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد پر ہوا۔ نتیجتاً ایسے افراد دنیا اور اس کے مال و منال کی محبتوں سے دست کش ہوئے اور حقیقی مالک کی طرف رجوع کیا۔ صوفیائے کرام کی کاوشوں سے متاثر ہونے والے افراد میں عموماً درج ذیل تین قسم کے گروہ ہوتے تھے:

خلفاء و مریدین: ان میں پہلا گروہ خلفاء اور مریدین کا تھا جو بیعت کے ذریعے ان صوفیائے سے ایک مستقل تعلق بنا لیتے تھے۔ یہ لوگ اپنا بہت سا وقت اپنے شیخ کے ساتھ گزارتے ہیں اور شیخ ان لوگوں کی خصوصی توجہ سے تربیت کرتے ہیں۔

عوام الناس: دوسرہ گروہ عوام الناس تھے جن کے لیے بیعت یا کسی وعدے وعید کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن صوفیائے کرام سے ملاقات، ان کی صحبت اور پھر تربیت و تزکیے کے بعد یہ لوگ بھی مریدین میں شامل ہو جاتے تھے۔

سلاطین اور امراء: تیسرا گروہ سلاطین اور امراء کا تھا جو اپنی سیاسی و جنگی مشکلات کے وقت یا فتوحات اور خوشی کے وقتوں میں ان صوفیاء کی خانقاہوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور صوفیائے کرام ایسے مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وعظ و نصیحت

کے ذریعے ان لوگوں کے تزکیے اور اصلاح کی کوششیں کرتے تھے۔ذیل میں انھی تینوں گروہوں کے حوالے سے صوفیاء کرام کی کوششوں اور ان کے اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔اس حوالے سے اس فصل کو درج ذیل تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: خلفاء و مریدین کا تزکیہ اور اس کے اثرات

بحث دوم: عوام الناس کا تزکیہ نفس اور اس کے اثرات

بحث سوم: سلاطین و امراء کا تزکیہ اور اس کے اثرات

بحث اوّل

خلفاء و مریدین کا تزکیہ اور اس کے اثرات

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی بڑی اور حقیقی کامیابی راتوں رات یا چند دنوں میں نہیں نصیب ہوتی بلکہ اس کے لیے برسوں محنت و جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ ہر بڑی کامیابی بہت سی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں سے مل کر بنتی ہے۔ فارسی زبان کا مشہور مقولہ ہے "قطرہ قطرہ بہم شود دریا" قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر تزکیہ نفس کے میدان میں بھی صوفیائے کرام نے آغاز و ابتداء میں انفرادی طور پر معاشرے کے مختلف افراد کی مختلف طریقوں سے اصلاح کی کوششیں کیں۔ عام طور صوفیائے کرام اپنے پاس آنے والے افراد کی نفسیات، حالات، ضروریات اور خصوصیات کی کا جائزہ لیتے اور پھر ان کے مطابق مختلف ذرائع اور طریقے[1] استعمال کرتے تھے۔

صوفیائے کرام کی ان اصلاحی کوششوں کا آغاز پہلے پہل انفرادی طور پر کچھ خاص افراد کی تیاری سے ہوتا پھر رفتہ رفتہ جماعتیں بنتی جاتیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ برصغیر میں ابتدائی صوفیاء کرام کے ہی تیار کردہ خلفاء اور مریدوں نے اس خطے میں نہ صرف اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی بار آور کوششیں کیں بلکہ ہر قسم کی سماجی و معاشرتی، سیاسی و حکومتی، معاشی و اقتصادی اور مادی و نفسانی برائیوں اور خرابیوں کا خاتمہ کرکے افراد کے دلوں کو پاک و صاف کر دیا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید، خواجہ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کے خلفاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ تمام افراد بذاتِ خود ایک انجمن اور دور رس اثرات کی حامل شخصیات تھیں۔ اور تمام تربیت یافتہ شیخ بہاءالدینؒ کے تھے۔[2] بلوچستان کے ایک صوفی حضرت پیر لاکھاؒ، پہلے ہندو تھے جن کو حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے مسلمان کیا اور بعد میں انھوں نے بلوچستان کے

---

[1] مثلاً کسی مرید کو کچھ خاص ذکر و وظائف کی تلقین کرتے، اگر کوئی مالدار ہوتا تو اسے صدقہ خیرات کی کی نصیحت کرتے، درویشوں کے ساتھ بیٹھ کر لنگر کھانے کا حکم دیتے، تجارت و زراعت پیشہ افراد کو محنت و تجارت کے فضائل بتاتے۔ یوں صوفیائے لوگوں کے حالات، ضروریات، نفسیات اور مزاج کے مطابق ان سے تعلق بناتے ان کی تربیت و اصلاح اور تزکیہ کرتے تھے۔

[2] تاریخِ سہروردیہ، ص 261

اندر اشاعتِ اسلام کا ذریعہ بنے۔[1] شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ایک خلیفہ شیخ حسن افغانؒ بلوچستان میں تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے کوشاں رہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں کہ آپؒ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ تین سو ساٹھ تھی۔[2] صوفیائے کرام نے اپنے مریدین اور خلفاء کی ایسی ایسی جماعتیں تیار کیں جنہوں نے مستقل طور پر اپنی زندگیاں لوگوں کی اصلاح کے لیے وقف کر دی تھیں۔ بابا فریدؒ کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ بابا فریدؒ نے اپنی روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور دردمندیِ خلق سے چشتیہ سلسلے کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ ان کے نظامِ اصلاح و تربیت نے ایک مستقل شکل اختیار کر لی تھی۔ اور مریدین کا ایک ایسا طبقہ تیار ہو گیا تھا جس نے ملک کے گوشے گوشے میں اس سلسلے کو کی خانقاہیں قائم کر دیں۔"[3]

بابا فریدؒ کے تیار کردہ خلفاء کی جماعت کے چند ستارے ایسے تھے جو آسمانِ تصوف میں خوب چمکے اور جن کی روشنی سے ہزاروں لاکھوں افراد کے دل چمک اٹھے۔ ان میں شیخ جمال الدین ہانسویؒ[4]، شیخ بدر الدین اسحاقؒ[5]، شیخ نظام الدین اولیاؒ

---

[1] کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، تذکرہ صوفیائے بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1986ء، ص25

[2] تذکرہ صوفیائے بلوچستان، ص25

[3] تاریخِ مشائخِ چشت، ص183

[4] آپؒ کے حالات زندگی کے کے لیے دیکھئے: سیر اولیاء، میر خورد، محمد بن مبارک کرمانیؒ، ص178 تا184 /اخبار الاخیار، عبد الحق محدِّ دہلوی، ص67 تا68۔/تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، ص184 تا185

[5] آپؒ بابا فریدؒ کے داماد، خلیفہ اور خادم خاص تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سیر اولیاء، میر خورد، محمد بن مبارک کرمانیؒ، ص169 تا178 /اخبار الاخیار، عبد الحق محدثِ دہلوی، ص66 تا67۔/تاریخِ مشائخِ چشت، خلیق احمد نظامی، ص185 تا187

اور شیخ علی احمد صابرؒ[1] کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مریدین و خلفاء کی ایسی ہی بے شمار جماعتیں تمام سلاسلِ تصوف کے بڑے صوفیائے کرام نے تیار کیں جنھوں نے افراد سے لے کر معاشروں تک کی اصلاح کی ذمہ داری کو پورا کیا۔

خواجہ نظام الدین اولیاء برصغیر کے بااثر صوفیائے کرام میں سے ایک ہیں۔ آپؒ کے مریدین اور خلفاء کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: آپؒ نے اپنے عالی استعداد، سراپا اخلاص خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا۔ ان میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش کی جو مشائخِ کاملین کے لیے ضروری تھے، ان سے مجاہدات کروائے، ان کے قلوب کی نگرانی کی، جو اعلیٰ استعداد رکھتے تھے لیکن علم سے عاری تھے ان کے لیے علم و تعلیم کا بندوبست کیا۔ جنہیں گوشہ نشینی، عزلت گزینی اور انفرادی عبادات کا شوق تھا، انھیں اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور خلقِ خدا کی جفا و قفا کو برداشت کرنے پر مجبور کیا۔ اصلاح اور تربیت کا جو عالمگیر نظام آپ کے پیشِ نظر تھا اور اپنے خواص سے دین کی دعوت کا جو کام آپ لینا چاہتے تھے اس کے راستے میں جو بھی چیز مزاحم نظر آئی اس کو ترک کر دیا۔[2]

گلزارِ ابرار[3] میں ہے کہ آپؒ کی بارگاہِ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے خلفاء روانہ ہوتے تھے ان کی ضیاء پاشی سے ہند کا ہر مکان اور رہر قطعہ زمین آباد تھا۔ آپؒ نے بڑے شہروں میں بڑے مرتبے والے سات سو خلفاء ایسے روانہ کیے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔[4] مصنف گلزارِ ابرار لکھتا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کی رہبری

[1] علاؤالدین علی احمد صابر نام تھا آپؒ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔ آپؒ 592ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی سگی بہن تھیں۔ آپؒ کا وصال مبارک 690ھ کو ہوا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ مشائخِ چشت، مولانا محمد زکریا، مکتبہ الشیخ، کراچی، 1349ھ، ص180 سے آگے۔

[2] تاریخِ دعوت و عزیمت، ج3 ص147 - 148

[3] گیارویں صدی ہجری کے اوائل میں فارسی زبان میں لکھی گئی مختلف اولیاء و صوفیاء کے تذکرے پر مشتمل ایک انتہائی اہم اور نادر کتاب ہے۔ اس کے مصنف شیخ محمد غوثی شطاریؒ ہیں۔ اردو ترجمہ 1908ء میں فضل احمد جیوری نے کیا ہے۔ اس کتاب میں دسویں صدی ہجری تک کے تمام معروف صوفیاء اور اولیاء کا مستند تذکرہ کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ گلزارِ ابرار ص1 سے آگے۔

[4] شطاری، محمد غوثی، گلزارِ ابرار، (مترجم: فضل احمد جیوری) مکتبہ سلطان عالمگیر، لاہور، 1427ھ، ص85 / برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص 132

اور راہنمائی کی شہرت تمام دنیاوی آبادی کے ہر گوشے اور کونے میں پہنچ گئی تھی۔ ناقصوں کی تکمیل اور کاملوں کی تائید کے واسطے ہر ایک سمت میں اور ہر ایک صوبے میں آپ کے تربیت یافتہ خلفاء پہنچ گئے۔[1]

خلیق احمد نظامی نے تاریخِ مشائخِ چشت میں خواجہ نور محمد مہارویؒ کے تقریباً تیس (30) معروف خلفاء کی ایک فہرست دی ہے۔[2] اسی طرح مصنف موصوف نے خواجہ سلیمان تونسویؒ کے تقریباً ستر (70)[3] اور خوجہ شمس الدین سیالویؒ کے پینتیس (35) معروف اور اہم خلفاء کا تذکرہ کیا ہے۔[4] محمد مرید احمد چشتی نے اپنی کتاب فوز المقال فی خلفاء پیر سیال میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے باون (52) خلفاء کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔[5]

خلاصۂ بحث

جس طرح دنیاوی زندگی کے مختلف شعبوں اور میدانوں میں کسی بھی فن کے ماہرین اپنے علم و فن کو زندہ رکھنے اور اپنے بعد کے لوگوں تک اس علم و فن کو منتقل کرنے کے لیے اپنے طلباء اور شاگردوں کی مخصوص جماعتین تیار کرتے ہیں بالکل اسی طرح میدانِ تصوف کے ان مجاہدوں نے بھی اپنی علمی، فکری اور تربیتی وراثت کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے اپنے خلفاء اور مریدوں پر مشتمل نہایت قابلِ اعتماد اور پر خلوص جماعتیں تیار کیں۔ صوفیائے کرام کے تربیت یافتہ انہی افراد نے خانقاہی نظام کی اس فکری اور علمی میراث کو اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ درج بالا حوالہ جات اور چند معروف صوفیائے کرام کے اہم اور خاص خلفاء کی تعداد کے تذکرے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام سلاسلِ تصوف کے معروف صوفیائے کرام نے اپنے خاص مریدین اور خلفا کی ایسی بہت سی جماعتیں تیار کیں جنھوں نے برصغیر کے گوشے گوشے تک اسلام کا پیغام پہنچایا اور خلقِ خدا کی اصلاح اور خدمت کو اپنا مشن بنایا۔ انہی مخلص افراد کے سبب صوفیانہ روایت

---

1 گلزارِ ابرار ص 83

2 تاریخِ مشائخ، چشت، ص 531 - 532

3 ایضاً، ص 635 - 637

4 ایضاً، ص 678

5 تفصیل کے لیے دیکھیے: فوز المقانی خلفاء پیر سیال، محمد مرید احمد چشتی، ادارہ تعلیماتِ اسلاف، لاہور، 1997ء

کی یہ فکری و عملی میراث دنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچی اور آج بھی یہ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ صوفیائے کرام کے اسی خانقاہی نظام کے تربیتی عمل کے سبب ہر دور کے اجل صوفیائے کرام کی تعلیمات ان کی وفات کے بعد بھی پھیلتی رہیں۔ صوفیائے کرام کے اس تربیتی نظام میں تیار ہونے والے افراد کی تعداد ان گنت ہوتی تھی۔ سطورِ بالا میں ہم نے چند صوفیائے کرام کے خلفاء اور تربیت یافتہ افراد کا تذکرہ نمونے کے طور پر کیا ہے جس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ صوفیائے کرام نے کس انداز میں اور کس لگن سے اشاعتِ اسلام اور معاشرتی اصلاح کی کوششیں کیں۔ انھی صوفیائے کرام اور ان کے خلفاء کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے نتیجے میں جہاں ایک طرف اسلام کی اشاعت ہوئی وہاں دوسری طرف افراد اور جماعتوں کی انفرادی و اجتماعی، ظاہری و باطنی، معاشرتی اور سماجی اصلاح ممکن ہوئی۔

بحث دوم

عوام الناس کا تزکیہ نفس اور اس کے اثرات

صوفیائے کرام نے جن اہم اور بنیادی مقاصد کے لیے خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی ان میں سے ایک اہم اور بنیادی مقصد افرادِ معاشرہ کی اصلاح اور تزکیہ نفس تھا۔ صوفیائے کرام نے جہاں تبلیغ و اشاعتِ دین اور خدمتِ خلق میں نمایاں کردار ادا کیا وہاں انھوں نے افرادِ معاشرہ کی باطنی اصلاح و تزکیہ نفس کے لیے بھی بڑی جاندار کوششیں کیں جن کے اثرات پورے معاشرے پر صاف اور واضح دیکھائی دیتے تھے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی اصلاحی کوششوں کے حوالے سے محمد دین کلیم، لکھتے ہیں کہ آپؒ نے عام عوام کے لیے بیعت کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ وہ گنہگاروں سے توبہ کرواتے اور انھیں خرقہ پہناتے۔ اگر بیعت ہونے والے سے کوئی لغزش سرزد ہوتی تو آپؒ خرقہ واپس لے لیتے تھے۔ بہت سے لوگ خواجہ صاحبؒ سے مرید ہونے کی شرم میں کھلم کھلا اور چوری چھپے منکرات سے اجتناب کرتے تھے۔[1] خلقِ خدا عام طور پر تقلیداً یا اعتقاداً اطاعت و عبادت کی طرف راغب ہو گئی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں نیکوکاری کا خیال استوار ہو چکا تھا۔ مرد عورت، بوڑھے بچے، جوان بازاری، عامی غلام اور نوکر سب نماز ادا کرتے تھے۔ بلکہ زیادہ تر مرید چاشت اور اشراق کے پابند ہو گئے تھے۔[2]

عوام الناس عام طور پر کسی نہ کسی پیر، صوفی یا شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہونا اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے اسی لیے اکثر عوام کا کسی نہ کسی سلسلے کے صوفی سے تعلق ضرور ہوتا تھا۔ پھر لوگ اپنے پیر یا شیخ سے تعلق کی وجہ بہت سی براہیوں سے خود کو دور رکھتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے حلقہ ارادت میں شرفاء اور وزراء، امراء اور غریب، عالم اور جاہل، شہری اور دیہاتی، آزاد اور غلام، غرض کہ ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ شیخ کے مرید ہونے کے عوض یہ لوگ بہت سے امورِ ممنوعہ

[1] چشتی خانقاہیں اور سربراہان برصغیر، ص75

[2] ایضاً، ص75

سے گریز کرتے تھے۔ ان میں سے کسی سے گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ اعتراف کرتا اور دوبارہ بیعت کرتا۔ عامۃ الناس میں مذہب اور عبادات سے لگاؤ پیدا ہو جاتا۔[1]

شیخ نظام الدین اولیاؒ کی تعلیمات اور ان کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنفہ اپنا سفور والکھتی ہیں کہ شیخ کے زیرِ اثر اس ملک کے مسلمانوں میں تصوف کا رجحان پیدا ہوا، عبادات کا شغف جاگا، دنیا سے فاصلہ بڑھا اور شیخ پر اعتقاد نے جنم لیا۔ اچھے اعمال نے مردوں کے دل نیکی کی طرف پھیرے۔ شراب جوئے اور دیگر ممنوعات کا نام تک لبوں پر نہ آتا تھا۔ باہمی احترام کا چلن ہوا۔ مسلمان کھلے بندوں سود اور احتکار سے گریز کرنے لگے۔ دوکانداروں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔ ناپ تول کی کمی اور بے خبری سے استفادے کا رجحان ختم ہوا۔ غرض کہ خدا نے ان آخری زمانوں میں شیخ جنید اور شیخ بایزید کا ہم پلہ شیخ پیدا کیا اور اسے ایسی حبِّ الٰہی سے نوازا کہ انسانی عقل کے دائرے سے باہر ہے۔[2]

ملتان کے مشہور و معروف صوفی بزرگ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے ظاہری و باطنی علوم کی ترویج واشاعت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ملتان میں آپ کے قائم کردہ ایک دینی مدرسے کے ساتھ ساتھ آپ نے تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کے لیے الگ ایک خانقاہ بھی قائم کر رکھی تھی۔ اس خانقاہ میں چین، ترکستان، خراسان، ماوراالنہر، مصر اور شام کے طالبانِ حقیقت اور درویشوں کا اجتماع رہتا جو ذکر و شغل اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ جسے آپ جوہرِ قابل سمجھتے اسے خرقہ خلافت عطا کر دیتے۔ اس سہروردی خانقاہ سے بلا مبالغہ ہزار ہا افراد ولیِ کامل بن کر نکلے۔[3] خواجہ موصوفؒ نے ملتان میں اپنی آمد کے بعد اپنی خانقاہ ہندوؤں کے مصروف ترین اور نہایت معروف مندر[4] کے سامنے قائم کی

---

1 برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص 119

2 ایضاً، ص 120

3 ہاشمی، حمید اللہ شاہ، احوال وآثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور۔ 2000ء، ص86

4 فریدی، نوراحمد خاں، مولانا، تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا، مکتبہ قصر الادب، ملتان، 1957ء، ص6

اور تبلیغ واصلاح کے لیے عصر تا مغرب وعظ کیا کرتے تھے۔ روزانہ ہزاروں افراد وعظ سنتے تھے جن میں مسلمانوں کے علاوہ مندر میں آنے والے بہت سے ہندوؤں بھی شامل ہوتے تھے جو وعظ و نصیحت سے مسلمان ہو جاتے تھے۔[1]

حمید اللہ شاہ ہاشمی، ملتان کی اس معروف خانقاہ کی خصوصیات کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اس خانقاہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہاں لوگوں کو ترکِ دنیا اور تجرّد کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ حکم تھا کہ خلفاء اور مرید، عام دنیا داروں کی طرح رہیں، عیش و آرام سے زندگی بسر کریں، روپیہ پیدا بھی کریں اور پاس بھی رکھیں مگر اطاعتِ الٰہی اور ذکرِ ربّانی سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوں اور معاصی سے بچتے رہیں۔[2] شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے کام کے اثرات ہمہ پہلو نظر آتے ہیں۔ آپؒ کا کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت کرنے میں بڑا مقام ہے۔[3]

شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی تزکیہ نفس کے حوالے سے کی گئی کوششوں اور ان کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے معروف مؤرخ شیخ محمد اکرم، لکھتے ہیں: آپؒ کا وعظ سن کر سندھ، اور علاقہ ملتان اور لاہور کے اہلِ ہنود میں سے بھی بے شمار خلقت نے، جن میں بہت متموّل تاجر اور بعض والیانِ ملک بھی تھے، دینِ اسلام قبول کیا اور حضور کے مرید ہو گئے۔[4]

شیخ عثمان مروند المعروف لعل شہباز قلندرؒ سندھ سہون میں بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے آئے اور یہاں تبلیغِ دین اور اصلاحِ عوام کے لیے کوششیں کیں۔ آپؒ کی اصلاحی کوششوں کے نتیجے میں یہاں کی پیشہ ور فاحشہ عورتوں نے فحاشی کو چھوڑا اور توبہ کی۔[5] آپؒ کے سامنے ایک بار کسی نے بیان کیا کہ اس شہر میں حرام کام بہت ہونے لگا ہے، یہ سن کر آپ کو خیال آیا کہ ایسا امر ہونا چاہیے کہ بندگان خدا حرام سے بچیں آپ وہاں خود تشریف لے گئے اور انہیں

---

[1] تاریخِ سہروردیہ، ص259 / تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا، مولانا نور احمد فریدی، ص141

[2] احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، ص86

[3] دہلوی، عبد الحق، شیخ، اخبار الاخیار، (مترجم مولانا محمد فاضل) مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی، ص64 / تاریخِ سہروردیہ، ص260

[4] محمد اکرم، شیخ، آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1992ء، ص257

[5] تاریخِ سہروردیہ، ص267

اس کام سے بچنے کی تلقین کی اور طوائفوں کا ماہانہ خرچ مقرر کر دیا۔ تاکہ معاشی تنگی کی وجہ سے وہ خواتین اس غلط کام سے تائب ہو جائیں۔ پس آپ کے وعظ و نصیحت کے نتیجے میں وہ غلط کاری سے تائب ہو گئیں اکثریت نے نکاح کر لیا اور معاشرہ بہت سی براہیوں سے پاک ہو گیا۔[1]

خلاصہِ بحث

گزشتہ صفحات میں کی گئی تحقیق سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کی طرف سے قائم ہونے والے اس انتہائی مؤثر خانقاہی نظام کا سب سے اہم اور بنیادی مقاصد میں سے بھی اوّلین مقصد نفوسِ انسانی کا تزکیہ و تجلیہ تھا۔ صوفیائے کرام نے ہر دور میں دیگر تبلیغی، سماجی خدمت کے مقاصد کے ساتھ ساتھ اس مقصدِ اصلی کو ہمیشہ اوّل درجے پر رکھا ہے۔ انھوں نے سلاطینِ وقت، امراء و روساء، مریدین و معتقدین اور عوام الناس کے تزکیہ نفس کے لیے مختلف انداز اور طریقوں سے کوششیں کیں اور یہ کوشیں انتہائی ثمر بار ثابت ہوئی۔ درج بالا سطور میں کی گئی بحث اور ذکر کردہ حوالاجات و اقتباسات کی روشنی میں یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے جس اہم مقصد یعنی تزکیہ نفوسِ انسانی، کے لیے خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی تھی، اس مقصد میں ہر دور میں انہیں کامیابیاں ملی ہیں۔ درج بالا اقتباسات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ صوفیائے کرام کی انفرادی و اجتماعی کوششوں سے ہزاروں لاکھوں افراد کے دل کی دنیا میں انقلاب آیا۔ صوفیائے کرام کی کوششوں سے متاثر ہونے والوں میں سب سے زیادہ تعداد عام عوام کی ہوتی تھی۔ صوفیائے کرام اور ان کے خانقاہی نظام کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق اور عقیدت بھی عام عوام کی ہوتی تھی۔ یوں اس تعلق اور عقیدت کے سائے میں صوفیائے کرام نے ہزاروں لاکھوں افراد کی ظاہری و باطنی اصلاح اور تزکیے کی کوششیں کیں جس کے نتیجے میں انگنت افراد نے کفر و شرک، بدعت و گمراہی، فحاشی و بے حیائی اور معصیت سے توبہ کی اور راہِ مستقیم کے مسافر ہوئے۔

[1] دہلوی، محمد اختر، مرزا، تذکرہ اولیاء پاک و ہند، 1989ء، ص298

بحث سوم

سلاطین وامراء کاتزکیہ اوراس کے اثرات

برصغیر پاک وہند کے صوفیائے کرام نے ایک طرف اپنے خاص مریدین اور خلفاء کی خصوصی تربیت کی اوران کو مخلوقِ خدا کی تربیت،اصلاح اور خدمت کا فریضہ سونپاتودوسری طرف عوام الناس اور سلاطین وقت وامراءورؤساء کی اصلاح وتربیت کی کوششیں بھی کیں۔ سلاسلِ تصوف میں سے چشتی صوفیاء عام طور پر سلاطین وامراء سے دور رہتے تھے لیکن اس کے برعکس سہروردی صوفیائے کرام سلاطین وامراء کے ساتھ روابط رکھتے تھے۔صوفیائے کرام نے اپنے ان تعلقات اور روابط کواصلاحِ احوال کے لیے مثبت انداز میں استعمال کیااور اپنے اپنے وقت کے فرمانرواؤں، سلاطین اور امراء کی اصلاح وتربیت کے لیے کوششیں کیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی صوفیائے کرام کی اصلاحی کاوشوں کاتذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: چنگیزی طوفان نے جب دنیائے اسلام کو تہہ و بالا کردیا، شہر ویران ہوگئے،لوگوں کو قتل کرکے ان کے سروں کے مینار بنادئے گے،بغداد کی آٹھ لاکھ آبادی میں سے چار لاکھ قتل وغارت گری کی بھینٹ چڑھ گئی، علم وحکمت کی کتابوں کاذخیرہ آگ کی بھٹیوں میں جھانک دیاگیااور علماوفضلاءجب اسلام کے مستقبل سے مایوس ہوگئے تواس وقت بھی اس سرکش طوفان کامقابلہ صوفیائے کرام نے کیا۔ان لوگوں نے اسلام دشمن لوگوں کی اس طرح تربیت کی کہ اسلام کے دشمن شمعِ اسلام بن گئے۔[1]

مصنف موصوف نے صوفیائے کرام کی ان تربیتی کاوشوں کے سلسلے میں ایک طویل واقعہ ذکر کیاہے کہ سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ، ہلاکوخان کے بیٹے تگودارخاں کواسلام کی دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے۔تگودارخاں نے آپؒ کودیکھ کر تمسخر کے انداز میں پوچھا:اے درویش تمھاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یامیرے کتّے کی دُم؟ آپؒ اس بدتمیزی اور بداخلاقی پر برہم نہیں ہوئے بلکہ نہایت تحمل اور شگفتہ لہجے میں جواب دیا: اگر میں اپنی جان نثاری اور وفاداری

---

1 عظیمی، شمس الدین، احسان وتصوف، خواجہ شمس الدین عظیمی ریسرچ سوسائٹی، س-ن، ص190

سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کر لوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتّے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبر داری کرتا ہے اور آپ کے لیے شکار کرتا ہے۔ تگودار خاں اس غیر متوقع اور انا کی گرفت سے آزاد جواب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے آپ کو اپنا مہمان بن لیا اور درویش کے حلم و بردباری اور اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔[1]

مصنف "تذکرہِ اولیائے ہندو پاکستان" پنجاب کے مشہور صوفی بزرگ بابا فرید گنج شکرؒ کی اصلاحی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت بابا فریدؒ کے فیوض سے نہ صرف عوام الناس متاثر ہوئے بلکہ اس عہد کا سلطان غیاث الدین بلبن بھی متاثر ہوا۔ بلبن کا عہدِ حکومت نہ صرف سیاسی اعتبار سے ممتاز و منفرد تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک اور برگزیدہ بندوں کے وجود سے دینی و اخلاقی اعتبار سے بھی یہ عہد خیر الاعصار سمجھا جاتا ہے۔[2] ولی حسن ٹونکی، شیخ شرف الدین خواجہ بو علی قلندرؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت بو علی قلندرؒ سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ آپؒ کے پاس سلوکِ طریقت کی تعلیم کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ آپؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا تھا۔ یہ انہی بزرگوں کا اثر تھا کہ جلال الدین خلجی میں بہترین اوصاف پائے جاتے تھے۔ جلال الدین خلجی کے علاوہ سلطان علاء الدین خلجی بھی آپ سے عقیدت رکھتا تھا۔[3]

شیخ محمد اکرم کے مطابق، بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا وعظ سن کر سندھ، علاقہ ملتان اور لاہور کے اہلِ ہنود میں سے بھی بے شمار خلقت نے، جن میں بہت متموّل تاجر اور بعض والیانِ ملک بھی تھے، دینِ اسلام قبول کیا اور حضور کے مرید ہو گئے۔[4] شیخ فرید الدین عطارؒ لکھتے ہیں ایک مرتبہ حضرت فضل بن عیاضؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہوئے

---

[1] احسان و تصوف، ص190 - 191

[2] ولی حسن، ٹونکی، مفتی، تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان، عثمانیہ بک ڈپو، حیدر آباد، ص58

[3] تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان، ص80

[4] آبِ کوثر، ص257

فرمایا: یہ ملک تیرا گھر ہے اور رعایا تیری اولاد، اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیرے دامن گیر ہو گی۔[1]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے عقیدت مندوں میں عام عوام کے علاوہ بہت سے امراء، شہزادے، وزراء اور سلاطین بھی شامل تھے۔ ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔[2] آپؒ سے متاثر ہو کر سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لیے تمام نشہ آور چیزوں اور فسق و فجور کے سامان کو نہایت سختی سے روک دیا تھا۔[3] حضرت میاں میر لاہوری سلسلہ قادریہ کے عظیم صوفیائے کرام میں سے تھے۔ آپؒ نے اپنی اصلاحی کوششوں اور اخلاق و کردار کے ذریعے نی صرف عوام الناس، بلکہ بادشاہوں اور سلاطین کو بھی متاثر کیا۔ جہانگیر آپؒ کی گفتگو سے اتنا متاثر ہوا کہ آپؒ کو کہنے لگا کہ: سلطنت، جاہ و حشمت، مال و جوہر اور جو کچھ میرے پاس ہے میری نظر میں سنگ و خس کے برابر ہے۔ اگر حضرت توجہ فرمائیں تو میں علائق دنیا کو ترک کر دوں۔ لیکن حضرت میر صاحبؒ نے اس کو منع فرمایا اور خلقِ خدا کی پاسبانی اور عدل و انصاف کے سلسلے میں ہدایات دیں۔[4]

جہانگیر کے بعد شاہ جہاں بھی آپؒ کے آستانے پر حاضری دینے آتے تھا۔ ایک بار جب بادشاہ شاہ جہاں آپؒ کے حجرے میں داخل ہوا تو آپؒ نے فرمایا: بادشاہانِ عادل کے لیے لازم ہے کہ رعیت اور مملکت کی خبر گیری کریں، اور اپنی ولایت کی آبدی اور خوشحالی میں تندہی سے مصروف رہیں۔ کیونکہ اگر رعیت خوشحال اور ملک آباد ہو گا تو سپاہ آسودہ اور خزانہ معمور ہو گا۔ شاہ جہاں کے بعد آپ کی صاحبزادی اور بڑے بیٹے دارا بھی آپؒ کے معتقد و مرید تھے۔[5]

---

[1] تاریخِ مشائخِ چشت، ص75/روحانیتِ اسلام، ص311/ خزینۃ الاصفیاء، ج2ص23

[2] تاریخِ دعوت و عزیمت، ج3ص145- 146

[3] تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان، ص58

[4] پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص142

[5] ایضاً

خلاصہِ بحث

تاریخِ تصوف اور صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی اس بات کے گواہ ہیں کہ تصوفِ اسلامی انسانی نفوس کو مادی و اخلاقی نجاستوں سے پاک کرنے اور انہیں عمدہ اور اعلیٰ اخلاق و کردار سے متصف کرنے کی ایک بہترین اور مؤثر تحریک کا نام ہے۔ صوفیائے کرام نے وارثینِ انبیاء ہونے کے ناطے نبوی مشن کو جاری رکھا اور بنی نوع انسان کے اخلاق و کردار اور فکر و عمل کی اصلاح اور درستی کی بڑی جاندار، کامیاب اور مؤثر کوششیں کیں۔ متقدمین صوفیائے کرام اور مشائخِ عظام کے ملفوظات اور تعلیمات تعلیمِ اخلاق حسنہ کی بہتی ندیاں ہیں جن کی خاموش اور مستقل روانی انسانی ذہنوں اور دِلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور دِلوں میں اچھے عمل کا ولولہ اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کی عملی کاوشوں نے افرادِ معاشرہ کو ظاہرہ و باطنی آلائشوں سے پاکیزہ اور مصفّٰی کر دیا۔ گزشتہ صفحات میں ذکر کیے گئے اقتباسات اور مختلف تاریخی حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے ہر دور میں نہ صرف اپنے مریدوں اور عام عوام کی بھلائی اور اصلاح کی کوششیں کیں بلکہ انھوں نے معاشرے کے سب سے اہم اور طاقت ور افراد سلاطینِ وقت اور وزراء و روساء کے سامنے بھی اپنے دعوت پیش کی۔ صوفیائے کرام کی ان اصلاحی کوششوں کے سبب بہت سے بادشاہوں اور سلاطینِ وقت کی ترجیحات کا رخ بدلا اور انھوں نے معاشرے میں پھیلتی بری رسوم اور بدعات کے خاتمے کے لیے عملی اقدمامت کیے۔ صوفیایے کرام کی طرف سے کی گئی ان کاوشوں کے اثرات کو ہر دور کے مؤرخین نے تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیا ہے۔

فصل سوم

معاشرتی اِصلاح میں خانقاہی نظام کا کردار اور اس کے اثرات

صوفیائے کرام کے قائم کردہ خانقاہی نظام نے جہاں دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا وہاں اس نظام نے معاشرے میں موجود بے شمار سماجی واخلاقی خرابیوں اور برائیوں کے خاتمے کے لیے بھی انتھک کوششیں کیں اور معاشرے کا ایک ادارہ ہونے کی حیثیت سے اس کی اصلاح اور بہتری کے لیے مناسب اور عملی اقدامات کیے۔ صوفیائے کرام نے اپنے اقوال، اعمال اور اخلاق و کردار کے ذریعے معاشرے سے نفرت، بغض وعناد، اخلاقی گراوٹ، ہوسِ مال وزر اور دیگر ان گنت سماجی خرابیوں کا خاتمہ کیا اور محبت و مؤدت، امن و آشتی، اخوت و رواداری اور بھائی چارے جیسی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو فروغ دیا۔

صوفیائے کرام اور ان کے قائم کردہ خانقاہی نظام کی انہی سماجی و معاشرتی اصلاحی کوششوں کے بارے میں بحث و تحقیق کے لیے اس فصل کو درج ذیل مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: معاشرتی امن وامان کے قیام میں خانقاہوں کا کردار

بحث دوم: مساواتِ انسانی، اخوت اور بھائی چارے کے فروغ میں خانقاہی نظام کا کردار

بحث سوم: مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کے فروغ میں خانقاہی نظام کا کردار

بحث چہارم: سماجی واخلاقی براہیوں کے خاتمے میں خانقاہوں کا کردار

بحث اوّل

معاشرتی امن وامان کے قیام میں خانقاہوں کا کردار

کسی بھی انسانی معاشرے کی ترقی کا انحصار اس معاشرے میں امن وامان پر ہوتا ہے اگر کوئی معاشرے ہر قسم کے فتنہ وفساد سے پاک ہوگا، وہاں امن وسکوں ہوگا تو ایسا معاشرہ اخلاقی، مادی، تہذیبی، علمی اور عملی ہر لحاظ سے ترقی کرتا جائے گا۔ لیکن اگر کسی معاشرے میں امن وامان کا فقدان ہو ہر طرف بدامنی اور افراتفری کا دور دورہ ہو تو ایسے حالات میں ہر قسم کی سرگرمیاں جامد ہوکر معاشرتی ترقی رک جاتی ہے۔ امن وامن کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر اسلام میں امن وامان کے قیام کا حکم دیا اور ہر قسم کے انتشار، افراتفری، فساد فی الارض کی نہ صرف پُرزور مذمت کی بلکہ فساد فی الارض کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات بھی کیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر زمین میں فساد پھیلانے والے افراد کے لیے دردناک عذاب کی وعیدیں بیان کی ہیں۔[1] سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فساد فی الارض کو ایک انتہائی شدید گناہ کے طور پر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے روئے زمین میں فساد پھیلایا گویا اس نے پوری انسانیت کو تباہ وبرباد کردیا۔[2]

برصغیر میں ہر دور میں معاشرتی امن وامان کے لیے ہر سطح پر انفرادی اور اجتماعی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ امن و امان کی ان کثیر الجہت کوششوں میں خانقاہی نظام نے بھی ہر دور میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ صوفیاء کرام نے زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے عوام الناس کو یہ درس دیا کہ ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کا خیال رکھیں۔ صبر و تحمل، رواداری اور برداشت، جیسی عمدہ معاشرتی اقدار کو اپنائیں تاکہ معاشرے میں امن وامان قائم ہوسکے۔ برصغیر کے خانقاہی نظام میں معاشرتی امن اور رواداری کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ صوفیاء کرام نے ہمیشہ اپنی دعوت اور اپنے پیغام میں امن و رواداری کو مرکزی اہمیت دی۔ یہی وجہ تھی کہ برصغیر جو مختلف قوموں، مذاہب اور رسوم ورواج کے حامل لوگوں پر مشتمل خطہ تھا، صوفیا کرام کی کوششوں سے صدیوں امن کا گہوارہ بنا رہا۔

مسلم حکمران شہاب الدین غوری نے جب خواجہ معین الدین چشتی کے روحانی حکم پر پرتھوی راج کو شکست دینے کے لیے ہندوستان پر حملہ کیا اور پرتھوی راج قتل ہوا۔ خواجہ معین الدین نے شہاب الدین کو مشورہ دیا کہ راجہ کولہ جو

---

[1] الرعد:25 / البقرۃ:27 / النحل:88/المائدہ:64

[2] المائدہ:32

پر تھوی راج کا بیٹا تھا کو اجمیر کا حاکم بنایا جائے۔ خواجہ کے حکم پر راجہ کولہ کو اجمیر کا حاکم بنایا گیا جس کی وجہ سے اجمیر میں امن وامان قائم ہوا۔[1] معاشرتی امن وامان کے قیام میں صوفیاء کرام نے ہر علاقے اور ہر حال میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ برِ صغیر کے ایک معروف صوفی بزرگ مرزا مظہر جانِ جاناں کے بارے میں ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

"آپؒ کو تین افراد نے رات کے وقت حملہ کر کے زخمی کر دیا تو آپؒ نے وصیت کی کہ اگر قاتل مل جائے تو ہم نے معاف کر دیا تم بھی معاف کر دینا۔ آپؒ زخمی حالت میں تین دن کے بعد وصال فرما گئے۔"[2]

اگر غور کیا جائے تو یہ بہت ہمت کا کام ہے کہ اپنے قاتل کو بھی معاف کر دیا جائے تاکہ معاشرے سے بدلے اور انتقامی سوچ کا قلع قمع کیا جا سکے اور معاشرتی امن وامان کو فروغ ملے۔ صوفیاء جانتے تھے کہ اگر انتقام لینے کی روش پروان چڑھتی رہے تو اس سے معاشرتی سکون غارت ہو جاتا ہے۔ انتقام کی آگ جب ایک دفعہ بڑک اٹھے تو پھر یہ صدیوں تک جلتی رہتی ہے جس سے کئی نسلوں کو عزت، جان اور مال کے نقصان کی قربان دینے پڑھتی ہے۔ صوفیاء کرام نے معاشرتی امن و سکون کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اپنے دشمنوں کو بھی معاف کیا تاکہ معاشرے میں امن وامان کو فروغ مل سکے۔

سطورِ بالا میں معاشرتی امن وامن کے قیام کے حوالے سے صوفیائے کرام کی زندگیوں سے چند ایک روشن مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی مثالیں بلا مبالغہ سینکڑوں کی تعداد میں ہر کامل صوفی کی زندگی میں ملتی ہیں۔ ذکر کردہ اقتباسات اور مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ چاروں سلاسلِ تصوف کے صوفیائے کرام نے ہر دور میں متعلقہ علاقے اور خطے کے امن و امان کے حوالے سے اپنا مثبت کردار ادا کیا ہے۔ صوفیائے کرام کی انہی کاوشوں کے نتیجے میں معاشرے میں امان وامن کی فضاء قائم رہی۔

---

[1] فرشتہ، محمد قاسم، تاریخِ فرشتہ، مشتاق بک کارنر، لاہور، 2008ء، ج1ص157

[2] توکلی، نور بخش، تذکرہِ مشائخِ نقشبندیہ، نوری کتب خانہ، لاہور، ص296

بحث دوم

مساواتِ انسانی، اخوت اور بھائی چارے کے فروغ میں خانقاہی نظام کا کردار

اسلام دین فطرت ہے جو چند عقائد و عبادات کا ہی مجموعہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات عطا کرتا ہے۔ دینِ اسلام اپنے ماننے والوں کو احترام و مساواتِ انسانی کا درس دیتا ہے۔ اسلام تمام انسانیت کو آدم کی اولاد قرار دیتا ہے اور ان کے درمیان کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہیں رکھتا۔ ہندوستانی معاشرہ جو ذات پات، اونچ نیچ اور مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا، دعوتِ اسلام کے لیے ایک سازگار معاشرہ ثابت ہوا۔ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق صوفیاءِ ہندوستان نے یہاں تمام انسانیت کو عملی مساوات کے عمدہ نمونے پیش کیے جن سے متاثر ہو کر ان گنت ہندو اور دوسرے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

مسلمان صوفیا کرام نے اپنے قول و عمل سے ہندوستان میں ذات پات کے غیر منصفانہ نظام کی نہ صرف نفی کی بلکہ اس کے مقابل بالکل فطری انسانی مساوات پر مبنی ایک نیا نظام متعارف کرایا۔ صوفیاء کرام کی درگاہیں اور خانقاہیں ایسی جگہیں تھیں جہاں ہر مذہب، مسلک، ملت اور ہر ذات و برادری کا بندہ بلا خوف و خطرہ انتہائی محبت و عقیدت سے حاضر ہوتا تھا۔ صوفیاء کرام نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندو کے ساتھ قریبی تعلق اور میل جول رکھا۔ ذات پات کے فرق و امتیاز کے ان ستم گزیدہ ہندوؤں کو ایک بالکل فطری اور انسانی مساوات پر مبنی دعوت پیش کی گئی تو انھوں نے فوراً اس دعوت کو قبول کر لیا۔

صوفیائے کرام کی زندگیاں انسانی مساوات و احترام، اخوت، اور بھائی چارے کی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ انسانی مساوات اور احترام کی ایک عمدہ نظیر صاحبِ سیر اولیاء نے خواجہ نظام الدین اولیاء کے بارے میں ذکر کی ہے۔ ایک دن ایک مسلمان ایک ہندو کو لے کر نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یہ میرا بھائی ہے، آپؒ نے پوچھا کیا تمھارا یہ بھائی اسلام سے کچھ رغبت رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا میں اسے مقصد کے لیے لایا ہوں کہ آپ کی توجہ سے یہ مسلمان ہو جائے۔[1] میر خورد کرمانی شیخ نظام الدین اولیاء کے بلند اخلاق و کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] کرمانی، سید مبارک (امیر خورد)، سیر الاولیاء، مطبع محب ہند، 1987ء، 175

"اگر آپ کی خدمت میں کوئی ایسا شخص حاضر ہوتا جو اس سے بیشتر کبھی حاضر نہیں ہوا تھا، اور ایک وہ شخص جو چند سال سے آپ کا آشنا اور سناشا ہوتا تو آپؒ کے ساتھ گفتگو کرنے میں دونوں برابر ہوتے۔ اور شیخ کی توجہ دونوں کے ساتھ مساوی ہوتی۔"[1]

صوفیاء کرام کی زندگیوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ایسی ایک دو نہیں بیسیوں مثالیں ملیں گی جن میں انسانی مساوات اپنی عملی صورت میں پورے خلوص سے چھلکتی نظر آتی ہے۔ درج بالا مثال میں غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف صوفیاء کرام خود غیر مسلموں سے نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے بلکہ ان کے مرید بھی اپنے شیخ کے نقشِ قدم پر چلتے نظر آتے ہیں۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا مرید کہتا ہے کہ یہ میرا بھائی ہے۔ اور خواجہ صاحب جواباً کہتے ہیں تمھارے بھائی کو اسلام سے کچھ رغبت ہے؟ غور کرنے کی بات ہے وہ ہندو جس کو اپنے مذہب اور اپنی برادری کے لوگ برابر کا درجہ نہیں دیتے تھے ایک دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا انسانی مساوات پر مبنی سلوک دیکھ کر کیا حالت ہوئی ہو گی۔ ہندوستانی تاریخ مساوات واحترام انسانیت کی ایسی ان گنت مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

پنجاب کے مشہور و معرف صوفی بزرگ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپؒ کی خانقاہ میں اکثر ہندو جوگی بھی آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؒ کی خانقاہ میں خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی ایک جوگی سے علوی اور سفلی پر بات چیت ہوئی۔ جوگی نے اپنے خیالات کی وضاحت کی تو بابا فریدؒ اس کی بات سے متاثر ہوئے اور فرمایا مجھے اس کی بات اچھی لگی۔[2] آپؒ بغیر کسی امتیازی شان کے مجلس میں تشریف فرماتے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ لنگر کے وقت کھانا تقسیم ہوا اور ایک رکابی میں دو دو افراد کھانا کھانے لگے۔ دفعتاً بابا فریدؒ کی نظر ایک مفلوک الحال شخص پر پڑی جو بوسیدہ لباس پہنے اکیلے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ آپؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے ساتھ جا کر شریکِ تناول ہو گئے۔[3]

صوفیاء کرام کا ایک اہم اصول تھا کہ ہندوؤں کے ساتھ بھی شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ وہ الخلق عیال اللہ کے اصول پر تمام انسانیت سے محبت اور مساواتِ انسانیت کا رشتہ استوار کرتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی انسانی مساوات اور محبت کا درس دیتے تھے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] سیر الاولیاء، ص 127

[2] سنجری، امیر حسن اعلیٰ، فوائد الفواد، منظور بک ڈپو، دہلی، 1992ء، ص 188

[3] محمد شاہد، اولیاء اللہ، علم دوست پبلی کیشنز، لاہور، ص 23

"کونوا عِبَادَ اللهِ إخوَاناً"[1]

(اللہ کے بندوں بھائی بھائی ہو جاؤ۔)

تمام سلاسلِ تصوف کے صوفیاء کرام نے حضور ﷺ کے اس قول کو زبانی اور عملی طور پر معاشرے میں ناقذ کیا۔ صوفیائے کرام کی زندگیاں حضور ﷺ کے اس قول کی روشن اور عملی مثالیں ہیں۔

دینِ اسلام کے انسانی مساوات پر مبنی انہی اصولوں کو بر صغیر کے صوفیائے کرام نے جب اپنی زندگیوں میں نافذ کیا اور غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کے سامنے ان اصولوں کو عملی صورت میں پیش کیا تو وہ ان اصولوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یوں ان صوفیائے کرام نے اپنے قول و عمل سے دینِ اسلام کے ان لافانی اخلاقی و انسانی اصولوں کو معاشرے میں عملاً نافذ کیا اور اپنے مریدین و خلفاء کو بھی ان اصولوں کی پابندی کرنے اور انھیں معاشرے میں ترقی دینے کے زبانی و عملی احکامت دئے۔ صوفیائے کرام کی طرف سے انسانی مساوات، اخوت اور بھائی چارے جیسے اعلیٰ اخلاقی اور انسانی اصولوں کی پابندی نے مختلف اقوام و مذاہب اور رنگ و نسل کے ہندوستانی معاشرے میں انہیں کامیابی عطا کی۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصله، باب تحریم الظلم، ح 2564

بحث سوم

مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کے فروغ میں خانقاہی نظام کا کردار

اسلام امن، محبت، رواداری اور مذہبی ہم آہنگی کے سنہری اصولوں پر مبنی ایک فطری دین ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے باطل خداؤں کو بھی برا بھلا نہ کہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا۟ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ﴾[1]

(اور تم نہ برا بھلا کہو انھیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا۔)

نبی پاک ﷺ کی پوری زندگی رواداری اور مذہبی ہم آہنگی کے درجنوں واقعات سے عبارت ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو بھی مذہبی ہم آہنگی کی عملی تربیت دی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک دفعہ ایک بدو نے مسجدِ نبوی میں پیشاب کیا تو صحابہ کرام نے اس کو روکنا چاہا تو حضور ﷺ نے منع فرمایا۔

((دَعُوهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْه))[2]

(اسے چھوڑ دو۔ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پر بہا دیا۔)

صوفیا کرام جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو انھوں نے قرآن و حدیث کی انہی تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے ذات پات کے اس معاشرے میں مذہبی رواداری و ہم آہنگی کی ایسی روشن مثالیں چھوڑیں کہ غیر مسلم بھی ان کے دامِ محبت میں گرفتار ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مشہور صوفی بزرگ خواجہ غلام فریدؒ نے اپنی شاعری میں بھی جا بجا مذہبی رواداری و ہم آہنگی کا درس دیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

بدھ، مجوس، یہود، نصاریٰ ہندو تے دیندار
آکھن پاک منزّہ ہے بے انت الکھ اوپار[3]

[1] الانعام:108

[2] الجامع الصحیح ،کتاب الوضو، باب ترک النبی ﷺ و الناس الاعرابیّی حتیٰ فرح من بولیه فی المسجد، ح 219- / صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغیره من النجاسات اذا حصلت فی المسجدِ ح 659

[3] ہاشمی، حمید اللہ شاہ، میڈا عشق وی توں، (شرح کلام حضرت خواجہ غلام فرید) مکتبہ دانیال، لاہور، 2001ء، ص50

(بدھ مذہب کے ماننے والے ہوں یا آتش پرست، یہودی ہوں یا عیسائی، ہندوؤں ہوں یا دیندار مسلمان، سب اس ذات پاک کی تقدیس بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پاک اور بے عیب ہے۔ بے ابتداء اور بے انتہا ہے۔ ماوارا علم و عقل ہے اور لا محدود ہے۔)

پاکستان کے ایک معروف صوفی شاہ محمد سلیمان تونسویؒ جو سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگوں میں سے تھے۔ دیگر صوفیاء کرام کی طرح آپؒ بھی اس نظریے کے حامل تھے کہ اپنے دین و شریعت پر سختی سے عمل کیا جائے لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے بھی حسنِ سلوک کیا جائے ان کے مذہب اور عقائد کا احترام کیا جائے۔ وہ اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپنے مذہب اپنے تمدن اپنی شریعت پر قائم رہو۔ لیکن ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ تعلقات میں کبھی بدمزگی نہ پیدا ہونے دو۔ سالک کو چاہیے کہ کس کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔"[1]

مولانا سیّد ابوالحسن ندویؒ خانقاہی نظام کے معاشرتی کردار واثرات پر گفتگو کرتے ہوئے تاریخِ دعوت و عزیمت میں لکھتے ہیں: دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس پر یکے بعد دیگرے دو شیخِ اجل حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلیؒ متمکن رہے: ہندوستان کے مختلف مقامات پندوۃ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ، برھان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور اور مانک پور میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں، جنہوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمت خلق، ایثار و قربانی، بذل و عطاء، فقر و زہد اور علم و معرفت کی شمع روشن رکھی۔ ان میں سے ہر خانقاہ اور اس کی دینی اور اصلاحی کارناموں کے لیے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے۔[2]

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندوستانی معاشرے میں صوفیاء کرام کی مقبولیت، تبلیغِ اسلام اور اصلاحِ نفس و معاشرہ کے مثبت اثرات کی سب سے بڑی وجہ ان کی انسان دوستی، مساوات، تکریمِ انسانیت اور محبت و رواداری کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی پیروی تھی۔ اور یہی وہ بنیادی چیز تھی جس کی ہندوستانی معاشرے کے پسے اور مظلوم طبقوں کو ضرورت تھی۔ صوفیاء کرام نے اپنے خانقاہی نظام کے ذریعے ان مظلوموں کی دادرسی کی ان کو عزت اور وقار دیا

---

[1] سلیمانی، نجم الدین، مناقب المحبوبین، مکتبہ محمدی لاہور، 1992ء ص 33

[2] تاریخِ دعوت و عزیمت، ج 3 ص 152

ان کی دنیوی ضرورتوں و حاجتوں کو پورا کیا۔ یوں یہ لوگ صوفیاء کرام کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں اور نظام کی بدولت بت پرستی اور ذات پات کی تقسیم سے نکل کر اسلامی ملت میں شامل ہو گئے۔ خانقاہی نظام اور صوفیاء کرام کے اسی کردار نے ہندوستانی معاشرے سے ہر قسم کی نفرت و حسد، بغض و عناد اور مذہبی و نسلی امتیاز کو ختم کر کے محبت و رواداری، مساوات و برابری اور عزت و تکریم جیسے اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھی۔ اور تمام سماجی و معاشرتی برائیوں کے خاتمے میں اپنا بھرپور اور مؤثر کردار ادا کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ صوفیاء کرام نے جن اعلیٰ اخلاقی اقدار کو برصغیر کے اس معاشرے میں پروان چڑھایا وہ اس سے پہلے یہاں ناپید تھیں۔ یہ انہی اعلیٰ اخلاقی اوصاف کے اثرات تھے کہ اس خطے سے اسلامی حکومتوں کے مٹ جانے اور تلواروں کی حکمرانی کے خاتمے کے باوجود دلوں پر حکمرانی کرنے والے ان صوفیاء کرام کی کاوشوں کے اثرات آج بھی بڑی حد تک باقی ہیں لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جہاں دین کے دیگر شعبے زوال پذیر ہوئے وہاں تصوف اور خانقاہی نظام بھی بڑی حد تک متاثر ہوا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دورِ جدید میں خانقاہی نظام کو اس کے شاندار ماضی کی روایات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اس نظام میں در آنے والی خرابیوں اور غیر شرعی رسومات سے اسے آزاد کی جائے۔ ذیل میں ہم عصرِ حاضر کے حوالے سے خانقاہی نظام کی اہمیت و افادیت اور اس کے مطلوبہ کردار پر بحث کریں گے۔

بحث چہارم

سماجی واخلاقی براہیوں کے خاتمے میں خانقاہوں کا کردار

تزکیہ نفس کی ابتداء بلاشبہ انسان اپنی کی ذات سے ہوتی ہے۔ پھر افراد اور جماعتوں کے تزکیے اور اصلاح کے ذریعے پورے معاشرے کی اصلاح اور تزکیہ ہی اسلام اور پیغمبر اسلام کا مشنِ حقیقی تھا۔ معاشرتی اصلاح کے لیے جہاں اچھی اقدار اور روایات کا فروغ ضروری ہوتا ہے وہاں دوسری طرف معاشرے میں موجود سماجی براہیوں اور فرسودہ روایات واقدار کا خاتمہ بھی از حد ضروری ہے۔ تزکیہ واصلاح کی مختلف اقسام وانواع میں سے تزکیہ نفس کے علاوہ تزکیہ علم و عمل، اخلاق و کردار، سماج و معاشرہ اور تدبیر منزل وسیاست بھی لازمی اور ضروری ہیں۔[1] نبی کریم ﷺ نے بھی تزکیے کی ابتدا افراد سے کی اور پھر انہی افراد کی جماعت بنی اور پورا مدنی معاشرہ انسانی تاریخ کا سب سے مثالی معاشرہ بن گیا۔

سندھ کے علاقے میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے حوالے سے ایک معروف نام شیخ عثمان مروند المعروف لعل شہباز قلندرؒ کا ہے۔ آپؒ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے سہون شریف لائے اور یہاں تبلیغِ دین اور اصلاحِ عوام کے لیے کوششیں کیں۔ مصنف تاریخِ سہروردیہ آپؒ کی اصلاحی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپؒ کی اصلاحی کوششوں کے نتیجے میں یہاں کی پیشہ ور فاحشہ عورتوں نے فحاشی کو چھوڑا اور توبہ کی۔"[2]

آپؒ کے سامنے ایک بار کسی نے بیان کیا کہ اس شہر میں حرام کام بہت ہونے لگا ہے، یہ سن کر آپ کو خیال آیا کہ ایسا امر ہونا چاہیے کہ بندگان خدا حرام سے بچیں آپ وہاں خود تشریف لے گئے اور انہیں اس کام سے بچنے کی تلقین کی اور

---

[1] تزکیہ نفس کی یہ جملہ اقسام مولانا امین حسن اصلاحی نے اپنی کتاب تزکیہ نفس میں تفصیلاً بیان کی ہیں۔ دو جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں موصوف نے انفرادی تزکیہ، گروہ اور جماعت کا تزکیہ، اخلاق و کردار کا تزکیہ اور علم و عمل کے تزکیے کی تدابیر اور ذرائع وغیرہ کو ہر پہلو سے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (تزکیہ نفس، امین احسن اصلاحی، فاران فاونڈیشن، لاہور، 1994ء،)

[2] تاریخِ سہروردیہ، ص 267

طوائفوں کا ماہانہ خرچ مقرر کر دیا تا کہ معاشی تنگی کی وجہ سے وہ خواتین اس غلط کام سے تائب ہو جائیں۔ آپؒ کے وعظ و نصیحت کے نتیجے میں وہ غلط کاری سے تائب ہو گئیں، اکثریت نے نکاح کر لیا اور معاشرہ بہت سی برائیوں سے پاک ہو گیا۔[1]

معروف روسی مصنفہ اینا سفوروا، شیخ نظام الدین اولیاؒ کی اصلاحی کاوشوں اور کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ شیخ کے زیرِ اثر اس ملک کے مسلمانوں میں عبادات کا شغف جاگا، شراب جوئے اور دیگر ممنوعات کا نام تک لبوں پر نہ آتا تھا۔ باہمی احترام کا چلن ہوا۔ مسلمان کھلے بندوں سود اور احتکار سے گریز کرنے لگے۔ دوکانداروں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔ ناپ تول کی کمی اور بے خبری سے استفادے کا رجحان ختم ہوا۔[2] حضرت خواجہؒ کی عادت تھی کہ آپؒ ہر آنے والے کو مرید کر لیتے تھے جبکہ آپؒ سے قبل کے صوفیائے کرام کے ہاں ایسا معمول نہیں تھا۔ جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس لے ایسا کرتا ہوں کہ علی سبیل التواتر میں یہ سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے افراد معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں، نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں، اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اگر میں ان کے مرید ہونے کے لیے انقطاعِ کلّی کی شرط رکھوں تو وہ جو خیر ان کے حصّے میں آ رہی ہے وہ اس سے بھی محروم ہو جاہیں گے۔[3] خواجہ موصوفؒ کی تعلیمات اور اصلاحی کوششوں کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے سید ابوالحسن علی ندوی تاریخ فیروز شاہی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ایک دنیا ان کے انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا۔ ان کی مدد سے گنہگاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بدکاروں نے بدکاری سے توبہ کی۔[4]

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے بھی اسلامی تعلیمات اور نبوی اخلاق کو اپناتے ہوئے اعلیٰ انسانی و اخلاقی اصولوں کے تقاضوں کے مطابق جہاں ایک طرف معاشرے میں اعلیٰ اخلاق اور انسانی اقدار کو فروغ دیا وہاں دوسری طرف معاشرے میں موجود سماجی اور اخلاقی براہیوں کے خاتمے کے لیے بھی بہت مؤثر کوششیں کیں۔ صوفیائے کرام نے اپنی ان کوششوں کا آغاز خانقاہوں میں آنے والے افراد کے تزکیے سے کیا اور پھر رفتہ رفتہ ہندوستانی معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کر دیا۔

---

[1] دہلوی، محمد اختر، مرزا، تذکرہ اولیاء پاک و ہند، 1989ء، ص298

[2] برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص 120

[3] تاریخِ دعوت و عزیمت، ج3ص140

[4] ایضاً

فصل چہارم

خانقاہی نظام کی معاشی و اقتصادی خدمات اور اثرات

بر صغیر پاک وہند میں صوفیائے کرام نے دعوت و تبلیغ، تزکیہ نفوسِ انسانی، اصلاحِ سلاطین و امراء کے ساتھ ساتھ معیشت و اقتصادیت کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ صوفیائے کرام نے بندگانِ خدا کو ایک طرف توکل علی اللہ کا روحانی درس دیا اور دوسری طرف انھوں نے الکاسب حبیب اللہ کے نبوی فرمان کے مطابق ہاتھ سے کمانے اور محنت مزدوری کرنے کی اہمیت کو اپنے اقوال و اعمال سے معاشرے میں اجاگر کیا اور یوں روحانی و مادی دونوں پہلوؤں کے درمیان توازن و برابری کا ایک عملی نمونہ معاشرے کے سامنے پیش کیا۔ صوفیائے کرام میں ایسے بہت سے بزرگانِ دین گزرے ہیں جنھوں نے کاروبار کیا، محنت مزدوری کی اور ان سب کے علاوہ خانقاہوں میں غریبوں، مسکینوں اور ناداروں کے لیے مستقل بنیادوں پر لنگر خانوں اور رہائش کا بندوبست کیا۔ خانقاہی نظام میں روحانی پہلو کے ساتھ ساتھ یہ معاشی پہلو بھی بڑی اہمیت وافادیت کا حامل ہے۔

خانقاہوں کی سماجی اور معاشی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اس فصل میں صوفیائے کرام کے قائم کردہ خانقاہی نظام کے معاشی پہلو اور اس کے اثرات کے ضمن میں پاکستانی خانقاہی نظام کی معاشی و اقتصادی خدمات اور ان کے اثرات کو تفصلاً بیان کیا جائے گا۔ خانقاہی نظام کے معاشی و اقتصادی اثرات کو بیان کرنے کے لیے اس فصل کو درج ذیل تین ابحاث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: خانقاہی نظام میں لنگر خانوں کا قیام اور اس کی اہمیت وافادیت

بحث دوم: خانقاہوں اور مزارات کی آمدنی کے مختلف ذرائع

بحث سوم: خانقاہوں اور مزارات کی معاشی و اقتصادی خدمات واثرات

بحث اوّل

خانقاہی نظام میں لنگر خانوں کا قیام اور اس کی اہمیت وافادیت

انسان کی سب سے زیادہ اور اہم بنیادی ضروریات میں سے ایک ضرورت کھانا اور پانی کا حصول ہے۔ رزق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جس کے سبب انسان کے جسم و روح کا رشتہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس بنیادی انسانی ضرورت کے حصول، تکمیل اور معاشرے کے ہر امیر و غریب فرد تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن و سنت میں بہت سے احکام[1] اپنے ماننے والوں کو دیئے ہیں۔ دینِ اسلام ایک طرف حلال اور جائز طریقے سے کسبِ معاش کا حکم دیتا ہے[2] تو دوسری طرف حلال اور پاکیزہ کمائی سے غریبوں، مسکینوں، ناداروں، مسافروں اور بے کسوں پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔[3] شریعتِ اسلامیہ کے دونوں بنیادی مصادر قرآن و سنت میں کھانا کھلانے کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے۔ حضور ﷺ خود بھی اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنھم نے بھی اپنی اپنی سنت اور عمل سے کھانا کھلانے کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ ذیل میں قرآن و حدیث اور سیرتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام سے کھانا کھلانے کہ اہمیت کے حوالے سے چند عملی مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

---

1 **تجارت:** (وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ) البقرة:275 (رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ) النور:37 / **محنت مزدوری:** (وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ) الاعراف:10 / (وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى) النجم:39 / (مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ،) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیده، ح 2072- (لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا) بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیده،ح 2074- **زکوۃ وصدقات:** (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" التوبة/103) **سود کی ممانعت:** (وَحَرَّمَ الرِّبَا) البقرة:275

2 (وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا) المائدہ:88- (فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا) النحل:114

3 (يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ) البقرة:267

اسلام میں کھانا کھلانے کہ اہمیت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فُكُّوا الْعَانِيَ يَعْنِي الْأَسِيرَ وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ-))[1]

(قیدی کو چھڑایا کرو، بھوکے کو کھلایا کرو، بیمار کی عیادت کرو۔)

اس حدیثِ رسول میں واضع طور پر بھوکوں کو کھانا کھلانا کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز اس میں کسی بھی ذات، نسل، یا مذہب کی بھی قید نہیں لگائی بلکہ مطلق فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسے لوگوں کی تعریف بیان کی ہے جو ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ [2]

(اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔)

مفسرِ قرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں قیدی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قید میں ہو، خواہ کافر ہو یا مسلمان، ــــــــــــ ہر حالت میں ایک بے بس آدمی کو جو اپنی روزی کے لیے خود کوئی کوشش نہ کر سکتا ہو، کھانا کھلانا ایک بڑی نیکی کا کام ہے۔"[3]

مسکین و یتیم تو اس وقت مسلمانوں میں بھی تھے لیکن "اسیر"۔ تو آیت کے نزول کے وقت بہر حال مشرکین ہی تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غیر مسلم اسیروں کی بھی امداد و اعانت موجب اجر آخرت ہے۔

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب الجهاد و السیر، باب فکاک الاسیر، ح 3046

[2] الدھر:8

[3] تفہیم القرآن، ج6ص 197

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہلِ جہنم کے جہنم میں داخلے کے اسباب میں سے ایک سبب مساکین کو کھانا نہ کھلانا قرار دیا۔اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ ٱلۡمِسۡكِينَ ﴾[1]

(اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو یتیموں کو دھکے دیتے ہیں اور مسکینوں اور ناداروں کو کھانا نہیں کھلاتے اور نہ اس کی ترغیب دلاتے ہیں لیکن نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ایسے نمازیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ ٱلۡمِسۡكِينِ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّينَ ﴾[2]

(اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے۔)

ایک دوسرے مقام پر ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَحَٰٓضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ ٱلۡمِسۡكِينِ ﴾[3]

(اور تم لوگ باہم ترغیب نہیں دیتے مسکین کے کھانا کھلانے پر۔)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ اس شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ کون سا اسلام افضل ہے؟تو نبی کریم ﷺ نے جواباً فرمایا:

((تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ))[4]

(تم کھانا کھلاؤ،اور جس کو پہچانو اس کو بھی اور جس کو نہ پہچانو اس کو بھی،الغرض سب کو سلام کرو۔)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

---

[1] المدثر:44

[2] الماعون: 4-3

[3] الفجر:18

[4] الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب اطعام الطعام من الاسلام، ح 12 /مسلم، کتاب الایمان، باب تفاضل الاسلام و ای اموره افضل، ح 160

((وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ-))[1]

(جس مسلمان نے اپنی بھوک کے باوجود کسی مسلمان کو کھانا کھلایا، اللہ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس مسلمان نے پیاس کے باوجود کسی مسلمان کو پانی پلایا، اللہ اس کو جنت کی شراب سے پلائے گا۔)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ کے چہرے پر نظر پڑی تو میں جان گیا کہ یہ جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہے۔ پہلی بات جو میں نے نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنی وہ یہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ))[2]

(لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ۔)

درج بالا آیاتِ قرآنی، احادیثِ مبارکہ اور تفسیری اقتباسات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کھانا کھلانا نہایت ہی اہمیت کے حامل اعمال میں سے ایک عمل، اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کا ذریعہ اور جنت میں داخلے کا سبب ہے۔ نیز یہ کہ کھانا کھلانے یا مدد کرنے میں مسلم غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ اسی لیے صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں آنے والے بہت سے غیر مسلموں کی بھی ہر طرح سے امداد کی جاتی تھی، ان کو کھانا کھلایا جاتا تھا اور ان کے دکھوں کا مداوا کیا جاتا تھا۔

دینِ اسلام میں کھانا کھلانے کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر صوفیائے کرام اور خانقاہ نشینوں نے اپنے ہاں آنے والے زائرین، مسافروں اور عقیدت مندوں کی اسی بنیادی ضرورت کی تکمیل کے لیے کھانے پینے کا ایک مکمل نظام متعارف کروایا ہے جس کو عام اصطلاح میں لنگر کہا جاتا ہے۔ خانقاہوں میں قائم لنگر خانوں کی روایت اور سماجی و معاشی اہمیت اہمیت درج ذیل ہے:

---

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ ، باب فی فضلِ سقی الماء، ح 1682/ سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ و الرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، ح 2449

[2] سنن ابن ماجه ،كتاب إقامة الصلاة والسنة ، .بَابُ : مَا جَاءَ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ ،ح1334

خانقاہوں اور درگاہوں میں لنگر خانوں کی روایت

برصغیر پاک وہند میں خانقاہوں کے آغاز وارتقاء سے ہی مسافروں، زائرین، مقامی افراد کے علاوہ ہر خاص وعام کے لیے کھانے کا انتظام کیا جاتا رہا ہے۔ چونکہ کھانا اور پانی بنیادی انسانی ضروریات ہیں جن کے بغیر انسان کا زندہ رہنا ممکن ہے اس لیے صوفیاء کرام نے دور دراز سے آنے والے مسافروں اور حاجت مندوں کی اس بنیادی ضرورت کے پیشِ نظر لنگر کھانوں کا انتظام کیا۔

لغت اور اصل کے اعتبار سے لنگر کا لفظ فارسی زبان کا ہے جو اردو میں اپنے حقیقی معنٰی میں مستعمل ہے۔ بنیادی طور پر لغت میں لنگر کے درج ذیل معانی بیان کیے گئے ہیں:

لنگر: 1-جہاز یا قافلے کا ٹھہراؤ، 2-لوہے کی زنجیر یا رسّہ جو کشتی ٹھہرانے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ 3-خیرات خانہ، وہ جگہ جہاں روزانہ فقیروں کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہو۔ 4-وہ کھانا جو مساکین اور فقراء کو دیا جاتا ہے۔[1]

لنگر خانہ: فقراء کے روزمرہ کھانا تقسیم ہونے کی جگہ، خیرات خانہ، محتاج خانہ، خانقاہ، باورچی خانہ، مطبخ۔[2]

لنگر یا لنگر خانے کی اصطلاح بطور خاص خانقاہی نظام کی اصطلاح ہے۔ ہر بڑی اور اہم خانقاہ اور دربار میں موجود لنگر خانوں میں ہر عام وخاص کیلئے لنگر کا اہتمام کیا جاتا تھا جہاں سے سینکڑوں افراد بغیر کسی تفریق وامتیاز کے کھانا پینا بالکل مفت حاصل کرتے تھے۔ ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی کہ وہ کس مذہب، کس مسلک اور کس ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حکیم محمد ادریس خانقاہوں میں موجود لنگر خانوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] دہلوی، سید احمد، فرہنگِ آصفیہ، مطبع رفاہ عامہ پریس، لاہور، 1908ء، ج4 ص24 / فیروز اللغات، ص1165

[2] فرہنگِ آصفیہ، ج4 ص25

"ہر خانقاہ پر عوام وخواص کے لئے لنگر کا اہتمام کیا جاتا تھا جہاں سے لوگ بلا تفریق کھانا پینا مفت حاصل کرتے تھے، اس میں یہ کوئی قید نہیں تھی کہ وہ کس مذہب یا کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے، سب ہی ایک صف میں بیٹھ کر لنگر حاصل کرتے۔"[1]

برصغیر پاک وہند میں بہت سے علاقے، گاؤں اور قصبے ایسے ہیں جن کی آبادکاری اور آبادی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا سبب یہی خانقاہیں، درگاہیں، مزارات اور ان میں آنے والے زائرین اور عقیدت مندوں کی طرف سے پیش کردہ نذرانوں اور تحائف کی مد میں حاصل ہونے والی آمدنی ہے۔ معروف روسی مصنفہ پروفیسر اینا سفوروا لکھتی ہیں: اجمیر، سہون اور اُچ جیسے برصغیر کے بعض قصبے ابھی تک اپنی خانقاہوں کے سبب پھل پھول رہے ہیں۔ سندھ میں بھٹ شاہ، پنجاب میں پاکپتن اور مٹھن کوٹ جیسی پوری کی پوری آبادیاں دراصل مشہور اولیائے کرام کی درگاہوں کے سبب وجود میں آئیں۔[2]

لنگر کی یہ روایت آج بھی ہر خانقاہ میں موجود ہے جسکا مشاہدہ ملک اور بیرونِ ملک پورے برصغیر میں پھیلی مختلف خانقاہوں میں کیا جا سکتا ہے۔ بطورِ خاص ہندوستان کے مخلوط معاشرے میں موجود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت عبدالرحمان دہلویؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ یا کسی بھی صوفی وعارف کی خانقاہ پر روزانہ کی بنیاد پر اور عرس کے دنوں میں خصوصاً جتنا ہجوم مسلمانوں کا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر بھیڑ غیر مسلم عقیدت مندوں کی ہوتی ہے۔ دورِ جدید میں دنیا نے حیران کن ترقی کر لی ہے جگہ جگہ ہوٹل اور ریستوران بنے ہیں لیکن پہلے یہ سہولیات نہیں تھی اور مسافر مختلف قافلوں کی صورت میں ایسے راستوں کا انتخاب کرتے تھے جہاں خانقاہیں موجود ہوں۔ عصرِ حاضر میں بھی معاشی بدحالی کے شکار لوگوں کے لیے یہ خانقاہیں بنیادی انسانی ضروریات کی تکمیل کا ذریعے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے ایک معروف صوفی بزرگ محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:

---

1 محمد ادریس، انوارِ طریقت، مکتبہ طیبہ، سہارنپور، ص166

2 برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص 39

"درویشی یہ ہے کہ جو بھی آنے والے آئے سلام کے بعد اس کے سامنے کھانا پیش کیا جائے اور پھر حکایت اور باتوں میں مشغول ہوں۔اس کے بعد یہ بات زبان پر آئی کہ شروع کرو اسلام سے پھر طعام اور پھر کلام۔"[1]

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے اس قول کی عملی تصویر ان کی خانقاہ میں موجود لنگر خانے کی وسعت سے ہوتا ہے۔ محمد دین کلیم لکھتے ہیں کہ آپؒ کی خانقاہ میں جماعت خانے کے قریب لنگر خانہ اور مطبخ تھا، یہاں ہر وقت کھانا پکتا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کے لیے عام لنگر تھا۔ یہ کھانا بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا تھا، دال شوربا، کھچڑی، ہریسہ اور دیگر مختلف اقسام کے کھانے ہوتے تھے۔ خانقاہ میں اس کثرت سے لوگ آتے تھے کہ اس کا تصوّر بھی محال ہے۔ روزانہ ہزار ہا اشخاص کو یہاں سے کھانا میسر آتا تھا۔[2]

اینا سفوروا خانقاہوں کی تعمیر، ارتقاء اور ان خانقاہوں میں لنگر خانوں کی روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں: سلاطین دہلی کے آخری زمانے تک مزاروں کی سادگی ختم ہو چکی تھی۔ مکعب چار دیواری پر رکھے گئے گنبد پر مشتمل سادہ مقبروں کی جگہ ایسی عمارات بن گئی جہاں عبادات و رسوم دونوں کی ادائیگی کا بندوبست تھا۔ اس عمارات میں گنبد تلے موجود قبر کے علاوہ مینار سے مزین مسجد، سجادہ نشین کی رہائش گاہ، درویشوں کے حجرے، مجالس اور سماع کے لیے ہال، مولود اور عرس کے لیے صحن اور زائرین کے لیے مہمان خانہ اور لنگر خانہ بھی شامل ہو گیا۔[3] چشتیہ خانقاہ کے خدوخال کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حفیظ الرحمن لکھتے ہیں: چشتیہ خانقاہ ایک بہت بڑی دالان کی شکل میں ہوتی تھی جس کو جماعت خانہ کہا جاتا تھا۔ اس جماعت خانے کے ساتھ ایک ایک لنگر خانہ بھی ہوتا تھا۔ یہ جماعت خانہ ہر وقت عوام کے سبھی طبقوں کے لیے کھلا رہتا تھا جہاں رہنے والے کے کھانے اور پانی کا انتظام ہوتا تھا۔[4]

---

[1] فوائد الفؤاد، ص396

[2] چشتی خانقاہیں اور سربراہان برصغیر، ص75،76

[3] برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص25

[4] محمد حفیظ الرحمن، ڈاکٹر، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ (عرب سے ہندوستان تک)، شاکر پبلی کیشنز، لاہور، 2014ء، ص74

اس جماعت خانہ کے اخراجات اور نظم و نسق چلانے کے ذریعے لوگوں کے ذریعے دیئے گئے تحفے اور نذرانے کی شکل میں کچھ پیسے اور سامان اکھٹے کیے جاتے تھے جس سے جماعت خانہ کا لنگر چلتا تھا۔ یہاں لنگر ہر وقت چلتا رہتا تھا۔[1] سلاسلِ تصوف میں سے کچھ سلاسل ہمیشہ سلاطین و امراء سے دور رہتے یہاں تک کہ سلاطین اور بادشاہوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے تحائف اور نذارنے بھی قبول نہیں کیے جاتے تھے۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی دہلویؒ(1650ء- 1730ء) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی خانقاہ میں جو بھی تحفے اور نذرانے کی شکل میں رقم آتی تھی اسے لنگر خانے میں خرچ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ فرخ سیر نے بہت چاہا کہ خانقاہ کے خرچ کے لیے بادشاہ کی طرف سے سے پیش کی جانے والی جاگیر کو قبول کرلیں لیکن شیخؒ نے ہمیشہ اپنی خانقاہ کو سلطنت سے دور رکھا۔[2]

اینا سفوروا بر صغیر کے معروف صوفی بزرگ خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی خانقاہ کی تعمیر اور خدوخال کے تذکرے کی ضمن میں لنگر کھانے کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچتی ہیں۔

> "بلند و بالا چہار پہلو بلند دروازے میں سے گزر کر عمارت کے پہلے صحن میں داخل ہوں تو دو بہت بڑی دیگیں نظر آتی ہیں۔ یہ اکبر اور جہانگیر کی چڑھائی دیگوں کا نمونہ ہیں۔ان میں زائرین اور ولی کے جانشینوں کے کھانا پکتا ہے۔"[3]

معروف مؤرخ اور مصنف محمد دین کلیم، خواجہ اجمیریؒ کی خانقاہ میں لنگر کی روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 1567ء میں وہ (جلال الدین محمد اکبر) اجمیر شریف حاضر ہوا اور فتح چتوڑ کی خوشی میں اس نے بڑی دیگ نذر کی جس میں ایک سو (100) من چاول پکتے ہیں۔اس کو بڑی دیگ کہا جاتا ہے۔[4] اپنے باپ اکبر کی پیروی کرتے ہوئے شہنشاہ نور

---

1 تصوف اور صوفیاء کی تاریخ (عرب سے ہندوستان تک) ص74

2 تاریخِ مشائخِ چشت، ص385 / اولیائے ہندوپاک، افضال عباسی، نئی دہلی، 1998ء، ص130/تصوف اور صوفیاء کی تاریخ، ص111

3 بر صغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص90

4 اس دیگ کا محیط چھتیس (36) فٹ اور قطر سوا بارہ فٹ ہے۔1850ء اور 1890ء میں اس کی مرمت کروائی گئی تھی، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ بر صغیر، میاں محمد دین کلیم، مکتبہ نبویّہ، لاہور، 1990ء، ص18

الدین جہانگیر نے بھی 1631ء میں خانقاہِ خواجہ اجمیرؒ پر ایک دیگ پیش کی تھی کو چھوٹی دیگ کہا جاتا ہے۔[1] مغل شہنشاہ شاہ جہاں بھی اس معروف خانقاہ پر نہ صرف حاضری دیا کرتا تھا بلکہ خانقاہ کے لنگر خانے میں نذارنے پیش کرتا تھا۔[2] ہندوستان کی ریاست حیدر آباد دکن کے والی نظام دکن کی طرف سے مستقل طور پر اس خانقاہ میں روزانہ ایک وقت کا دلیے کا لنگر اور عرس کے دنوں میں دو دیگیں پکائی جاتی تھیں۔ قیامِ پاکستان اور ریاست حیدر آباد دکن کے انضمام سے یہ سلسلہ 1947ء سے بنا ہے۔[3] روایت ہے کہ حضرت بابا فریدؒ نے اپنے مریدِ و خلیفہ خاص خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ تیرے باورچی خانے میں روزانہ ست من نمک خرچ ہو۔[4] مصنفہ اینا سفورا خانقاہوں کی سماجی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"دہلی سلاطین کے آخری دور کے آتے آتے اولیاء کے ساتھ وابستہ سماجی فلاح کا کام بہت پھیل چکا تھا۔ نہ صرف معاونت کے حجم میں اضافہ ہوا بلکہ اس نے زیادہ سے زیادہ سماجی طبقات کا احاطہ کرنا شروع کر دیا۔ اولیاء اور مسالک کی زیادہ سے زیادہ تعداد نے نہ صرف مزید لوگوں کو مسلمان کرنے کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ اہلِ ایمان کو روحانی استقلال بھی مہیا کرتے رہے جو کسی نئے مذہب کو اختیار کرنے والوں کے

---

[1] اس دیگ میں تقریباً اسّی (80) من چاول پکتے تھے۔ اس کا محیط تقریباً بائیس (22) فٹ اور قطر تقریباً آٹھ (8) فٹ تھا۔ یہ دیگ جہانگیر نے آگرہ میں تیار کروائی تھی اور پھر اجمیر کی خانقاہ سے تین میل پہلے سواری سے اتر گیا، اپنے امراء اور جرنیلوں سمیت پیادہ دربار پر حاضری دی اور کھانا پکوایا اور پانچ ہزار غریبوں اور مسکینوں کو اپنے سامنے کھانا کھلایا نیز ان کو اشرافیوں سے بھی نوازا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، میاں محمد دین کلیم، ص 21- 22

[2] شاہ جہاں نے نومبر 1643ء کو خانقاہ اجمیر شریف پر حاضری دی، آستانے پر موجود مجاوروں اور درویشوں کو دس ہزار روپے تقسیم کیے اور بڑی دیگ میں چاول اور نیل گایوں کا گوشت پکا کر تقسیم کروایا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، میاں محمد دین کلیم، ص26

[3] چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، ص35

[4] ایضاً، ص74

لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔ ہزاروں ضرورت مندوں کو خوراک اور نقد کی صورت میں مدد دی گئی۔"[1]

ملتان میں سلسلہ سہروردیہ کے عظیم صوفی خواجہ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کی خانقاہ میں بھی بڑا وسیع لنگر خانہ قائم تھا جہاں سے ہر امیر و غریب اور مسافر و مہمان کھانا کھاتے تھے۔[2] سلسلہ سہروردیہ کے ہی ایک اور صوفی بزرگ سید جلال الدین سرخ بخاریؒ نے بھی سلہٹ کے مقام دیو محل میں ایک خانقاہ بنوائی اور اس میں بھی لنگر جاری کروایا۔[3]

صوبہ پنجاب کی ایک معروف خانقاہ تونسہ شریف جس کی بنیاد خوجہ سلیمان تونسویؒ نے رکھی تھی، میں بھی لنگر کی یہ روایت ہمیشہ سے موجود تھی اور آج بھی بڑے وسیع پیمانے پر لنگر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ خلیق احمد نظامی اس خانقاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کا لنگر بڑا وسیع اور باقاعدہ تھا۔ کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلباء کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کی جاتی تھیں اور لنگر کے اہتمام کے لیے ایک پورا محکمہ موجود تھا۔ خواجہ صاحب کی خانقاہ میں قائم لنگر خانے کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ ویسے تو اس زمانے میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر خانے قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا لیکن جو باقاعدگی اور جو مقصد خواجہ سلیمانؒ کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔[4]

اس بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ خانقاہوں اور درگاہوں میں ابتداء سے ہی لنگر اور کھانے پینے کا باقاعدہ تسلسل کے ساتھ اور وسیع پیمانے پر انتظام ہوتا تھا۔ لنگر خانے کی یہ روایت ہندوستان کے تمام علاقوں، اجمیر، پاکپتن، لاہور،

---

1 برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص71

2 احوال و آثار حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی، ص93

3 جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، (مترجم: محمد عمر قادری) اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1989ء، ص250/ تاریخِ سہروردیہ، ص 249

4 تاریخ مشائخ چشت، ص597 - 598

ملتان، بہاولپور اور سندھ میں قائم خانقاہوں میں بڑی شان کے ساتھ موجود تھی۔ یہ لنگر خانے عقیدت مندوں اور صاحبِ ثروت افراد کی طرف سے پیش کیے گئے مختلف قسم کے نذرانوں، تحائف اور بادشاہوں اور امراء کی طرف سے دیئے گئے عطیات کی بدولت چلتے تھے۔ ان لنگر خانوں سے ہر خاص و عام کو کھانا نصیب ہوتا تھا۔ بادشاہ اور شہزادے خود بھی ان درگاہوں پر حاضری دیتے تھے اور مختلف تحائف و نذرانوں کی صورت میں اپنی عقیدتوں کا اظہار کرتے تھے۔

بحث دوم

پاکستان میں موجود اہم خانقاہیں ومزارات اور ان کے ذرائع آمدنی

پاکستان میں بہت سے مزارات اور خانقاہیں حکومت وریاست کی ملکیت اور زیرِ انتظام ہیں۔ ان خانقاہوں ومزارات کی جملہ سرگرمیاں، حاصل ہونے والی آمدنی، اخراجات اور دیگر انتظامات حکومتِ وقت کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔ ایسی تمام خانقاہوں اور مزارات کے انتظامات کو بہتر انداز میں چلانے کے لیے اوقاف کے نام سے باقاعدہ طور پر ایک محکمہ بنایا گیا ہے جو وزیرِ مذہبی امور کی نگرانی اور سرپرستی میں تمام معاملات وانتظامات کو چلاتا ہے۔ پاکستان کے آئین میں اٹھارویں ترمیم کے تحت جب اختیارات صوبوں کو منتقل کیے گئے تو اوقاف کا محکمہ بھی وفاق کے بجائے صوبوں کی نگرانی میں چلا گیا۔ یوں اس ترمیم کے بعد چاروں صوبوں کے محکمہ اوقاف کی نگرانی وسرپرستی اب صوبائی حکومتوں کے دائرہ اختیار میں ہے۔ پاکستانی خانقاہی نظام میں محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام صوبہ پنجاب، سندھ، خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کے مزارات، خانقاہیں اور ان سے ملحقہ مساجد ومدارس اور ان کے جملہ انتظامات انجام پاتے ہیں۔

محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام خانقاہوں ومزارات کی آمدنی واخراجات کے علاوہ تمام سرگرمیوں کا باقاعدہ ریکارڈ موجود ہوتا ہے۔ حکومتِ وقت کو ان تمام خانقاہوں ومزارات سے ایک خطیر رقم ہر سال حاصل ہوتی ہے جس سے ملکی معیشت میں استحکام اور بہتری کے ساتھ ساتھ ان خانقاہوں ومزارات پر غریبوں ومسافروں کے لیے لنگر کا جو انتظام ہوتا ہے اس سے بھی افرادِ معاشرہ کی انفرادی اور پھر اجتماعی زندگی میں بہتری آتی ہے۔ یہ تمام سرگرمیاں مجموعی طور پر ملک کی معاشی واقتصادی میدان میں ترقی میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام ان خانقاہوں ومزارات کی آمدنی واخراجات اور ان کی معاشی سرگرمیوں اور ان کے اثرات پر بحث وتحقیق کی جائے۔ ذیل میں محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام مزارات وخانقاہوں اور ان کی معاشی واقتصادی اہمیت، کردار واثرات کو تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے۔

محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِانتظام خانقاہیں اور مزارات

صوبہ پنجاب میں مزارات اور دیگر وقف املاک کی نگرانی وانتظام کے لیے اوقاف اینڈ ریلیجیس افیرز (Auqaf & Religious Affairs Department) کے نام سے ایک شعبہ موجود ہے۔ محکمہ اوقاف پنجاب کی انتظامی تنظیم چند انتظامی عہدوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کا سیاسی سربراہ صوبائی وزیر اور انتظامی سربراہ چیف ایڈ منسٹریٹر ہوتا ہے۔ پورے صوبے میں محکمہ اوقاف کے زیرِانتظام مختلف مزارات و خانقاہوں کو نو(9) ڈویژن /زونز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِانتظام مزارات و خانقاہوں کی کل تعداد چار سوناسی (479) ہے۔[1] ان میں سے بہت سے مزارات و خانقاہیں ایسی ہیں جن کی شہرت نہ صرف صوبے میں بہت زیادہ ہے بلکہ پورے ملک کے علاوہ بیرونِ ملک میں بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ان مزارات پر پورا سال صوبے اور ملک بھر سے عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے وہاں سالانہ اعراس و محافل میں بیرون ممالک سے بھی عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں اور اپنی محبتوں و عقیدتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی زائرین و عقیدت مند حاضری کے وقت مختلف اقسام کے ہدایا، تحائف، صدقات اور خیرات پیش کرتے ہیں۔ یہ صدقات و خیرات کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ نقد مال و زر کی صورت میں بھی ہوتے ہیں جو کہ محکمہ اوقاف کی آمدنی کا ایک اہم اور مستقل ذریعہ ہیں۔

محکمہ اوقاف سندھ کے زیرِانتظام مزارات و خانقاہیں

آبادی کے لحاظ سے پاکستان کے دوسرے بڑے صوبے سندھ کو باب الاسلام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تاریخ دانوں کے مطابق برصغیر پاک وہند میں اسلام سب سے پہلے اسی علاقے میں آیا اور یہاں سے آگے پورے برصغیر میں پھیلا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ برصغیر میں اسلام کی آمد، ترویج اور اشاعت میں صوفیائے کرام کا ایک بنیادی کردار رہا ہے۔ اسی نسبت سے اس صوبے اور اس کے مختلف علاقوں میں بہت سے اولیائے کرام کے مزارات اور خانقاہیں موجود ہیں۔ اس صوبے میں بھی کچھ خانقاہیں محکمہ اوقاف سندھ کے زیرِانتظام ہیں اور کچھ نجی حیثیت سے سماجی فلاح و بہبود میں اپنا

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: (https://auqaf.punjab.gov.pk/shrines)

کردار ادا کرتی ہیں۔ محکمہ اوقاف سندھ نے درگاہوں ومزارات کے انتظام وانصرام کے لیے مختلف درگاہوں ومزارات کو ضلعی سطح پر مختلف سرکلز(CIRCLES) میں تقسیم کیا ہے۔ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِانتظام مزارات وخانقاہوں کی کل تعداد اسّی(80) ہے۔[1] نجی حیثیت سے قائم خانقاہوں ومزارات کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

محکمہ اوقاف خیبر پختونخواہ کے زیرِانتظام مزارات وخانقاہیں

آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا تیسرا بڑااور رقبے کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ خیبر پختونخواہ ہے جس کا پرانا نام سرحد تھا۔ صوبے کے مختلف علاقوں میں بہت سے اولیائے کرام کی خانقاہیں موجود ہیں۔ اس صوبے میں بھی کچھ خانقاہیں محکمہ اوقاف کے زیرِانتظام ہیں اور کچھ نجی حیثیت سے سماجی فلاح و بہبود میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ سرکاری خانقاہوں و مزارات اور مساجد کے انتظام وانصرام کے لیے صوبائی حکومت نے "اوقاف اور مذہبی امور" کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا ہے۔ محکمہ اوقاف خیبر پختونخواہ کے زیرِانتظام مزارات و خانقاہوں کی کل تعداد پانچ (5) ہے۔[2] تاہم ان سرکاری خانقاہوں کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں نجی حیثیت سے قائم خانقاہیں اصلاحِ معاشرے کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔

صوبہ بلوچستان میں اگرچہ اوقاف کا محکمہ موجود ہے تاہم اس محکمے کی نگرانی میں کوئی بھی خانقاہ یامزار نہیں ہے۔ جتنی بھی خانقاہیں اور مزارات ہیں وہ حکومتی نگرانی سے آزاد انفرادی اور نجی حیثیت سے قائم ہیں۔

پاکستان کے تمام صوبوں اور شہروں میں بہت سے مزارات اور خانقاہیں ایسی ہیں جو حکومت یا محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام نہیں ہیں بلکہ یہ خانقاہیں اور مزارات اور ان کے جملہ انتظامات مختلف افراد نجی طور پر چلاتے ہیں۔ ایسے مزارات اور خانقاہوں کی تعداد سرکاری خانقاہوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ پورے ملک میں ایسی خانقاہوں کی صحیح تعداد جاننا ایک مشکل امر ہے تاہم یہ یقینی بات ہے کہ ایسی خانقاہیں ملک کے کونے کونے میں موجود ہیں اور ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ یہ تمام خانقاہیں حکومتی سرپرستی کے بغیر انفرادی طور پر اپنے تمام معاملات کا انتظام کرتیں ہیں۔ حاصل شدہ آمدنی کو خانقاہ اور اس

[1] https://arazud.sindh.gov.pk/list-of-dargahs-mosques
[2] http://auqaf.kp.gov.pk/page/shrines

سے متعلقہ جملہ انتظامی، فلاحی، تعلیمی اور تبلیغی کاموں کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔ذیل میں نجی حیثیت سے قائم چند اہم خانقاہوں میں سے درج ذیل اہم خانقاہیں ہیں۔

خانقاہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (گولڑہ اسلام آباد) دربار حضرت خواجہ زندہ پیرؒ (گھمکول شریف کوہاٹ) دربار حضرت پیر نظیر احمد موہڑویؒ (موہڑہ شریف مری) خانقاہ حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ (سیال شریف) خانقاہ حضرت پیر محمد شاہ و پیر محمد کرم شاہؒ (بھیرہ ضلع سرگودھا) خانقاہ سید جماعت علی شاہؒ (نارووال) دربارِ عالیہ چورا شریف (ضلع اٹک)

مزارات وخانقاہوں کے ذرائع آمدنی

پورے ملک میں موجود ہزاروں نجی اور سرکاری خانقاہوں ومزارات کی آمدنی کے بہت سے ذرائع ہیں۔ان مختلف ذرائع میں سے چند ایک نہایت اہم اور بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ نیز ان میں سے چند ذرائع ایسے ہیں جو مستقل بنیادوں پر آمدنی کا سبب ہیں اور کچھ وقتی اور عارضی۔یہ تمام ذرائع آمدنی ان خانقاہوں اور اس سے ملحقہ علاقوں کی معیشت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔مزارات وخانقاہوں کی آمدنی کے چند اہم اور بنیادی ذرائع درج ذیل ہیں۔

چندہ باکس/کیش باکس

تمام مزارات، چاہے وہ نجی حیثیت میں ہوں یا سرکاری تحویل میں، کی آمدنی کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ چندہ یا کیش باکس ہے۔ محکمہ اوقاف نے اپنے زیرِانتظام تمام مزارات وخانقاہوں میں مختلف جگہوں پر چندے کے لیے مخصوص ڈبوں کا انتظام کیا ہوتا ہے۔ان مخصوص ڈبوں میں مزارات پر آنے والے مختلف زائرین وعقیدت مند نقد رقم کی صورت میں چندہ ڈالتے ہیں۔ایک مخصوص وقت کے بعد محکمہ کے اعلیٰ افسروں کی نگرانی میں ان ڈبوں کو کھولا جاتا ہے اور حاصل ہونے والے آمدنی کو خانقاہ اور اس سے متعلقہ امور کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ایسی خانقاہیں جو حکومتی سرپرستی میں نہیں ہوتیں ان کے ہاں بھی مختلف جگہوں پر ایسے ڈبے موجود ہوتے ہیں جن میں زائرین، مریدین اور عقیدت مند نقد رقم کی صورت میں چندہ ڈالتے ہیں۔

معروف مؤرخ محمد دین کلیم خانقاہ کی آمدنی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دسمبر 1985ء میں پیر محمد شاہ کھگہ، رکن پنجاب اسمبلی نے بیان دیا ہے کہ دربار حضرت بابا فریدؒ کی سالانہ نقد آمدنی پچاس لاکھ روپے سے زائد ہے۔[1] بی بی سی اُردو کی جون 2018ء کی ایک رپورٹ جو دربار بابا فریدؒ پاکپتن کے حوالے سے بنائی گئی ہے، نے محکمہ اوقاف کے ذریعے سے بتایا ہے کہ محکمہ اوقاف پنجاب کے مطابق گذشتہ گیارہ ماہ کے دوران پاکپتن دربار پر نصب صرف نذرانے کے ڈبوں میں سے آٹھ کروڑ (80000000) روپے جمع کیے ہیں۔[2] اسی طرح لاہور کی مشہور و معروف خانقاہ حضرت داتا صاحب گنج بخشؒ کی یہی آمدن تقریباً چھبیس کروڑ (260000000) روپے سالانہ ہے۔[3]

یہ تو چند مثالیں ہیں اگر اسی طرح پورے ملک کے طول و عرض میں موجود ان خانقاہوں و مزارات کی مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی نقد آمدنی، ان خانقاہوں کی وجہ سے چلنے والے مختلف کاروبار، تجارتی سرگرمیاں، ان سرگرمیوں سے جڑے ہزاروں لاکھوں لوگوں کی آمدنی کا اندازہ لگایا جائے تو یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ صرف ان خانقاہوں سے حاصل ہونے والی آمدنی اربوں میں ہے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ بہت سی تجارتی و کاروباری سرگرمیاں منسلک ہیں جن سے ہزاروں لاکھوں لوگوں کی معیشت جڑی ہوئی ہے۔

مختلف نذرانے اور تحفے

بہت سے مرید اور عقیدت مند جب کسی صوفی کی خانقاہ اور مزار پر حاضری کی غرض سے جاتے ہیں تو نقد رقم کے علاوہ مختلف اقسام کے تحفے، نذرانے اور ہدیے بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ نذرانے زیادہ تر لنگر کے لیے کھانے پینے کی اشیاء اور پالتو جانورں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ یوں ملک کی اکثر اہم اور بڑی خانقاہوں میں جانوروں کی دیکھ بھال، چارے پانی اور فروخت وغیرہ کا ایک مکمل نظام موجود ہوتا ہے۔ ان اشیاء اور جانوروں کے گوشت کو لنگر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ جانوروں کو فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یوں یہ نذرانے اور تحائف خانقاہ کی آمدنی کا

---

[1] چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، میاں محمد دین کلیم، ص56

[2] https://www.bbc.com/urdu/pakistan-44434746

[3] https://www.bbc.com/urdu/pakistan-44434746

ایک اہم ذریعہ ہیں۔ اکثر نجی خانقاہوں میں یہ ایک رسم ہے کہ جب کوئی بھی مرید اپنے پیر یا مرشد سے ملاقات کرتا ہے تو عموماً نقد رقم کی صورت میں پیر کو نذرانہ پیش کرتا ہے۔ بعض اوقات ایسے مرید بھی ہوتے ہیں جو خود حاجت مند ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ کبھی عقیدت میں اور کبھی اس رسم سے مجبور نذرانہ دیتے ہیں۔ خانقاہ کے سجادہ نشین یا پیر کی طرف سے ایسے نقد نذرانے کا کوئی حکم تو نہیں ہوتا لیکن وہ اس رسم کی حوصلہ شکنی بھی نہیں کرتے۔

جوتوں کی حفاظت کی جگہ

ہر خانقاہ میں آنے والے زائرین وعقیدت مندوں کے جوتوں اور دیگر ضروری اشیاء کی حفاظت کا انتظام موجود ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے ہر خانقاہ و مزار کے اہم دروازوں کے ساتھ جگہ مخصوص ہوتی ہے جہاں پوری ذمہ داری سے زائرین کے جوتوں اور دیگر قیمتی اشیاء کی حفاظت کا انتظام ہوتا ہے۔ مزار و خانقاہ کی زیارت کرنے والے جملہ افراد نہایت کم قیمت میں اپنے جوتے حفاظتی تحویل میں دیتے ہیں۔ یوں ایک طرف زائرین کے لیے آسانی ہوتی ہے اور دوسری طرف یہ عمل خانقاہ کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔ دو ہزار سولہ (2016ء) میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق پنجاب کے چند بڑے مزاروں کی اس مد میں حاصل ہونے والی آمدنی تقریباً ساڑھے چار کروڑ سالانہ بنتی ہے۔[1] جوتوں کی حفاظت کا یہ انتظام عام طور پر محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام مزارات پر ہوتا ہے۔ تاہم کچھ نجی خانقاہوں میں بھی یہ انتظام کیا جاتا ہے۔

کار/موٹر سائیکل پارکنگ کے ٹھیکے

ہر خانقاہ میں دور دراز سے آنے والے عقیدت مندوں اور زائرین کی سہولت کے لیے سائیکل، موٹر سائیکل اور گاڑیوں کی حفاظت کے لیے مخصوص جگہوں پر پارکنگ کا انتظام ہوتو ہے۔ اس کام کے لیے سالانہ بنیادوں پر مختلف افراد اور فرموں کو ٹھیکہ دیا جاتا ہے۔ اس کام سے حاصل ہونے آمدنی بھی خانقاہ کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

---

1 ڈاکٹر حسین محیؒ الدین نے دو ہزار سولہ میں پنجاب کے چند بڑے مزاروں کی معاشی خدمات اور ذرائع آمدنی کے حوالے سے ایک سروے کیا تھا جس میں انھوں نے پنجاب کے چار بڑے مزاروں کے حوالے سے ایک تحقیقی سروے کیا تھا۔ اس سروے کے مطابق صرف مزار داتا صاحب لاہور سے جوتوں کی حفاظت کی مدّ میں تین کروڑ پچاس ہزار لاکھ سالانہ آمدن ہوتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ (اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، ڈاکٹر حسین محیؒ الدین قادری، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء، ص 78 سے آگے)

خانقاہوں سے ملحقہ دوکانیں اور دیگر جائدادیں:

ہر خانقاہ میں چونکہ بہت سے زائرین کے آنے جانے کا سلسلہ اکثر اوقات لگا رہتا ہے اس لیے ضرورت مند افراد اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خانقاہ کے ارد گرد مختلف قسم کی تجارتی سرگرمیاں سرانجام دیتے ہیں۔ ہر خانقاہ کی ملکیتی زمین میں ایسے افراد کے لیے مختلف دوکانوں اور سٹالز کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر خانقاہ کی کچھ ملکیتی زمین اور جائیداد لیز یا رینٹ اور کرایے کے طور پر بھی دی جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں خانقاہ کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہوتے ہیں۔ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِ انتظام خانقاہوں مزارت سے ملحقہ وقف جائیداد تقریباً (74,964 ایکڑ) ہے۔[1] حضرت بابا فریدؒ کے مزار سے ملحقہ دو سو ستّر (270) مربع اراضی ہے جو خانقاہ کی ملکیت ہے اور 1959ء سے محکمہ اوقاف کے تحویل میں ہے۔[2]

محکمہ اوقاف پنجاب کی مختلف خانقاہوں اور مزارات سے ملحقہ دوکانوں کی تعداد چھ ہزار ایک سو اناسی، (6179) اور ایک ہزار چار سو چھبیس (1426) مکانات ہیں۔ ان تمام دوکانوں اور مکانات کو کرائے پر دیا جاتا ہے۔[3] یہ دوکانیں اور مکانات بھی خانقاہوں کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہیں۔ پاکستان کے چاروں صوبوں بشمول اسلام آباد میں موجود تقریباً تمام بڑی خانقاہوں کے ساتھ کچھ دوکانیں ہوتی ہیں جو اس خانقاہ کی ملکیت میں ہوتی ہیں اور ان کا انتظام وانصرام محکمہ اوقاف کے سپرد ہوتا ہے۔

---

[1] https://auqaf.punjab.gov.pk/funds-raising

[2] چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، ص56

[3] https://auqaf.punjab.gov.pk/funds-raising

بحث سوم

خانقاہوں اور مزارات کی معاشی واقتصادی خدمات واثرات

صوفیائے کرام نے ہمیشہ سے مخلوقِ خدا کی خدمت کو اپنا وطیرہ بنایا۔ خانقاہی نظام معاشرے کا ایک ادارہ ہونے کی حیثیت سے خدمتِ خلق میں ہمیشہ سے پیش پیش رہا۔ برصغیر کی تمام بڑی، معروف اور مصروف خانقاہیں اپنے آغاز سے خدمتِ خلق کے مختلف امور مسلسل اور مستقل بنیادوں پر سرانجام دے رہی ہیں۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی قائم کردہ خانقاہ اس حوالے سے ایک روشن مثال ہے۔ دہلی کی اس خانقاہ میں فتوحات کی قطاریں ختم ہونے میں نہ آتیں جسے شیخؒ نظام الدین غریبوں کے لیے مدارس اور ہسپتال بنوانے اور آتشزدگی کے ماروں یا خشک سالی سے متاثرہ دہقانوں کی مدد میں خرچ کرتے۔[1] صوفیائے کرام کی انہی تعلیمات اور عملی زندگی کی پیروی اور اتباع میں دورِ جدید کے صوفیائے کرام اور ان کی خانقاہیں خدمتِ خلق کے لیے ہمہ جہتی کوششوں میں مصروف ہیں۔

محکمہِ اوقاف کے زیرِانتظام اور نجی حیثیت میں قائم مختلف علاقوں کی چند اہم اور بڑی خانقاہیں اور مزارات مختلف اقسام کی سماجی وفلاحی، تعلیمی وتربیتی اور معاشی واقتصادی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان میں مختلف اقسام کی تعلیمی، طبّی، فنّی اور سماجی خدمات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ملک کی اہم اور بڑی سرکاری ونجی خانقاہوں کے زیرِاہتمام بہت سے ایسے منصوبوں پر کام کامیابی سے جاری ہے جس کی وجہ سے بہت سے افراد کو روزگار، تعلیم، ہنر اور صحت وعلاج کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے تمام کاموں اور منصوبوں کے لیے ایک خطیر رقم اور سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ رقم اور سرمایا انہی خانقاہوں پر آنے والے عقیدت مندوں اور ان خانقاہوں سے ملحقہ کاروباری وتجارتی سرگرمیوں کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص 120

اس تمام عمل سے بہت سے لوگوں کو روزگار، تعلیم، ہنر، مالی امداد اور صحت و علاج کی سہولیات دستیاب ہوتیں ہیں۔ یوں یہ خانقاہیں بالخصوص ملحقہ علاقوں اور بالعموم پورے شہر اور ملک کی معاشی و اقتصادی ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ملک میں موجود تمام خانقاہوں کی جملہ معاشی و اقتصادی سرگرمیوں اور خدمات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اور تحقیق کرنا ایک نہایت مشکل امر ہے اور اس مقالے کے بنیادی مقاصد میں شامل بھی نہیں تاہم ذیل میں چند اہم اور بڑی خانقاہوں کی سماجی اور معاشی ترقی میں کی گئی کاوشوں کا جائزہ پیش کر کے مستقبل میں اس حوالے سے تحقیق کی راہیں ہموار کرنے اور اس میدان میں مزید تحقیق کی تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

مزار حضرت داتا گنج بخشؒ (لاہور) کے زیرِ انتظام مختلف سماجی منصوبے

لاہور کی اہم اور مصروف ترین خانقاہ حضرت داتا گنج بخشؒ پورے ملک کی تقریباً تمام خانقاہوں میں سب سے زیادہ زیارت کی جانے والی اور سب سے زیادہ آمدنی والی خانقاہ ہے۔ یہ خانقاہ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِ انتظام ہے۔ اس خانقاہ کے زیرِ انتظام درج ذیل فلاحی منصوبے کامیابی سے جاری ہیں۔

داتا دربار ہسپتال کا قیام

محکمہ اوقاف پنجاب کی زیرِ نگرانی میں خانقاہ حضرت داتا گنج بخشؒ میں داتا دربار ہسپتال کے نام سے ایک شفاخانہ قائم کیا گیا ہے۔ اس ہسپتال میں پچانوے بستروں کا انتظام موجود ہے۔ اس میں مختلف شعبہ جات مثلاً شعبہ امراضِ بیرونی مریضاں، شعبہ زچہ و بچہ، شعبہ امراضِ چشم، شعبہ جراحت، ناک کان گلہ کے امراض کا شعبہ اور امراضِ معدہ کا شعبہ قائم ہے۔ اس ہسپتال میں پینتیس (35) ڈاکٹر، سو (100) طبّی معاونین اور دیگر انتظامی امور کے لیے پینسٹھ (65) افراد پر مشتمل ماہرین اور انتظامیہ کا عملہ موجود ہے۔[1] ان افراد کی تنخواہوں اور دیگر مراعات کا مکمل انتظام موجود ہے جو خانقاہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے پورا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس ہسپتال میں سالانہ کی بنیاد پر لاکھوں مریضوں کا علاج کیا جاتا

[1] قادری، حسین محیّ الدین، ڈاکٹر، اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء ص 79

ہے۔ آپریشن کیے جاتے ہیں۔ زچگی کے مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام شعبہ جات میں ہزاروں مریضوں کا مکمل مفت علاج کیا جاتا ہے۔ اس ہسپتال کے جملہ مالی معاملات خانقاہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے انجام پاتے ہیں۔

علی ہجویری دستکاری سکول

خانقاہ حضرت داتا صاحبؒ کے زیرِ انتظام ایک دستکاری سکول قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارے میں یتیم اور نادار بچیوں کے مختلف دستکاریوں، کھانے پکانے کے طریقے اور سلائی کڑھائی کے فنون سیکھائے جات ہیں۔ ایک وقت میں تقریباً پچاس بچیوں کو فنّی تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ اس ادارے کے جملہ مالی و انتظامیہ معاملات اور اخراجات بھی خانقاہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام معاملات محکمہ اوقاف کی زیرِ نگرانی انجام پاتے ہیں۔

جامعہ ہجویریہ مدرسہ

محکمہ اوقاف نے Tevta[1] کے الحاق اور تعاون سے ایک بنیادی دینی اور فنّی تعلیمی ادارہ قائم کیا ہے۔ اس ادارے میں تقریباً تین سو پچاس (350) یتیم، غریب اور نادار طلبہ کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر، اکاونٹنگ اور ڈیزائنگ کی بنیادی فنّی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ تمام مستحق طلبہ کی انفرادی اور اجتماعی بنیادی ضروریات ادارے کی طرف سے پوری کی جاتی ہیں۔ اس ادارے کے جملہ اخراجات بھی خانقاہ سے حاصل شدہ آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں۔

لنگر خانہ

خانقاہ ایک سماجی ادارے کی حیثیت سے متعلقہ افراد کی جملہ سماجی ضروریات کی ایک طرح سے ذمہ دار ہوتی ہے۔ ان بنیادی ضروریات میں سے ایک ضرورت کھانے پینے کی ہے۔ ملک کے طول و عرض میں موجود تمام بڑی اور مصروف خانقاہوں میں ان ضروریات کی تکمیل کے انتظامات موجود ہوتے ہیں۔ مزار داتا دربار میں بھی اس حوالے سے وسیع لنگر کا انتظام ہوتا ہے۔ خانقاہ محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام ہونے کی وجہ سے ہے لنگر اور کھانے پینے کے انتظامات بھی اوقاف کی

---

[1] حکومتِ پنجاب نے 1999ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعے (Technical education and vocational training Authority.) کے نام سے ایک ادارے کا قیام عمل میں لایا۔ جس کے بنیادی مقاصد میں فنّی تعلیم کو فروغ دینا تھا۔

نگرانی میں ہوتے ہیں۔تاہم بہت سے عقیدت مند انفرادی طور پر خود باقاعدہ دیگیں پکا کر دربار میں جا کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ محکمہ اوقاف کے متعلقہ افسر کے بیان کے مطابق اس خانقاہ سے ہر روز اوسطاً دس ہزار غریب افراد کھانا کھاتے ہیں۔ جس کے سالانہ اوسطاً اخراجات چودہ کروڑ ساٹھ لاکھ (146000000) بنتے ہیں۔[1]

اس کے علاوہ خانقاہ حضرت داتا صاحبؒ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے یتیم اور مستحق بچیوں کی شادی کے انتظامات، جہیز فنڈ اور خانقاہ کے زیرِ انتظام تقریباً چار سو مساجد کی جملہ انتظامات انجام پاتے ہیں۔[2]

مزار حضرت داتا گنج بخشؒ کی سماجی خدمات کے حوالے سے (Pakistan center for Philanthropy) کی ایک ریسرچ سروے رپورٹ کے مطابق اس خانقاہ کے زیرِ انتظام بہت سی سماجی خدمات سرانجام پاتی ہیں۔

"Evidence shows that this well-known shrine located in the capital city of the Punjab province has several social welfare functions including provision of free food (Langar), health facilities and shelter to needy people along with provision of religious education, spiritual enlightenment,"[3]

یوں اس ایک خانقاہ سے سینکڑوں ہزاروں لوگوں کا روزگار، صحت، دینی تعلیم، فنّی تعلیم، کھانے اور رہائش کی بنیادی ضروریات منسلک ہیں۔ان تمام افراد کی جملہ تعلیمی، معاشی، فنّی اور صحت کی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ اس خانقاہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کے سبب ممکن ہوتا ہے۔

مزار حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (پاکپتن) کے زیرِ انتظام مختلف سماجی منصوبے

اسی طرح کی سماجی و معاشرتی خدمات تقریباً تمام بڑی خانقاہوں اور درباروں کے زیرِ انظام ہوتیں ہیں۔ پاکپتن میں حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ کے زیرِ انتظام بھی بہت سی سماجی سرگرمیاں انجام پاتی ہیں جن سے پورے علاقے کی معیشت کی

---

1 اسلام میں خدمت خلق کا تصور، ص78

2 https://auqaf.punjab.gov.pk/services

3 Giving at Shrines in Pakistan, Monograph Series 1, Pakistan center for Philanthropy, august 2016, p 7

ترقی پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سطورِ ذیل میں اس خانقاہ سے منسلک چند اہم معاشی و سماجی خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

لنگر خانے کا قیام

تمام نجی اور سرکاری خانقاہوں کی طرح پاکپتن کی اس معروف خانقاہ میں بھی وسیع پیمانے پر لنگر اور کھانے پینے کا انتظام مخصوص اوقات میں ہوتا ہے۔ یہ خانقاہ بھی محکمہ اوقاف پنجاب کی نگرانی میں ہے اس لیے لنگر کے انتظامات بھی محکمہ کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر بہت سے عقیدت منداور زائرین لنگر کی صورت میں اپنے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اس خانقاہ میں بھی روز کے حساب سے سینکڑوں اور مخصوص ایّام یا عرس کے دنوں میں ہزاروں لاکھوں افراد کھانا کھاتے ہیں۔ اس خانقاہ میں سالانہ لنگر کی مدّ میں اوسطاً چار کروڑ اڑتیس لاکھ (43800000) روپے خرچ ہوتے ہیں۔[1]

ہسپتال کا قیام

اس خانقاہ میں بھی بابا فریدؒ شفاخانہ کے نام سے ایک ہسپتال موجود ہے۔ یہ ہسپتال اگرچہ اتنا بڑا نہیں ہے تاہم پھر بھی یہاں بہت سے آنے والے زائرین اور اہلِ علاقے کے مستحق اور غریب مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ علاج معالجے کی مدّ میں ہونے والے تمام اخراجات کی تکمیل کا ذریعہ اس خانقاہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کے سبب ممکن ہوتا ہے۔

جہیز فنڈ

حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے جہاں دیگر بہت سے رفاہی و فلاحی کام پایا تکمیل تک پہنچتے ہیں اور بہت سے جاری و ساری ہیں وہاں اس خانقاہ سے حاصل شدہ آمدنی سے غریب، یتیم اور بے سہارہ بچیوں کی

1 اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، ص82

شادی کے اخراجات کے ضمن میں اور جہیز وغیرہ کے لیے مالی امداد دی جاتی ہے۔اس فنڈ سے سالانہ تقریباً ایک سو پچاس بچیوں کی شادی کے لیے مالی مدد فراہم کی جاتی ہے۔[1]

دربارِ عالیہ موہڑہ شریف (مری) کے سماجی منصوبے

صوبہ پنجاب کی حسن و جمال سے بھرپور اور دلکش وادی کوہ مری میں موجود خانقاہ **دربارِ عالیہ موہڑہ شریف** ہزاروں لاکھوں عقیدت مندوں کی عقیدتوں کا مرکز ہے۔ یہ خانقاہ حکومتی سرپرستی سے آزاد نجی حیثیت میں آنے والے عقیدت مندوں اور زائرین کی روحانی اصلاح اور تزکیے کے ساتھ ساتھ بنیادی انسانی ضروریات کی تکمیل کا سبب اور ذریعہ ہے۔ خانقاہ کے زیرِ انتظام درج ذیل سماجی خدمت کے منصوبے شروع کیے گئے ہیں جو علاقے کے لوگوں کی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کر کے معاشی ترقی کا سبب بن رہی ہے۔

قاسمیہ زاہدیہ ہسپتال

ملک کی دیگر معروف و مصروف خانقاہوں کی طرح اس خانقاہ میں بھی قاسمیہ زاہدیہ کے نام سے دور دراز سے آنے والے مریدوں، عقیدت مندوں اور زائرین کے علاج معالجے کے لیے ایک شاندار ہسپتال قائم کیا گیا ہے۔ یہ خانقاہ مری شہر سے تقریباً سات آٹھ کلو میٹر نیچے ہے جس کے ارد گرد کئی گاؤں اور دیہات واقع ہیں لہٰذا ان مقامی لوگوں اور زائرین کی طبّی اور صحت کی جملہ بنیادی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ یہی ہسپتال ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر یہاں درجنوں افراد کا مکمل فری علاج کیا جاتا ہے۔

خانقاہ میں منعقد ہونے والے اعراس اور دیگر تقریبات کے مواقع پر سینکڑوں ہزاروں افراد اس شفاخانے سے مستفید ہوتے ہیں۔ خانقاہ کے ولیِ عہد صاحبزادہ پیر گوہر نظیر خود ایک میڈیکل ڈاکٹر ہیں اور ان کے ساتھ کچھ اور افراد پر مشتمل عملہ اس ہسپتال میں انسانیت کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔

---

[1] اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، ص 83

لنگر خانے کا قیام

دیگر تمام بڑی اور مصروف سرکاری خانقاہوں کی طرح نجی حیثیت سے قائم خانقاہوں میں بھی لنگر خانوں کا بہترین انتظام موجود ہوتا ہے۔ بلکہ سرکاری خانقاہوں کی نسبت زیادہ منظم، بہتر اور وسیع پیمانے پر انتظام موجود ہوتا ہے۔ یوں اس خانقاہ میں بھی لنگر خانے کا انتہائی منظّم اور وسیع انتظام موجود ہے۔ لنگر خانے کا پورا انتظام ایک مقرر کردہ خلیفہ کی سرپرستی میں چند افراد پر مشتمل عملے کے سپرد ہوتا ہے۔ ہفتے کے تمام دنوں میں زائرین کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے جن کے کھانے پینے کا انتظام اسی لنگر خانے سے پورا ہوتا ہے۔ کچھ مخصوص دنوں میں اور اعراس کے دنوں میں لنگر خانے میں کئی ہزار افراد کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ یہ تمام امور خانقاہ سے حاصل شدہ آمدنی کے سبب انجام پاتے ہیں۔

رہائش اور بنیادی ضروریات کا انتظام

خانقاہ میں دور دراز علاقے سے آنے والے زائرین، مریدین، مسافروں اور عقیدت مندوں کے لیے مستقل اور عارضی رہائش، لباس، کھانے پینے کی ضروریات اور دیگر بنیادی انسانی ضروریات کا مکمل انتظام اس خانقاہ میں موجود ہے۔ کئی بیوہ، یتیم بچے بچیاں اور دیگر بے سہارا افراد یہاں مستقل اور عارضی طور پر رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ ان کی جملہ بنیادی ضروریات کی تکمیل خانقاہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کے ذریعے پوری کی جاتی ہیں۔

خواجہ بہاءالدین زکریا ملتانی کی معاشی خدمات

اولیائے ملتان کے مصنف مشہور و معروف صوفی بزرگ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: آپؒ کے یہاں زراعت و تجارت بڑے پیمانے پر ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ملازم، گماشتے اور کارندے تھے جو اس کام کو انجام دیا کرتے تھے جس سے کثیر آمدنی آتی تھی۔ یہ آمدنی اخراجاتِ خانہ داری، غرباء و مسکین کی خبر گیری اور رفائے عامہ کے کاموں میں صرف ہوتی تھی۔[1]

---

[1] گیلانی، محمد اولاد علی، سید، اولیائے ملتان، سنگِ میل پبلیشرز، لاہور، 1964ء، ص139

آپؒ انتہائی مال دار تھے لیکن اس کے باوجود مال کی محبت ان کے دل میں نہیں تھی اور نہ ہی یہ مال و دولت ان کو راہِ خدا اور یادِ خدا سے دور کرتا تھا۔ چناچہ منقول ہے کہ آپؒ مال کے بارے میں فرماتے تھے:

"دنیا کا مال جتنا بھی ہو قلیل ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: (قل متاع الدنیا قلیل) اور سانپ کی صحبت اس شخص کو نقصان پہنچاتی ہے جو اس کا افسون نہ جانتا ہو۔ میرے نزدیک مالِ دنیا کی کوئی حقیقت نہیں یہ تو میرے رخسارہِ حال کا خال ہے۔"[1]

دنیا کا مال و دولت ہونے کے باوجود اس کی محبت دل میں نہ ہونا یہی چیز انسان کو اللہ کے قریب کر دیتی ہے۔ مال و دولت سے بے نیازی کے حوالے سے اولیائے ملتان کے مصنف رقمطراز ہیں: ایک روز آپؒ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ خادم نے آکر خبر دی کہ وہ صندوقچہ جس میں پانچ ہزار دینار سرخ تھے، غائب ہو گیا ہے۔ آپؒ نے سن کر فرمایا: الحمد للہ، پھر چند روز کے بعد خادم نے آکر اس صندو قچے کے بارے میں خبر دی کہ وہ سامن کے نیچے دب گیا تھا جو مل گیا ہے۔ آپؒ نے پھر فرمایا: الحمد للہ۔ حاضرین کے استفسار پر فرمایا فقیروں کے نزدیک مالِ دنیا کا عدم و وجود ایک جیسا ہے۔ اور اسی وقت صندوقچہ منگوا کر پانچ ہزار دینار فقیروں میں صدقہ کر دیا۔[2] آپؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب تاتاریوں نے 655ء میں قلعہ ملتان پر قبضہ کر کے اس کے استحکام کو برباد کر دیا تو شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ نے اہلِ ملتان کو قتل و غارت سے بچانے کے لیے ایک لاکھ دینار اپنے خزانے سے دیئے۔

پاکستان کی تقریباً تمام سرکاری اور نجی درگاہوں، مزارات اور خانقاہوں میں ایسے بہت سے سماجی فلاح و بہبود کے کام کیے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ تمام خانقاہیں اور ان میں انجام پانے والے سماجی فلاح و بہبود کے امور انفرادی اور مجموعی طور پر، بلخصوص متعلقہ علاقوں اور بالعموم پورے شہر اور ملک کی معیشت کی بہتری اور ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خانقاہوں میں قائم کردہ لنگر خانوں سے روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں غریب اور نادار افراد کھانا کھاتے ہیں۔ سینکڑوں ایسے غریب افراد جو بیماری کی صورت میں اپنے علاج کی طاقت نہیں رکھتے وہ ان خانقاہوں میں قائم کردہ ہسپتالوں اور شفاخانوں

---

1 اولیائے ملتان، ص140

2 ایضاً

سے مفت علاج کرواتے ہیں۔ بہت سے غریب اور نادار خاندانوں کے بچے بچیاں ان خانقاہوں میں قائم کردہ مختلف تعلیمی داروں سے اپنی علمی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ بیسیوں خاندان ان خانقاہوں کی طرف سے قائم کردہ جہیز فنڈ کی صورت میں ملنے والی مالی امداد سے اپنی بچیوں کی شادی کا انتظام کرتے ہیں۔ سینکڑوں خاندانوں کا روزگار ان خانقاہوں اور ان میں آنے والے زائرین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ان تمام پہلوؤں سے اگر ان خانقاہوں اور مزارات کی معاشی و اقتصادی خدمات کو دیکھا جائے تو یقیناً یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ خانقاہیں مخصوص علاقوں، شہروں اور پھر مجموعی طور پر پورے ملک کی ترقی اور بہتری میں نہایت اہم کردار ادا کرتیں ہیں۔

باب چہارم

عصرِ حاضر میں پاکستان کا خانقاہی نظام اور معروف صوفیاء کرام

(ایک تجزیاتی مطالعہ)

فصل اول: خانقاہی نظام کا تعارف، آغاز وارتقاء اور اہمیت وافادیت

فصل دوم: سلاسلِ تصوف کی اہم خانقاہیں اور مراکز پاکستان کے تناظر میں

فصل سوم: عصرِ حاضر میں سلاسلِ تصوف کے معروف صوفیاء کرام اور تعلیمات

فصل چہارم: عصرِ حاضر کے اہم مسائل میں خانقاہی نظام کے کردار کا جائزہ

باب چہارم

عصرِ حاضر میں پاکستان کا خانقاہی نظام اور معروف صوفیاء کرام

(ایک تجزیاتی مطالعہ)

اللہ تعالیٰ کے پیغام اور دینِ اسلام کی روشنی کو گم کردہ راہوں تک پہنچانے کے لیے ابتداء اسلام سے ہی مسلمانوں کے ہر طبقے اور گروہ نے اپنی بساط کے مطابق اس عظیم مشن میں اپنا حصّہ ڈالا ہے۔ اس سلسلے میں مفسرین، محدثین، فقہاء کرام اور صوفیاء کرام نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اپنے اپنے ادوار اور علاقوں میں مخصوص حالات و واقعات اور لوگوں کے مزاج کے مطابق مختلف انداز اور طریقوں سے دینِ اسلام کو پھیلانے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ انہی عظیم ہستیوں کی پرخلوص کوششوں کی بدولت دینِ اسلام عرب کے صحراہوں سے نکل کر یورپ، افریقہ اور برصغیر تک پہنچا اور پھر دنیا کا کونہ کونہ دینِ اسلام کی پاکیزہ روشنی سے منوّر ہوگیا۔ برصغیر پاک وہند میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے ایک اہم ذریعہ خانقاہی نظام تھا۔ صوفیاء کرام نے برصغیر میں اپنی آمد کے ساتھ ہی دینِ اسلام کی تبلیغ اور خدمتِ خلق کی غرض سے ایک انتہائی شاندار نظام کی بنیاد رکھی جو معروف معنوں میں خانقاہی نظام کہلاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس نظام نے برصغیر پاک وہند میں اشاعتِ اسلام اور خدمتِ خلق کے ضمن میں ایسی روشن مثالیں چھوڑیں جن پر بجا طور پر ناز کیا جاسکتا ہے۔ اس باب میں بطورِ خاص پاکستان کے خانقاہی نظام کے آغاز وارتقاء، تاریخ اور اس کی معاشرتی وسماجی اور دینی و مذہبی اہمیت وافادیت کے بیان کے ساتھ ساتھ پاکستان کے تناظر میں سلاسلِ اربعہ کی مشہور و معروف خانقاہیں اور معروف صوفیاء کرام اور ان کی تعلیمات اور دورِ جدید کے مسائل اور ان کے حل میں خانقاہی نظام کی کوششوں کے حوالے سے تحقیق کی گئی ہے۔ ان تمام حوالوں سے بحث و تحقیق کے لیے اس باب کو مندرجہ ذیل چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول: خانقاہی نظام کا تعارف، آغاز وارتقاء اور اہمیت وافادیت

فصل دوم: سلاسلِ تصوف کی اہم خانقاہیں اور مراکز پاکستان کے تناظر میں

فصل سوم: عصرِ حاضر میں سلاسلِ تصوف کے معروف صوفیاء کرام اور تعلیمات

فصل چہارم: عصرِ حاضر کے اہم مسائل میں خانقاہی نظام کے کردار کا جائزہ

فصل اول

خانقاہی نظام کا تعارف، آغاز وار تقاء اور اہمیت وافادیت

بر صغیر پاک وہند میں اشاعتِ اسلام کے بہت سے ذرائع بیان کیے جاتے ہیں جن میں مسلمان تاجر اور صوفیاء کرام کی آمد اہم شمار کیے جاتے ہیں۔ بر صغیر کے اس خطے میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے مؤخر الذکر ذریعہ ایک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اس خطے میں اپنی آمد کے ساتھ ہی مقامی لوگوں کی نفسیات، معاشرتی رسوم ورواج، باہمی تعلقات اور عقائد و نظریات کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور ایک ایسا تبلیغی اور اصلاحی نظام متعارف کروایا جو ایک طرف خالص اسلامی اصولوں اور نظریات پر مبنی تھا اور دوسری طرف مقامی لوگوں کی نفسیات کے عین مطابق۔ یہ نظام اپنے معروف معنوں میں تصوف یا خانقاہی نظام سے جانا جاتا ہے۔

بر صغیر کی تاریخ کے حوالے سے یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس سرزمین میں اسلام جس تلوار سے پھیلا وہ صوفیاء کرام کے اخلاق اور بلند کردار کی تلوار تھی۔ صوفیاء کرام نے اشاعتِ اسلام اور معاشرتی اصلاح کے لیے خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نظام نے بر صغیر کے لوگوں کو کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر دائرہ اسلام میں داخل کر دیا۔ نیز ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں سے تمام موجودہ خرابیوں کو دُور کر کے ایک انتہائی مہذب اور صالح معاشرے کی بنیاد رکھی۔ اس فصل میں صوفیاء کرام کے مرتب کردہ اسی خانقاہی نظام کی تاریخ اور اس نظام کی انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی خدمات، کردار اور اثرات کو بیان کیا جائے گا۔ اس حوالے سے اس فصل کو درج ذیل مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: خانقاہی نظام تعارف اور معنیٰ ومفہوم

بحث دوم: خانقاہی نظام کا آغاز وار تقاء

بحث سوم: خانقاہی نظام کی اہمیت وافادیت

بحث اوّل

خانقاہی نظام: تعارف اور معنیٰ و مفہوم

معروف معنوں میں خانقاہ وہ جگہ ہے جہاں راہب، صوفی اور درویش قسم کے تارکِ دنیا لوگ گوشہ نشینی اختیار کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ خانقاہ عموماً کسی بزرگ کی قیام گاہ، قبر یا مزار پر بنائی جاتی ہے۔ لفظِ خانقاہ دو الفاظ "خان" اور "قاہ" کا مرکب ہے۔ لفظِ خان بمعنیٰ بزرگ اور قاہ بظاہر فارسی لفظ گاہ سے بگڑا ہوا ہے۔ جس کے معنیٰ کسی زندہ بزرگ کی جائے قیام یا مردہ آدمی کے مزار کے ہیں۔[1] لغوی معنیٰ کی مناسبت سے تصوف کی اصطلاح میں عام طور پر لفظِ خانقاہ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عبدالصمد صارم خانقاہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "خانقاہ کی اصل فارسی لفظ "خانگاہ" ہے۔ یعنی سردار کے رہنے کی جگہ۔ اہلِ عرب نے اسے معرب کر کے خانقاہ بنالیا۔"[2]

گویا اس سے مراد ایسی جگہ یا مقام ہے جو کسی سردار یا کسی بزرگ کی جائے قیام ہو جہاں وہ اپنے متعلقین، مریدین اور شاگردوں کی تربیت کا انتظام کرتا ہے۔ اردو زبان و ادب کی ایک معروف لغت "اردو لغت تاریخی اصولوں پر" بھی اسی معنیٰ کی تاہید کرتی ہے۔

> "خانقاہ سے مراد درویشوں اور صوفیوں کی عبادت گاہ، مسیحی عبادت خانے سے متعلق راہبوں کا مسکن نیز بدھ مذہب کے ٹوبے لیے گئے ہیں۔"[3]

اس اقتباس سے خانقاہ کا مفہوم اور اس کی وسعت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ یہ لفظ درویشوں اور صوفیاء کی جائے قیام و عبادت کے علاوہ مسیحی عبادت خانوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے تاہم اہلِ تصوف کے ہاں اس سے مراد صوفیاء کے قائم کردہ تربیتی مراکز ہی ہیں۔ انسائکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق خانقاہ کا معنیٰ درج ذیل ہے:

---

[1] اردو دائرہ معارفِ اسلامی، دانش گاہِ پنجاب، پنجاب یونیورسٹی لاہور، 1986، ج4ص668

[2] صارم، عبدالصمد، تاریخِ تصوف، جید برقی پریس دہلی، ص317

[3] اردو لغت تاریخی اصولوں پر، اردو لغت بورڈ کراچی، 1987ء، ج8ص416

"خانقاہ فارسی کا لفظ ہے جس سے مراد عموماً ایک ایسی عمارت ہے جو سلسلہ تصوف میں مسلم صوفیوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔"[1]

درج بالا اقتباسات کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خانقاہ ایک ایسی جگہ یا مقام ہے جہاں کچھ خاص اہل اللہ اپنے مخصوص اصولوں اور طریقوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کا انتظام کرتے ہیں، اپنے متعلقین کی روحانی و باطنی، انفرادی و اجتماعی اور معاشرتی و سماجی اصلاح اور تربیت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں نیز دینی علوم و تربیت کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے اور سماجی خدمت کے تمام پہلوؤں کو بھی مدِّ نظر رکھ کر غریبوں و ناداروں کی بنیادی ضروریات مثلاً خوارک و رہائش وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔

[1] انسائکلوپیڈیا آف اسلام، برل پبلیشرز، 1954، ج4 ص1025

بحث دوم

خانقاہی نظام کا آغاز وار تقاء

خانقاہ کا تصور اسلام سے بہت پہلے کا ہے۔ تاریخی طور پر پہلے پہل تقریباً چوتھی صدی ہجری میں خانقاہ کے وجود کا تصور ملتا ہے۔ سب سے پہلے شام میں رملہ کے مقام پر پہلی خانقاہ کی تعمیر کے آثار ملتے ہیں جس کو ایک عیسائی رئیس نے تیار کروایا تھا۔ مرائۃالاسرار میں ہے:

"ایک عیسائی رئیس شکار کے لیے نکلا جنگل میں اس نے دو مسلمان بزرگوں کو آپس میں گلے ملتے اور اکٹھے کھانا کھاتے دیکھا، وہ بہت متعجب ہوااور پوچھاتم کون ہو؟ انھوں نے کہاہم طریقت کے بھائی ہیں چناچہ اس رئیس نےان کے لیے خانقاہ تعمیر کروادی۔"[1]

عبدالرحمان جامیؒ نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ اسلام میں اولین خانقاہ شام میں تعمیر کی گئی تھی۔

"اول خانقاہی کہ برائے صوفیاں بناکردند آنست کہ بر ملہ شام کردن"[2]

(پہلی خانقاہ شام میں رملہ کے مقام پر صوفیوں کے لیے بنائی گئی)

پھر خانقاہوں کی تعمیر کارواج بڑھتا گیا یہاں تک کہ سلجوک عہدِ حکومت میں (459ھ) میں رباط (خانقاہ) کا عام رواج ہوا۔ قاہرہ کا باب السعید بھی خانقاہ کے نام سے مشہور تھا۔[3] ہندوستان میں غوریوں کے بعد خانقاہوں کو عروج ملا۔ اور وسیع پیمانے پر خانقاہی سلسلوں کا آغاز ہوا۔ دو نئے روحانی سلسلوں چشتیہ اور سہر وردیہ کی بنیاد وسط ایشیاء سے آنے والے بزرگوں نے رکھی جس سے جلد ہی خانقاہوں کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہو گیا۔[4]

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب برصغیر میں صوفیاء کی آمد کا سلسلہ بڑھتا گیا تو انہوں نے تبلیغ واشاعت اسلام کے سلسلے کا آغاز کرنا چاہاتو پہلے خانقاہوں کی بنیاد رکھی، انہی خانقاہوں میں آنے والوں کہ دعوتِ دین پیش کی جاتی تھی۔

---

[1] عبدالرحمٰن چشتی، مراۃالاسرار، ضیاءالقرآن پبلیشرز، لاہور، 1993، ص37

[2] جامی، عبدالرحمن، نفحات الانس، ادارہ پیغامِ قرآن، لاہور، 1997، ص22

[3] صارم، عبدالصمد، تاریخِ تصوف، 318

[4] انسئیکلوپیڈیاآف ریلیجن، ج4ص1026

برصغیر میں خانقاہوں کا آغاز صوفیاء کرام کی آمد سے شروع ہوا اور تا حال جاری ہے۔ اگر اس خاص علاقے اور خطے (برصغیر) کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں اشاعتِ اسلام میں اس خانقاہی نظام نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

بحث سوم

خانقاہی نظام کی اہمیت وافادیت

بر صغیر میں بلا شعبہ تبلیغ واشاعت کے جملہ ذرائع میں سے سب سے اہم اور مؤثر ذریعہ صوفیا کرام کی تبلیغی کوششیں تھیں۔ صوفیاء کرام کی ان تبلیغی سر گرمیوں کا مرکز و محور ان کی قائم کردہ خانقاہیں ہی تھیں۔ صوفیاء کرام عموماً جب کسی جگہ پر جاتے اور اس کو اپنا مسکن بناتے تو سب سے پہلے وہاں ایک تربیت گاہ قائم کی جاتی جو عام معنوں میں خانقاہ کہلاتی تھی۔ اس تربیت گاہ میں وہ اپنے مریدوں کی خاص طور پر اور تمام افرادِ معاشرہ کی عام طور پر اخلاقی تربیت کرتے تھے۔ صوفیاء کرام کے اس خانقاہی نظام سے وابستہ افراد کی زندگیاں بدلنے کی تاریخ شاہد ہے۔ بر صغیر کے تناظر میں دیکھا جائے تو اشاعتِ اسلام، تزکیہ نفس، معاشرتی اصلاح اور امن وامان کے قیام میں ان خانقاہوں کی اہمیت وافادیت ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ صوفیاء کرام کی قائم کردہ ان خانقاہوں کی افادیت واہمیت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے۔

تبلیغ واشاعتِ اسلام کا ذریعہ

دنیا میں اسلام کی اشاعت اور پھیلاؤ کے کیا کیا عوامل واسباب تھے جن کے سبب دینِ اسلام انتہائی سرعت و تیزی کے ساتھ دنیا کے اکثر علاقوں تک پہنچ گیا؟ ان سوالات کے جوابات میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ اہلِ اسلام اور مسلمان اشاعتِ اسلام کے بنیادی عوامل میں خود دینِ اسلام کی جاذبیت وکشش، توحید، فطرت سے مطابقت، پیش آمدہ جدید مسائل کے حل کی اہلیت اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں، اخوت وبھائی چارہ، امن وسلامتی، مساواتِ انسانی عدل وانصاف وغیرہ کو شامل کرتے ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس اہلِ یورپ اور مستشرقین اسے ظلم وجبر، طاقت وسطوت، جنگ وجدل اور قتال وجہاد کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ایک طویل عرصے تک یہی بحث و نزاع جاری رہی پھر بیسویں صدی میں میں ایک انگریز مصنف

پروفیسر آرنلڈ نے اس بحث کو ایک نیا رخ دیا اور اپنی تحقیق کے ذریعے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قتال و جہاد اور طاقت و جبر کے برعکس زیادہ تر دینِ اسلام پُرامن ذرائع کے ساتھ پھیلا۔[1]

برصغیر پاک وہند میں تصوف اور خانقاہی نظام دیگر ممالک اور علاقوں کی نسبت زیادہ شہرت اور اہمیت رکھتا ہے۔ اس شہرت اور اہمیت وافادیت کی دیگر وجوہ کے ساتھ ساتھ ایک اہم وجہ اور سبب دینِ اسلامی کی تبلیغ واشاعت ہے۔ یہاں کی آبادی کی اکثریت اسی خانقاہی نظام اور اس سے منسلک صوفیائے کرام کی کی تبلیغی کوششوں کے سبب دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی اسی لیے عوام وخواص میں اس نظام کو زیادہ شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ برصغیر پاک وہند میں تصوف اور خانقاہی نظام کی یہی بنیادی اہمیت ہے کہ یہاں اسی خانقاہی نظام کے ذریعے عوام کی اکثریت کی زندگیوں میں انقلاب پیدا ہوا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی برصغیر پاک وہند میں اشاعت اسلام کے حوالے سے مجاہدین کے ساتھ ساتھ صوفیائے کرام اور ان کے خانقاہی نظام کو ایک بڑا سبب اور ذریعہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا باعث مجاہدینِ اسلام کی شجاعت و ایثار ہی نہ تھا بلکہ اس کا بڑا سبب صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی روحانیت بھی تھی جن کی خاموش رشد و ہدایت نے اسلام ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔"[2]

صوفیائے کرام نے برصغیر پاک وہند کے مخصوص حالات اور رسوم ورواج کے مطابق اپنے مخصوص انداز اور طریقوں سے دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے کوششیں کیں۔ برصغیر پاک وہند کے اکثر مؤرخین نے خطے میں تبلیغ و اشاعتِ دین کے ضمن میں ہمیشہ سے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی ان کاوشوں کو تحسین کی نظر سے دیکھا اور ان کو

---

[1] پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں جنوبی ایشاء میں اور خصوصاً برصغیر پاک وہند کے علاقوں میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے تحقیق کی اور یہ نتیجہ نکالا کہ ان علاقوں میں اشاعت وتبلیغِ اسلام میں سب سے زیادہ صوفیائے کرام اور خانقاہی نظام کا حصہ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (پریچنگ آف اسلام ص 260 سے آگے)

[2] تاریخِ تصوف، ص 140

تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیا۔ ان ہی مؤرخین میں سے ایک اہم نام ڈاکٹر عبدالمجید سندھی [1] کا بھی ہے۔ موصوف کے نزدیک ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے مسلم حکمرانوں کی نسبت اشاعتِ اسلام میں صوفیائے کرام کی کوششیں زیادہ لائقِ تحسین ہیں۔ موصوف اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام کے ذریعے سے جس قدر اشاعتِ اسلام ہوئی وہ مسلمان امراء اور حکمرانوں سے نہ ہو سکی۔ صوفیائے کرام نے اس سلسلے میں کسی جبر سے کام نہیں لیا بلکہ رواداری اور وسعتِ نظر سے کام لیتے ہوئے اپنے حسنِ اخلاق، خلوص اور محبت سے لوگوں کو متاثر کیا۔ اس طرح انھوں نے ابلاغِ دین اور فروغِ دین کا فریضہ بڑی خوبی سے سرانجام دیا"[2]

برصغیر میں خاص طور پر صوفیاء کرام کی خانقاہوں نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام میں ایک اہم اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں ذات پات کے فرق کی وجہ سے انسانی احترام و مساوات پر مبنی اس خانقاہی نظام کو تبلیغِ اسلام کے لیے ایک سازگار ماحول ملا۔ خانقاہی نظام نے اس ماحول سے بہتر طور پر فائدہ اٹھایا اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کے دلوں میں توحید کی شمع روشن کی۔ ڈاکٹر عبدالمجید سندھی ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے صوفیائے کرام کی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام کے ذریعے سے جس قدر اشاعتِ اسلام ہوئی وہ مسلمان امراء اور حکمرانوں سے نہ ہو سکی۔ صوفیائے کرام نے اس سلسلے میں کسی جبر سے

---

[1] آپ کا اصل نام ڈاکٹر عبدالمجید میمن تھا۔ لیکن عبدالمجید سندھی کے قلمی نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ 11 فروری 1931 کو صوبہ سندھ کے ضلع شکارپور میں پیدا ہوئے۔ بنیادی طور پر ایک محقق، نقاد، مؤرخ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ اردو اور سندھی زبان کے ماہر تھے۔ حکومت پاکستان نے ان کو ادبی اور تصنیفی خدمات کے اعتراف میں تمغۂ امتیاز عطا کیا۔ آپ کی چند مشہور تصانیف میں سندھی ادب کی مختصر تاریخ، سندھی اداب جو تاریخی جائزو، تذکرہِ شہباز، تذکرہِ شعراء سکھر اور سندھی نعتیہ شاعری قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے 11 ستمبر 1996ء کو لاڑکانہ میں وفات پائی۔

[2] میمن، عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2000ء، ص28

کام نہیں لیا بلکہ رواداری اور وسعتِ نظر سے کام لیتے ہوئے اپنے حسنِ اخلاق، خلوص اور محبت سے لوگوں کو متاثر کیا۔اس طرح انھوں نے ابلاغِ دین اور فروغِ دین کا فریضہ بڑی خوبی سے سرانجام دیا"[1]

تبلیغ واشاعتِ دین کے سلسلے میں صوفیائے کرام اور خانقاہی نظام کی مؤثر کاوشوں کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ باب میں گزر چکا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح ایّامِ ماضی میں برصغیر پاک وہند میں صوفیائے کرام اور خانقاہی نظام نے دینی ومذہبی حوالے سے بے پناہ خدمات سرانجام دیں ہیں اسی طرح عصرِ حاضر میں بھی خانقاہی نظام اپنی یہی ذمہ داریاں نبھائے ہوئے ہے۔ دورِ جدید میں جہاں ہر طرف افراتفری، بدامنی اور دہشت گردی اپنے عروج پر ہے ایسے حالات میں اشاعت وتبلیغ اسلام اور مذہبی ودینی علوم کی ترویج واشاعت کے لیے تصوف اور خانقاہی نظام کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

جنوبی ایشیاء اور خصوصاً برصغیر پاک وہند میں تصوف، صوفیائے کرام اور خانقاہی نظام کے ذریعے اسلام کو عروج ملا اور اسلام ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ گیا۔ یہاں کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد خانقاہی نظام اور صوفیائے کرام سے محبت وعقیدت رکھتی ہے اور عصرِ حاضر میں بھی صوفیائے کرام اور ان کا یہ خانقاہی نظام تبلیغِ دین واشاعت اسلام کے حوالے سے اپنی یہی اہمیت وافادیت قائم رکھے ہوئے ہے۔ دورِ جدید میں بھی پاکستان کا خانقاہی نظام بڑی حد تک اپنے ان فرائض کی انجام دہی میں سرگرداں اور کوشاں ہے۔

روحانی واخلاقی اصلاح کا ذریعہ

صوفیاء کرام کے نزدیک خانقاہ کی تعمیر کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ایسی جگہ کا حصول تھا جہاں وہ اپنے اصولوں اور طریقوں کے مطابق افرادِ معاشرہ کی روحانی اور اخلاقی تربیت کر سکیں۔ خانقاہی نظام نے برصغیر کے اس ذات پات میں تقسیم معاشرے کے افراد کی ہر طرح سے روحانی اور اخلاقی تربیت کی۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"صوفیاء کرام اپنے پاس آنے والوں کی روحانی تربیت کا اسی خانقاہ میں بطورِ خاص اہتمام کرتے تھے۔ یوں خانقاہیں ایک تربیت گاہ کے طور پر مشہور تھیں۔"[2]

---

[1] پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص28

[2] تاریخِ مشائخِ چشت، ص278

صوفیاء کرام خود بھی اعلیٰ اخلاقی اقدار سے متصف ہوتے تھے اور اپنے متعلقین کو انہی اقدار کا درس دیتے تھے۔ انہی لوگوں کی کوششوں سے بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی۔

غریبوں اور ناداروں کا مسکن

ہر معاشرے میں میں کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جو انتہائی ابتری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان کی مالی حالت ایسی ہوتی ہے کی دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کو چھت تک نصیب نہیں ہوتی۔ برصغیر میں صوفیاء کی آمد ایسے لوگوں کے لیے ایک رحمت ثابت ہوئی۔ صوفیاء کرام کا خانقاہی نظام ایسے افراد کی نہ صرف روحانی واخلاقی تربیت کرتا تھا بلکہ ان کی بنیادی ضروریات جیسے رہائش، کھانا پینا، لباس تعلیم وغیرہ کے حصول کا بھی ایک ذریعہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صوفیائے کرام کا قائم کردہ یہ خانقاہی نظام اپنے قیام سے لے کر آج تک سینکڑوں لاکھوں ناداروں اور بے کسوں کی تمام دینی، علمی، مادی اور روحانی ضرورتوں کا ضامن رہا ہے۔ صوفیائے کرام کے قائم کردہ اس خانقاہی نظام کے بنیادی مقاصد کے حوالے سے پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> "جن دین دار لوگوں کا کوئی مسکن وماویٰ نہ ہوتا تھا وہ ان خانقاہوں میں قیام کرتے تھے اور خود کو دینی جدوجہد کے لیے وقف کر دیتے تھے۔"[1]

خانقاہوں میں ایسے نادار اور غریب افرادِ معاشرہ کی جملہ تعلیمی و تربیتی ضروریات کے علاوہ ان کی تمام بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کا مکمل نظام موجود ہوتا تھا۔ اس جدید اور ترقی یافتہ دور میں بھی پاکستان اور ہندوستان کے بہت سے افراد کا مسکن وماویٰ یہی خانقاہیں ہیں۔

معاشرتی امن اور رواداری کے فروغ کا ذریعہ

معاشرتی امن اور رواداری ایسی اقدار ہیں جن کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ جس معاشرے میں امن و امان نہیں ہوتا اور جہاں ہر طرف بے چینی، بے سکونی اور افراتفری کا ماحول ہوتا ہے وہ معاشرہ کبھی بھی ترقی کی منازل نہیں طے کر سکتا۔ معاشرتی امن وامان کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر صوفیاء کرام نے اپنے خانقاہی نظام کے ذریعے سب سے پہلے

---

[1] تاریخِ مشائخِ چشت، ص278

یہاں امن و رواداری کو فروغ دیا اور لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی پھر انھی لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی تو لوگوں نے صوفیاء کرام کے اس عملی کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔

برصغیر میں ہر دور میں معاشرتی امن وامان کے لیے ہر سطح پر انفرادی اور اجتماعی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ امن و رواداری کی ان کثیر الجہت کوششوں میں خانقاہی نظام نے ہر دور میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ صوفیاء کرام نے زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے عوام الناس کو یہ درس دیا کہ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال رکھیں۔ صبر و تحمل، رواداری اور برداشت ، جیسی عمدہ معاشرتی اقدار کو اپنا ئیں تا کہ معاشرے میں امن وامان قائم ہو سکے۔ برصغیر کے خانقاہی نظام میں معاشرتی امن اور رواداری کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ صوفیاء کرام نے ہمیشہ اپنی دعوت اور اپنے پیغام میں امن و رواداری کو مرکزی اہمیت دی۔ یہی وجہ تھی کہ برصغیر جو مختلف قوموں ، مذاہب اور رسوم و رواج کے حامل لوگوں پر مشتمل خطہ تھا، صوفیا کرام کی کوششوں سے صدیوں امن کا گہوارہ بنا رہا۔

مسلم حکمران شہاب الدین غوری نے جب خواجہ معین الدین چشتی کے روحانی حکم پر پرتھوی راج کو شکست دینے کے لیے ہندوستان پر حملہ کیا اور پرتھوی راج قتل ہوا۔ خواجہ معین الدین نے شہاب الدین کو مشورہ دیا کہ راجہ کولہ جو پرتھوی راج کا بیٹا تھا کو اجمیر کا حاکم بنایا جائے۔ خواجہ کے حکم پر راجہ کولہ کو اجمیر کا حاکم بنایا گیا جس کی وجہ سے اجمیر میں امن وامان قائم ہوا۔[1]

اسلامی تہذیب و ثقافت کے نشان

برصغیر کے معاشرے میں صوفیاء کرام کے خانقاہی نظام نے تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ یہاں کی تہذیبی و ثقافتی ترقی میں بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ خانقاہیں بذاتِ خود آج تک اسلامی ثقافت کا نشان سمجھی جاتی ہیں۔ بہت سے صوفیاء کرام نے یہاں اپنے ساتھ بہت سے ہنر مند افراد کو بھی لایا جنہوں نے یہاں بہت سے علوم وفنون کو متعارف کروایا۔ قرونِ وسطیٰ میں خانقاہیں مختلف تہذیبی و ثقافتی روایات کے فروغ کا ذریعہ بھی تھیں۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

[1] محمد قاسم فرشتہ، تاریخِ فرشتہ، مشتاق بک کارنر، لاہور، 2008ء ج1 ص157

"قرون وسطیٰ میں خانقاہ اسلامی تصوف کے مراکز کی حیثیت سے اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز سمجھی جاتی تھیں۔"[1]

ایران سے آئے ہوئے صوفیاء کرام کے ساتھ نقّاش، معمار اور مصوّر بھی آئے جنہوں نے یہاں ان فنون کو متعارف کروایا۔ یوں خانقاہی نظام سے وابستہ ان افراد نے یہاں کی تہذیب و ثقافت کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ صابر آفاقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"شاہ ہمدان کا اسلامی مشن پر مشتمل قافلہ کئی طرح کی دستکاریاں اور صنعتیں ایران سے کشمیر لے کر آیا۔ اس طرح ایران کے ہنر معماری، نقاشی و مصوری کو کشمیر میں نکھرنے کا موقع ملا۔ یہ ہنر مسجد و مدرسہ، خانقاہ و قلعہ اور مزار و کاخ میں آشکارا ہوا۔"[2]

اسلامی تہذیب و ثقافت کی ترقی میں صوفیاء کرام اور ان کے خانقاہی نظام کے کردار کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض اپنی کتاب "ایران کبیر و ایران صغیر" میں لکھتے ہیں: سید علی ہمدانیؒ نے کشمیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے جو پر امن اور علمی تحریک شروع کی اس کا پہلا اور نمایاں اثر کشمیریوں کے مذہب اور سماج پر پڑا۔ آپ سے قبل کشمیر عجیب طرح کی ابتری کا شکار تھا۔ آپ نے کشمیر کو مذہبی طور پر سنوارا اور آپؒ نے سرینگر کی مشہور خانقاہِ معلیٰ کو ایرانی خانقاہوں کی طرز پر تعمیر کروایا تھا۔[3]

سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ برصغیر کے اس مخصوص معاشرے میں اشاعتِ اسلام اور معاشرتی اصلاح کے لیے خانقاہی نظام کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ صوفیاء کرام نے برصغیر کے لوگوں کی نفسیات اور معاشرتی رسوم و رواج کا لحاظ کرتے ہوئے جو خانقاہی نظام ترتیب دیا بلا شبہ اس کا مقصد صرف تزکیہ نفس ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ انسانی نفوس کے تزکیے اور تصفیے کے ساتھ دیگر بہت سے مقاصد بھی شامل تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی رائے میں خانقاہی نظام کے مقاصد و فوائد درج ذیل ہیں:

---

[1] تاریخِ مشائخ چشت، ج1 ص278

[2] صابر آفاقی، جلوۂ کشمیر، مشتاق بک کارنر، لاہور، 1988ء ص 123

[3] محمد ریاض، ڈاکٹر، ایران کبیر و ایران صغیر، جنِ ایران کمیٹی، مظفر آباد، ص22

1. **تربیت کے لیے مخصوص مقام:** شیخ کو ایک علیحدہ اور مخصوص مقام پر اپنے مزاج اور اصولوں کے مطابق لوگوں کی اصلاح و تربیت کا موقع مل جاتا تھا۔
2. **اسلامی تہذیب کا فروغ:** قرون وسطیٰ میں خانقاہ اسلامی تصوف کے مراکز کی حیثیت سے اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز سمجھی جاتی تھیں۔
3. **مسکن وماویٰ:** جن دین دار لوگوں کا کوئی مسکن وماویٰ نہ ہوتا تھا وہ ان خانقاہوں میں قیام کرتے اور خود کو دینی جدوجہد کے لیے وقف کر دیتے۔
4. **تربیت گاہ:** صوفیاء کرام اپنے پاس آنے والوں کی روحانی تربیت کا اسی خانقاہ میں بطورِ خاص اہتمام کرتے تھے۔ یوں خانقاہیں ایک تربیت گاہ کے طور پر مشہور تھیں۔
5. **دینی تعلیم:** مشائخ کی خانقاہیں صرف تزکیہ نفس کے لیے خاص نہ تھیں بلکہ وہاں دینی تعلیم کا نظام بھی تھا۔
6. **تزکیہ نفس:** خانقاہیں عموماً تزکیہ باطن وتہذیبِ نفس کی عملی تربیت گاہ ہوتی تھیں۔[1]

تصوف یا خانقاہی نظام کا جو مقصد عام طور پر لوگوں کے ذہن میں آتا ہے وہ صرف تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن سے متعلق ہوتا ہے لیکن اگر بنظرِ غائر صوفیانہ نظام اور تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک مقصد ہے اور بلاشبہ یہی بنیادی اور اوّلین مقصد ہے لیکن اس کے علاوہ بھی صوفیاء اور ان کے اس خانقاہی نظام کی ایسی خدمات ہیں جو ان کے بنیادی مقاصد میں شامل ہیں۔ صوفیاء کرام کی خانقاہوں کے ان مقاصد میں تزکیہ نفس کے علاوہ دینی تعلیم و تربیت، غریبوں، ناداروں اور بے کسوں کی کفالت، ان کے لے رہائش کا انتظام، معاشرتی امن وامان کا قیام، اعلیٰ اخلاقی اقدار کا فروغ اور سماجی و معاشرتی برائیوں کا سدّباب وغیرہ شامل ہیں۔ صوفیائے کرام نے اپنے انہی متعین کردہ مقاصد کے لیے خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی نتیجتاً اس نظام نے لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر بڑے گہرے، دیرپا اور مثبت اثرات مرتب کیے۔ خانقاہی نظام نے نہ صرف اشاعتِ اسلام اور لوگوں کی روحانی اور باطنی اصلاح و تربیت کا فریضہ سرانجام دیا بلکہ ان کی معاشرتی و سماجی خرابیوں کو بھی دور کر کے ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھی۔ ان تمام مقاصد کے حوالے سے دیکھا جائے تو خانقاہی نظام کی اہمیت وافادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

---

[1] تاریخِ مشائخِ چشت، ص278

فصل دوم

سلاسلِ تصوف کی اہم خانقاہیں اور مراکز

اللہ تعالیٰ سے انسان کے تعلق کو جوڑنے اور اسے مستحکم و مضبوط رکھنے کے لیے قائم کردہ خانقاہی نظام میں بہت سے سلاسل ایسے ہیں جو ابتداء ہی سے نہایت ہی منظم و مربوط انداز میں دینِ اسلام اور خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دیتے آئے ہیں۔ ان تمام سلاسلِ تصوف میں سے چند سلسلے ایسے ہیں جنہوں نے برصغیر پاک وہند میں دینی و تبلیغی اور سماجی و معاشرتی خدمات کی وجہ سے شہرت دوام پائی۔ ان میں سلاسلِ اربعہ (سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ) نہایت ممتاز و منفرد مقام رکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا سلاسلِ تصوف نے برصغیر پاک وہند میں اپنے ورود کے ساتھ ہی مختلف علاقوں میں تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے بہت سی خانقاہیں قائم کیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صوفیاء کرام کے قائم کردہ انہی تبلیغی مراکز نے ان علاقوں میں اشاعتِ اسلام کے لیے راہیں ہموار کیں۔

سلاسلِ اربعہ کے خانقاہی نظام اور ان کی دینی و تبلیغی کاوشوں کے ضمن میں اس فصل میں بطورِ خاص ان سلاسل کی قائم کردہ ان خانقاہوں اور مزارات کی تاریخی و تہذیبی اہمیت کا تذکرہ تحقیقی انداز میں کیا جائے گا جو موجودہ پاکستان کا حصّہ ہیں، چاہے یہ خانقاہیں تقسیم ہند سے پہلے قائم کی گئیں یا بعد میں۔ اس حوالے سے بحث کو منظم و مربوط بنانے کے لیے اس فصل کو درج ذیل چار مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: سلسلہ قادریہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات

بحث دوم: سلسلہ چشتیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات

بحث اوّل: سلسلہ سہروردیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات

بحث اوّل: سلسلہ نقشبندیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات

بحث اوّل

سلسلہ قادریہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات

سلسلہ قادریہ برصغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف سلاسل میں سے ایک اہم سلسلہ ہے۔ پاکستان میں اس سلسلے سے منسلک بہت سے اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے اپنی خدمات سے اس کی ترقی و اشاعت میں اپنا کردار ادا کیا۔ سلسلے کی بہت سی خانقاہیں اور مزارات سرکاری سرپرستی میں ہیں اور کچھ نجی حیثیت سے قائم ہیں۔ پاکستان میں اس سلسلے کے اہم مراکز اور خانقاہین درج ذیل ہیں۔

خانقاہ حضرت میاں میرؒ (لاہور)

سلسلہ قادریہ کی یہ خانقاہ مشہور صوفی بزرگ حضرت میاں میر لاہوری قادریؒ کے ساتھ منسوب ہے اور آپؒ کے مزارِ مبارک پر قائم ہے۔ آپ کا اسم گرامی محمد میر اور عرف میاں میر، میاں جیو، بالا پیر اور شاہ میر تھا۔ آپ پچیس سال کی عمر میں 982ھ/1575ء میں جلال الدین محمد اکبر کے دورِ حکومت میں لاہور تشریف لائے۔

آپ کی صلبی اولاد نہ تھی اس لئے شہزادہ داراشکوہ نے آپ کے وصال کے بعد آپ کی بہن حضرت بی بی جمال خاتون کے صاحبزادے حضرت محمد شریفؒ (1054ھ) کو سندھ سے بلا کر آپ کا سجادہ نشین مقرر کیا اور خانقاہ سے ملحق تمام عمارات و جائیداد ان کے سپرد کی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد سجادہ نشین رہی۔ 1960ء میں محکمہ اوقاف پنجاب نے اس خانقاہ کا انتظام و انصرام اپنی تحویل میں لے لیا۔ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرانتظام مزار مبارک اور مسجد کی تعمیر و تزئین اور زائرین کی سہولت کے لئے مختلف منصوبوں پر کام جاری و ساری رہتا ہے۔

آپ کی وفات 88 سال کی عمر میں بروز منگل 7 ربیع الاوّل 1045ھ بمطابق 1635ء کو ہوئی۔ آپ کے سال وفات پر تمام تذکرہ نگار متفق ہیں۔ لاہور میں قادری سلسلے کی اس مشہور و معروف خانقاہ کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں میں بہت سی قادری خانقاہیں قائم ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

خانقاہ حضرت امام بری (اسلام آباد)

سلسلہ قادریہ ایک اور معروف خانقاہ پاکستان کے دارلحکومت اسلام آباد میں واقع ہے۔ یہ خانقاہ مشہور صوفی بزرگ شاہ لطیف المعروف امام بریؒ سے منسوب اور آپؒ کے مزار مبارک پر قائم ہے۔اس خانقاہ کی ابتدا حضرت شاہ لطیف بریؒ نے تقریباًدسویں صدی ہجری میں کی تھی۔[1] ۔آپؒ کی وفات 964ھ بمطابق 1556ء کو ہوئی۔آج کل اس خانقاہ کے جملہ انتظامات وانصرامات حکومتِ پاکستان کے زیرِانتظام ہے۔

درگاہ شاہ عبداللطیف بھٹائی (بھٹ شاہ سندھ)

پاکستان کے صوبہ سندھ میں بہت سے اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی درگاہیں اور خانقاہیں ہیں۔ان میں سے سلسلہ قادریہ کے ایک عظیم بزر حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی کی درگاہ پر بھی مشہور و معروف ہے۔یہ درگاہ سندھ کے علاقے بھٹ شاہ میں واقع ہے۔اس درگاہ کا جمہ انتظام وانصرام محکمہ اوقاف سندھ کے زیرِانتظام ہے۔

اما علی الحق شہید (سیالکوٹ)

پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں واقع ایک اہم اور مصروف خانقاہ دربار امام صاحب کے نام سے مشہور و معروف ہے۔یہ خانقاہ امام علی الحق شہیدؒ کے مزار مبارک پر قائم ہے۔دیگر بہت سی خانقاہوں کی طرح یہ خانقاہ بھی محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِانتظام ہے۔

پاکستان میں موجود سلسلہ قادریہ کی دیگر اہم خانقاہوں میں خانقاہ مانکی شریف (نوشہرہ) خانقاہ قادریہ چھوہر (ہری پور) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

---

[1] تذکرہ مشائخ قادریہ، ص130

بحث دوم

سلسلہ چشتیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات

برصغیر پاک وہند کے معروف سلاسلِ تصوف میں سب سے زیادہ شہرت اور پذیرائی سلسلہ چشتیہ کے حصّے میں آئی۔ برصغیر کا شاید ہی کوئی شہر، قصبہ یا علاقہ ہو جہاں چشتیہ سلسلے کے بزرگ نہ پہنچے ہوں۔ اینا سفورا سلسلہ چشتیہ کے معروف صوفی بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء کے تذکرے میں لکھتی ہیں: نظام الدینؒ کی ساٹھ سالہ سربراہیِ (سلسلہ) کے دوران پورے جنوبی ایشیاء میں کئی سو چشتیہ خانقاہیں قائم ہوہیں۔[1] پاکستان میں سلسلہ چشتیہ کے صوفیائے کرام کی قائم کردہ خانقاہیں کی تعداد بھی سینکڑوں میں ہے تاہم ان تمام خانقاہوں میں سے چند ایک ایسی ہیں جنہوں نے ہر حوالے اور ہر پہلو سے خدمتِ دین اور معاشرتی اصلاح کے لیے کوششیں کیں ہیں۔ اس بحث میں ان چند اہم خانقاہوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

خانقاہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ (پاک پتن)

برصغیر پاک وہند سلسلہ چشتیہ کی جن چند اہم خانقاہوں کو لازوال شہرت نصیب ہوئی ان میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کے بعد خانقاہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا نام سرِفہرست ہے۔ اوّل الذکر دونوں خانقاہیں موجودہ پاکستان میں نہیں ہیں جبکہ خانقاہ بابا فرید گنج شکر پاکستان کے صوبہ پنجاب کے علاقے پاک پتن میں آج بھی ہزاروں لاکھوں عقیدت مندوں اور زائرین کی عقیدتوں کا مرکز ہے۔ اس خانقاہ میں امیر و غریب، مسلم و غیر مسلم، شاہ و گدا سب ہی آتے رہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

آپؒ اپنے مرشد گرامیؒ کے حکم کے مطابق ان کے وصال کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے، بعد میں آپ نے ہانسی کو اپنا مسکن بنایا اور پھر اجودھن میں، جو کہ موجودہ پاکپتن کے نام سے مشہور ہے، مستقل قیام فرمایا۔[2] یہاں آپؒ نے ایک عظیم الشان خانقاہ بنائی اور دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور خدمتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپؒ کی شخصیت اور تعلیمات کے

---

[1] برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص 132

[2] تاریخِ مشائخِ چشت، ص180

اثرات پنجاب تک ہی محدود نہ رہے بلکہ شمالی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچے اور دور دور سے عقیدت مند ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

خانقاہ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ (پنجاب بہاولپور)

خواجہ نور محمد مہارویؒ (1729ء– 1784ء) نے پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع بہاولپور کے ایک قصبے مہار [1] میں سلسلہ چشتیہ کی ایک عظیم خانقاہ کے قیام کے ذریعے سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیا۔ آپؒ نے پنجاب میں بابا فرید گنج شکرؒ کے بعد سلسلہ چشتیہ کی تبلیغ و فروغ کے لیے آٹھارویں صدی عیسوی میں سب سے زیادہ خدمات سر انجام دیں۔[2] پنجاب کے مختلف علاقوں میں آپؒ کی خانقاہ کے قیام سے قبل سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ کا کافی زور تھا لیکن جب آپؒ نے یہاں ایک عظیم خانقاہ کی بنیاد رکھی تو دیگر سلاسل تصوف کی خانقاہوں کے چراغ مدہم ہو گئے۔[3]

آپؒ نے اپنے مرشدِ گرامی شاہ فخر صاحبؒ کے حکم پر قصبہ مہار میں 1166ء کو ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ آپؒ کی اس خانقاہ میں ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے تھے۔ صحبت میں اس قدر کشش اور اثر تھا کہ جو کوئی بھی وہاں حاضر ہوتا تھا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا اور آپؒ کے دستِ مبارک پر بیعت ہو جاتا تھا۔ ان کی خانقاہ میں امیر و غریب سب ہی آتے تھے۔ امرا اور اہلِ دول کا اکثر جھمگٹا لگا رہتا تھا۔[4] اس خانقاہ میں آپؒ جہاں ایک طرف عام عوام کی اصلاح کے لیے ان کو حلقہ ارادت میں شامل کرنے کے بعد وعظ و نصیحت کرتے تھے وہاں مستقبل میں سلسلے کی ترویج و فروغ کے لیے خاص مریدین اور خلفا کی بھی عملی تربیت کرتے تھے۔ خلیق احمد نظامی آپؒ کی تربیتی اور اصلاحی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] بہاولپور کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا اصل نام مہاراں تھا جو اب مہار کہلاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، ج 21 ص 857،)

[2] چشتی خانقاہیں اور سر براہانِ برصغیر، ص 152/ تاریخِ مشائخ، چشت، ص 510

[3] تاریخِ مشائخ، چشت، ص 511

[4] ایضاً، ص 511

"شاہ نور محمد صاحبؒ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ وہ ہر مرید کی استعداد کا علیحدہ جائزہ لیتے تھے اور پھر تربیت کی طرف توجہ کرتے تھے۔ وہ بالکل ایک طبیب کی طرح تھے جو مریض کے مزاج اور مرض کی نوعیت کو دیکھ کر دوا ہیں دیتا اور علاج کرتا ہے۔"[1]

خانقاہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ (ڈیرہ غازی خاں)

پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان کے علاقے تونسہ[2] میں سلسلہ چشتی کی ایک عظیم خانقاہ آباد ہے۔ یہ خانقاہ سلسلے کے ایک عظیم صوفی بزرگ خواجہ سلیمان تونسویؒ نے اپنے مرشد گرامی خواجہ نور محمد مہارویؒ کے حکم پر قائم کی۔ ابتداء میں آپؒ نے یہاں ایک جھونپڑی بنائی اور وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ رفتہ رفتہ پورے علاقہ میں آپؒ کا شہرہ ہوا اور امیر و غریب ہر کوئی آپ کے پاس آنے لگا۔ اس علاقہ کا رہیس الف خان بھی آپؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوا تو اس نے آپؒ کے لیے ایک مکان بنوایا۔ نواب آف ریاست بہاول پور بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہوا اس نے دو دفعہ مسجد کی تعمیر کے لیے رقم پیش کی۔ یوں رفتہ رفتہ یہ غیر معروف گاؤں ایک آباد اور پر رونق شہر میں تبدیل ہو گیا۔

"آپؒ نے صرف بائیس کی عمر میں اپنے مرشد کے حکم پر اپنے آبائی علاقے کو چھوڑا اور تونسہ کو اپنا مسکن بنایا۔ آپؒ نے اس خانقاہ میں تقریباً ساٹھ سال سے زائد عرصہ تبلیغِ دین اور اصلاح و خدمتِ خلق کے لیے مستقل قیام فرمایا۔"[3]

خواجہ سلیمان تونسویؒ نے اس خانقاہ کی زیرِ نگرانی بہت سے مدارس کا اجراء کیا۔ تعلیم و تعلم کے لیے اپنے بہت سے خلفاء کو منتخب کیا۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحبؒ نے تونسہ کو ایک دارالعلوم بنا دیا تھا۔ ان کے دولت کدے کے چاروں طرف متعدد مدرسے تھے۔ پچاس استاد وہاں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت کا کام نہایت وسیع پیمانے پر جاری تھا۔ علوم

---

1 تاریخِ مشائخ، چشت، ص522

2 صوبہ پنجاب کے جنوبی ضلع ڈیرہ غازی خان کا ایک غیر معروف گاؤں تھا جو اب باقاعدہ ایک شہر، تحصیل اور تحصیل تونسہ کا صدر مقام ہے۔ لاہور شہر سے اس کا فاصلہ تقریباً 600 کلومیٹر ہے۔ دریائے سندھ پر واقع تونسہ بیراج بھی اسی علاقے میں ہے۔

3 تاریخ مشائخ چشت، ص591

دینیہ کی ترقی اور ترویج میں بے حد کوششیں کی جاری تھیں۔ مدارس کا قیام شاہ صاحب کے مقاصد کے حصول کا بہترین ذریعہ تھا۔ تونسہ جیسی بستی میں پچاس مدرسوں کے قیام کا مطلب یہ کہ تونسہ اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھااور دور دور سے شائقین علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔[1]

صدیوں پہلے قائم کی گئی یہ خانقاہ آج بھی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے اور تبلیغِ دینِ اسلام، تعلیم و تعلّم، تزکیہ و اصلاح اور خدمت خلق کے میدانوں میں اپنی بھرپور خدمات پیش کر رہی ہے۔

خانقاہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ (سیال، سرگودھا)

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ (1214ھ-1300ھ) نے تقریباً چھتیس (36) سال کی عمر میں اپنے مرشدِ گرامی سے خرقۂ خلافت پایااور پھر تقریباً 1935ء میں سیال[2] کے نام سے موسوم اپنے آبائی گاؤں میں اپنا خانقاہی نظام اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا۔ سیال شریف کی اس عظیم خانقاہ میں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ تمام زائرین اور مسافروں کو کھانا لنگر خانے سے ملتا تھا۔ شہر کے مفلسوں اور مسکینوں کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ قیام کا انتظام بہت اچھا تھا چارپائی اور بستر ہر آنے والے کو مہیا کیا جاتا۔ جو لوگ مستقل خانقاہ میں رہتے تھے ان کو کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔[3] خواجہ صاحبؒ نے اسی تربیتی مرکز میں عام عوام کے علاوہ بہت سے خلفاء کی ایسی جماعت تیار کی جنہوں نے پورے پاکستان میں سلسلہ چشتیہ کو فروغ بخشا۔ خلیق احمد نظامی نے تاریخِ مشائخِ چشت میں آپؒ کے تقریباً پینتیس (35) معروف اور اہم خلفاء کا تذکرہ کیا ہے۔[4]

پونے دو صدیاں گزرنے کے باوجود ایک صوفی کی قائم کی گئی خانقاہ آج بھی باالواسطہ اور بلاواسطہ ہزاروں لاکھوں افراد کی علمی، اخلاقی، دینی، سماجی ضروریات کی تکمیل کا ایک سبب اور ذریعہ ہے۔ خواجہ صاحبؒ کے خلفاء جنہوں نے اس

---

1 تاریخ مشائخ چشت، ص593

2 یہ صوبہ پنجاب کے ضلع سرگوھا کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔ جو سرگودھا شہر سے جنوب کی جانب تقریباً اڑتیس (38) کلومیٹر کے فاصلے پر جھنگ روڈ پر واقع ہے۔ جو خانقاہ اور خواجہ شمس الدین کی وجہ سے اب سیال شریف کہلاتا ہے۔

3 تاریخ مشائخ چشت، ص 676

4 ایضاً، ص678

خانقاہ سے فیض پایا، پورے پاکستان اور بطور خاص پنجاب کے مختلف شہروں میں مخلوقِ خدا کی اصلاح اور خدمت کی کوششوں میں مصروف ہیں اور خود سیال شریف کی یہ خانقاہ بھی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ مصروفِ عمل ہے۔

خانقاہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (گولڑہ اسلام آباد)

پاکستان کے دار الحکومت اسلام آباد کے ایک گاؤں گولڑہ میں سلسلہ چشتیہ کی ایک معروف اور مصروف ترین خانقاہ جس کو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (1858ء– 1937ء) نے 1895ء میں قائم کیا تھا۔[1] آپؒ خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے چند اہم اور خاص خلفاء میں سے ایک تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی آپؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: خواجہ سیالویؒ کے خلفاء میں پیر مہر علی شاہ ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ انھوں نے موجودہ دور میں نہ صرف احیاء تصوف کی کوشش کی کیا بلکہ بہت سے عقائدِ باطلہ کی تردید میں بھی سرگرم رہے۔[2] آپؒ کو خواجہ سیالویؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایّام میں خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔[3]

گولڑہ شریف میں آپؒ کی قائم کردہ خانقاہ کے ابتدائی خدو خال کے بارے میں مولانا فیض احمد، مصنف مہر منیر لکھتے ہیں کہ ابتداء میں ایک کوٹھڑی حضرتؒ کی رہائش کے لیے، ایک لنگر خانے کے سامان کے لیے اور دو بڑے کمرے درویشوں اور مہمانوں کے لیے تعمیر کیے گئے۔ اور پھر کچھ اور کوٹھڑیاں طالب علموں اور ان کے اساتذہ کی رہائش کے لیے بنائی گیئں۔ اور اس طرح یہ پتھر اور مٹّی کا فقیر خانہ 1895ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔[4] بعدازاں یہ خانقاہ ہر لحاظ سے ترقی کرتی گئی اور 1997ء میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی۔ 1905 تا 1907ء کے درمیانی عرصے میں چند مخیّر حضرات کے

---

1 فیض احمد، مولانا، مہر منیر، گولڑہ شریف اسلام آباد، 2004ء، ص 146

2 تاریخِ مشائخ، چشت، ص684

3 فوز المقال فی خلفا پیر سیال، ص154

4 مہرِ منیر، ص146

تعاون سے ایک شاندار مہمان سرائے، مدرسہ اور کتب خانے کی پختہ عمارات تعمیر کی گئیں۔ مہماں خانے میں چالیس کے قریب کمرے اور ایک کشادہ مجلس خانہ بنایا گیا۔[1]

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب عقیدت مندوں اور زائرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو ضروریات کی پیشِ نظر کئی بار اس خانقاہ اور اس سے ملحقہ عمارات کی توسیع کا کام ہوتا رہا۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

خانقاہ حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہؒ (بھیرہ سرگودھا)

صوبہ پنجاب کے ضلع سرگودھا کے قریب بھیرہ کی بستی میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ایک مرید اور خلیفہ امیر السالکین پیر امیر شاہ صاحبؒ (متوفی 1927ء) نے دعوت و تبلیغ اور خدمتِ خلق کے لیے ایک خانقاہ قائم کی جسے بعد میں ان کے فرزند پیر محمد شاہؒ (متوفی 1957ء) اور ان کے پوتے جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (1918ء – 1998ء) نے ترقی دی اور شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا۔

اس خانقاہ کا قیام اگرچہ پیر امیر شاہؒ نے کیا تھا لیکن اس کی ترقی اور شہرت دورِ جدید کے عظیم صوفی، مفسر، سیرت نگار، صحافی، ادیب اور قانون دان جسٹس پیر محمد کرم شاہؒ کی مرہونِ منت ہے۔ آپؒ نے جدید دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر اس خانقاہ کو ایک اہم علمی مرکز میں تبدیل کر دیا۔ جامعۃ الازہر سے تحصیلِ علم کے بعد 1957ء میں آپؒ نے اس خانقاہ میں قائم دار العلوم کی نشاۃ ثانیہ کی اور قدیم و جدید علوم کے حسین امتزاج سے دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ایک بہترین نصابِ تعلیم پاکستانی قوم کو دیا۔ اس وقت یہ خانقاہ جہاں روحانیت اور تزکیہ نفس کے حوالے سے سلسلہ چشتیہ کا ایک اہم مرکز ہے وہاں دوسری طرف دینی و دنیاوی علوم پر مشتمل ایک بہترین یونیورسٹی بھی ہے۔ پورے پاکستان میں اور بیرون ملک اس خانقاہ کے زیرِ انتظام قائم کیے گئے دار العلوم محمدیہ غوثیہ کی بیسیوں شاخیں علمی میدان میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اس وقت اس خانقاہ کے سجادہ نشین آپؒ کے بڑے صاحبزادے پیر امین الحسنات صاحب ہیں۔

---

[1] مہرِ منیر، ص146 - 147

بحث سوم

سلسلہ سہروردیہ کی معروف خانقاہیں اور مزارات

برصغیر پاک وہند میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ دیگر سلاسلِ تصوف کی طرح اس سلسلے نے بھی یہاں لازوال شہرت حاصل کی۔ پاکستان میں اس سلسلے کے بہت سے مراکز اور خانقاہیں ہیں۔ جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

خانقاہ حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ (ملتان)

پاکستان میں سلسلہ سہروردیہ کے جملہ خانقاہی مراکز میں سب سے مشہور و معروف مرکز اور خانقاہ ملتان میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کی قائم کردہ ہے۔ آپؒ اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے حکم پر ملتان تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ملتان میں جس مقام کو اپنے لیے خانقاہ بنایا وہ "پرھلادجی" مندر کے سامنے تھی۔ یہ ہندوؤں کا ملتان میں بہت بڑا مندر تھا۔ برصغیر پاک وہند کے دور دراز علاقوں سے ہندو اس مندر میں آکر یاترا کرتے۔ اس خانقاہ کے مشرق کی طرف ایک متصل چبوترہ واعظ کے لیے بنایا تھا۔ ہندو یاتری جو پرھلادجی سے نکلتے وہ آپ کا واعظ سن کر مسلمان ہو جاتے۔[1]

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی خانقاہ سے مراد صرف آپ کا مقبرہ نہیں بلکہ یہ اپنے دور کی بہت بڑی روحانی یونیورسٹی تھی۔[2] اس خانقاہ میں آپ ختم قرآن فرماتے، نوافل پڑھتے، مسلمانوں کو بیعت کرتے اور غیر مسلمانوں کو اسلام کی دولت سے مستفید فرماتے۔[3] ملتان کی یہ معروف خانقاہ آج کل محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِ انتظام ہے۔

شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کے بعد آپؒ کے متعدد خلفاء نے سلسلہ سہروردیہ کی ترویج و ترقی میں اپنا کردار ادا کیا اور ملک کے طول و عرض میں مختلف مراکز اور خانقاہیں قائم کیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

---

[1] تاریخ ملتان، 141

[2] ایضاً، ص:98

[3] سیر العارفین، ص 168

دربار حضرت شاہ جلال الدین سرخ بخاریؒ (اچ)

یہ خانقاہ شیخ بہاؤالدین کے خلیفہ حضرت شاہ جلال الدین سرخ بخاریؒ کے مزار مبارک پر قائم ہے۔ اوچ میں آپؒ 1267 میں تشریف لائے تھے یہاں پر اُنے سہروردی سلسلے کا مرکز قائم کیا۔ آپ کے علم واشاعت سے یہاں کے ہندو باشندے اسلام کی طرف راغب ہوئے۔ چدہر، ڈہر سیال اور وارم اقوام آپکی تبلیغ سے حلقہ بگوش مسلمان ہوئے۔[1]

آپؒ نے 59 سال کی عمر میں 1291ء میں اوچ میں وفات پائی۔ پہلے آپ کا مزار رسول پور میں بنا پھر دریا میں طغیانی کے باعث سیونگ بیلا بنا اور اس جگہ سے بھی سیلاب کی وجہ سے موجودہ جگہ اوچ میں دفن ہوئے۔[2]

خانقاہ حضرت لال شہباز قلندرؒ (سندھ)

حضرت لال شہباز قلندرؒ حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کے خلیفہ تھے آپؒ نے ساتویں صدی ہجری میں سندھ کو اور اس شہر سیہون کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ اس حوالے سے آپؒ نے یہاں کے لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لیے عصمت فروشی کے ایک اڈے کے قریب اپنا مرکز قائم کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کے قرب وجوار کے لوگوں نے آپؒ کے تعلیمات سے متاثر ہو کر اس قبیح کاروبار کا خاتمہ کر دیا۔[3] آج کل ایک یہ درگاہ بلاشبہ صوبہ سندھ کی مصروف ترین درگاہوں میں سرِفہرست ہے۔ یہ درگاہ محکمہ اوقاف سندھ کے زیرِانتظام ہے۔

خانقاہ حضرت سلطان احمد سخی سہروردی (ڈیرہ غازی خان)

صوبہ پنجاب میں موجود سلسلہ سہروردیہ کی ایک اہم اور معروف خانقاہ حضرت سلطان احمد سخی سہروردی سے منصوب ہے۔ آپؒ نے 577ھ کو جام شہادت نوش فرمایا اور ڈیرہ غازی خان میں مدفون ہوئے۔ یہاں ہی آپؒ کا مزار ہے جہاں خانقاہ قائم ہے۔

---

[1] دہلوی، عبدالحق، اخبار الخیار، مترجم (مولانا محمد فاضل) مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، س۔ن، ص:137

[2] قریشی، بشیر علی، سلسلہ سہروردیہ کے پاکستان میں مراکز اور اشاعتِ دین میں ان کے کردار کا تحقیقی جائزہ، (پی ایچ ڈی مقالہ) جامعہ کراچی 2007، ص:48

[3] سلسلہ سہروردیہ کے پاکستان میں مراکز اور اشاعتِ دین میں ان کے کردار کا تحقیقی جائزہ، ص:12

آپؒ کا مزار پاک ڈیرہ غازی خان کی مغربی سمت کوہ سلیمان کے دامن میں بستی سخی سرور میں مرجع گاہ خلائق خاص وعام ہے۔[1]

یہ خانقاہ ڈیرہ غازی خان کی مصروف ترین خانقاہوں میں سے ایک ہے۔ حضرت سلطان احمد سخی سہروردی کے مزار پر خدام نذرانوں وغیرہ کے ذریعے جو رقوم یا لنگر جمع ہوتا ہے وہ غربا اور مساکین میں تقسیم فرما دیتے ہیں، بالخصوص جذام کے مریضوں کے لیے آمدنی کا ایک بڑا حصہ مختص ہے۔[2]

سلسلہ سہروردیہ کی ذکر کردہ چند اہم خانقاہوں کے علاوہ خانقاہ سید ابوالفیض قلندر علی شاہ سہروردی (لاہور) شیخ احمد ولد موسیٰ (ژوب بلوچستان) بھی مشہور ہیں۔

---

[1] القادری، محمد حسیب، سیرت حضرت سید سخی سرور، اکبر بک سیلرز لاہور، ص:81

[2] سیرت حضرت سید سخی سرور، ص:82

بحث چہارم

سلسلہ نقشبندیہ کی معروف خانقاہیں اور مزرات

تصوف کے اہم سلاسل میں سے ایک مشہور و معروف سلسلہ نقشبندیہ سلسلہ ہے۔ صوفیائے نقشبندیہ نے بھی دیگر سلاسلِ تصوف کی طرح تبلیغی و اصلاحی مقاصد کے حوالے سے مختلف علاقوں میں اپنے خانقاہی مراکز قائم کیے۔ پاکستان میں اس سلسلے کے چند اہم مراکز اور خانقاہیں درج ذیل ہیں۔

دربار حضرت خواجہ زندہ پیرؒ (گھمکول شریف کوہاٹ)

نقشبندی سلسلے کی دورِ جدید کی ایک عظیم روحانی خانقاہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع کوہاٹ کے علاقے گھمکول شریف میں قائم ہے۔ یہ خانقاہ حضرت خواجہ زندہ پیرؒ نے قائم کی تھی۔ اس خانقاہ کے زیرِ انتظام بہت سی فلاحی اور علمی خدمات سرانجام پاتی ہیں۔[1]

دربار عالیہ موہڑہ شریف (مری)

پنجاب کے ضلع راولپنڈی کی تحصیل مری کے ایک گاؤں موہڑہ شریف میں سلسلہ نقشبندیہ کی ایک عظیم علمی فلاحی اور روحانی خانقاہ قائم ہے۔ جس کی ابتداء حضرت باواجی قاسم قاسم صادقؒ نے اپنے مرشدِ گرامی کے حکم پر کی تھی۔ ابتداء میں یہاں صرف ایک مسجد تھی لیکن آج یہ خانقاہ ہزاروں لاکھوں افرادِ معاشرہ اپنی روحانی، علمی و تعلیمی اور دینی و مذہبی ضروریات کا ایک مستقل سبب اور ذریعہ ہے۔ یہ خانقاہ دربارِ عالیہ موہڑہ شریف کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ یہاں حضرت باواجی قاسم اور ان کے صاحبزادے حضرت پیر نظیر احمد موہڑوی المعروف سرکارِ موہڑوی کا مزار مقدس ہے۔ اس وقت خانقاہ کے سجادہ نشین پیر ہارون الرشید صاحب ہیں۔ پاکستان میں سلسلہ نقشبندیہ کی بہت سی خانقاہیں ہیں۔

---

[1] دربارِ عالیہ گھمکول شریف اوران کی جملہ خدمات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: کنزالعرفان فی شان زندہ پیر از صوفی رب نواز، مطبوعہ دربارِ عالیہ گھمکول شریف۔

جن میں خانقاہ پیر سید جماعت علی شاہؒ(علی پور سیداں) دربار عالیہ عیدگاہ شریف(راولپنڈی) خانقاہ چورا شریف(ضلع اٹک)وغیرہ شامل ہیں۔

فصل سوم

عصرِ حاضر میں سلاسلِ تصوف کے معروف صوفیاء کرام اور ان کی تعلیمات

تبلیغ و اشاعتِ دین، سماجی و معاشرتی اصلاح اور خدمتِ خلق کے حوالے سے پورے جنوبی ایشاء میں بالعموم اور بر صغیر پاک و ہند میں بالخصوص مختلف سلاسلِ تصوف کے صوفیائے کرام نے بڑی جاندار اور بارآور خدمات سر انجام دیں جن کی بدولت اس خطے کے ہر گوشے اور کونے میں اسلام کا آفاقی پیغام پہنچا۔ سلاسلِ اربعہ کے معروف صوفیائے کرام نے اپنے فرمودات و اقوال اور افعال و اعمال کے ذریعے نہایت مؤثر انداز میں ایک طرف دینِ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا تو دوسری طرف خدمتِ خلق اور معاشرتی اصلاح کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ صوفیائے کرام کی انہی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج پورے جنوبی ایشیاء اور بالخصوص بر صغیر میں ان صوفیائے کرام کے متعلقین، مریدین اور خلفاء ہر علاقے اور ہر خطے میں اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔

سلاسلِ اربعہ کے معروف صوفیائے کرام کی دینی و تبلیغی اور فلاحی واصلاحی کاوشوں کے حوالے سے اس فصل میں بطورِ خاص سلاسل اربعہ کے ان معروف صوفیائے کرام کا تعارف اور ان کی تعلیمات کا تذکرہ تحقیقی انداز میں کیا جائے گا جو موجودہ پاکستان کے علاقوں میں آباد ہوئے ہیں اور انہی علاقوں میں دینی و تبلیغی اور اصلاحی و رفاہی خدمات سرانجام دیں۔ اس حوالے سے بحث کو منظم و مربوط بنانے کے لیے اس فصل کو درج ذیل چار مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: سلسلہ قادریہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات

بحث دوم: سلسلہ چشتیہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات

بحث سوم: سلسلہ سہروردیہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات

بحث چہارم: سلسلہ نقشبندیہ کے معروف صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات

بحث اوّل

سلسلہ قادریہ کے معروف صوفیائے کرام اوران کی تعلیمات

سلسلہ قادریہ سلاسلِ تصوف میں سے سب سے اہم تصور کیا جاتاہے۔اس کے بانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی عظمت و شان تمام سلاسل کے صوفیائے کرام کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ برصغیر پاک وہند میں بھی اس سلسلے نے خوب ترقی کی اور شہرت دوام پائی۔ پاکستان میں سلسلہ قادریہ کے معروف صوفیائے درج ذیل ہیں۔

حضرت میاں میر لاہوریؒ (لاہور)

حضرت میاں میرؒ مغلیہ عہدِ حکومت میں برصغیر پاک وہند میں سلسلہ قادریہ کے ایک عظیم صوفی بزرگ گزرے ہیں۔۔ آپ کا اسم گرامی محمد میر اور عرف میاں میر، میاں جیو، بالا پیر اور شاہ میر تھا۔ آپ پچیس سال کی عمر میں 982ھ/1575ھ میں جلال الدین محمد اکبر کے دورِ حکومت میں لاہور تشریف لائے۔

آپ کی صلبی اولاد نہ تھی۔اس لئے شہزادہ دارا شکوہ نے آپ کے وصال کے بعد آپ کی بہن حضرت بی بی جمال خاتون کے صاحبزادے حضرت محمد شریفؒ (1054ھ) کو سندھ سے بلا کر آپ کا سجادہ نشین مقرر کیا اور خانقاہ سے ملحق تمام عمارات وجائیداد ان کے سپرد کی۔ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد سجادہ نشین رہی۔1960ء میں محکمہ اوقاف پنجاب نے اس خانقاہ کا انتظام وانصرام اپنی تحویل میں لے لیا۔ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرانتظام مزار مبارک اور مسجد کی تعمیر و تزئین اور زائرین کی سہولت کے لئے مختلف منصوبوں پر کام جاری' ساری رہتاہے۔ آپ کی وفات 88 سال کی عمر میں بروز منگل 7 ربیع الاؤل 1045ھ بمطابق 1635ء کو ہوئی۔آپ کے سال وفات پر تمام تذکرہ نگار متفق ہیں۔

حضرت امام بریؒ (اسلام آباد)

حضرت امام بری سرکار سلسلہ قادریہ کے عظیم صوفیائے کرام میں سے ہیں۔آپؒ کا اصل نام شاہ لطیف بری تھا لیکن آپؒ امام بری سرکار کا نام سے مشہور و معروف ہیں۔آپؒ کی ولادت پنجاب کے ضلع جہلم کے موضع جولیاں کرسال

میں ہوئی۔[1] تعلیم و تربیت کے بعد آپ نے سلسلہ قادریہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے پوتوں میں سے حضرت سید جمال اللہ المعروف حیات المیر قادریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شاہ لطیف بری قادری بزرگانِ پنجاب سے تھے آپ کی زندگی کا بہت سا وقت لاہور اور دیگر علاقوں میں گزرا۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد آپؒ حج کی سعادت کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے اور واپسی پر اسلام آباد کو اپنا مسکن بنایا۔ آپؒ کی وفات 964ھ بمطابق 1556ء کو ہوئی۔[2] آپؒ کا مزار مبارک پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں واقع ہے۔

حضرت بابا بلھے شاہ قادری قصوریؒ

اصل نام عبداللہ شاہ تھا۔ آپؒ حضرت شاہ عنایت قادری لاہوریؒ کے مرید اور جلیل القدر خلفاء میں سے تھے۔۔ آپؒ کی ولادت 1670ء کو اوچ میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام سخی شاہ محمد درویش تھا۔[3] آپؒ کے والدِ گرامی مسجد کے امام اور مدرس تھے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے ہی حاصل کی۔ آپؒ کا آبائی وطن اوچ تھا۔ جب آپ لاہور آئے تو آپؒ نے حضرت شاہ عنایت قادری کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آپؒ کا شعر و شاعری سے خاص شغف تھا۔ پنجابی زبان کے مشہور و معروف صوفی شاعروں میں آپؒ کا نام نہایت اہم اور نمایاں ہے۔ آپؒ کا زیادہ تر کلام پنجابی زبان میں کافیوں کی صورت میں ہے۔ آپؒ کی وفات 1757ء کو قصور میں ہوئی اور یہاں ہی مدفون ہوئے۔

درج بالا صوفیائے قادریہ کے بہت سے صوفیائے کرام ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ یہاں ممکن نہیں ان میں سے چند ایک کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔ سلطان باہوؒ (جھنگ پنجاب) اما علی الحق شہید (سیالکوٹ) شاہ عبداللطیف بھٹائی (بھٹ شاہ سندھ)

---

1 محمد دین کلیم، تذکرہ مشائخ قادریہ، مکتبہ نبویہ لاہور، 1975ء، ص129

2 آپؒ کی سوانح حیات تعلیمات و خدمات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: تذکرہ مشائخِ قادریہ، ص130

3 تذکرہ مشائخِ قادریہ، ص190

بحث دوم

سلسلہ چشتیہ کے معروف صوفیائے اور ان کی تعلیمات

برصغیر پاک وہند میں جن سلاسلِ تصوف نے لازوال شہرت پائی ان میں سر فہرست سلسلہ چشتیہ کا نام آتا ہے۔اس سلسلے کے بہت سے صوفیائے کرام ہیں جنہوں نے اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ذیل میں ان اہم صوفیائے کرام میں سے چند ایک کا تذکرہ جاتا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ (پاک پتن)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سلسلہ چشتیہ کے بلند پایا اولیاءِ کرام میں سے تھے۔ برصغیر پاک وہند کی تقسیم سے قبل پنجاب کے علاقے میں سلسلہ چشتیہ کو فروغ اور ترقی بلاشبہ بابا فریدؒ کی طفیل ہوئی۔آپؒ 569ھ میں پیدا ہوئے۔[1] والد گرامی کا نام جمال الدین سلیمان تھا جو کابل سے ہجرت کر کے لاہور پہنچے اور کچھ عرصہ قصور میں قیام کرنے کے بعد ملتان چلے گئے۔آپؒ نے تعلیم کی غرض سے ملتان گئے جو اس وقت علم اور علماء کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔حفظِ قرآن مجید اور دیگر مروجہ علوم کی تحصیل ملتان سے ہی کی۔

تکمیلِ علوم کے بعد آپؒ ہندوستان سے نکل کر غزنی، بغداد اور بدخشاں کی سیر کرتے اور روحانی تسکین کے لیے اولیائے کرام و صوفیائے عظام سے ملاقاتیں کرتے رہے۔اس حوالے سے آپؒ نے شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ فرید الدین عطار، شیخ بہاالدین زکریا ملتانیؒ سے ملاقات کی۔ [2] بالاخر آپؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا اور اجودھن (پاکپتن) کو اپنا مستقل مسکن بنیا اور تبلیغ اسلام اور مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیس مصرف عمل رہے۔ حضر بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی سیر و سوانح اور تبلیغی و اصلاحی خدمات کے حوالے سے ان گنت تذکرہ

---

[1] فاروقی، سلطان احمد، تذکرہ اولیائے چشت، ادارہ قمر الاسلام لاہور، ص 77

[2] تذکرہ اولیائے چشت، ص 79

نگاروں نے بڑی جاندار اور تحقیقی کوششیں کیں ہیں۔[1] آپؒ کا وصال مبارک 666ھ میں ہوا اور مزار مبارک پاکپتن میں عقیدت مندوں کے لیے روحانی تسکین کا ذریعہ ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ (سیال شریف ضلع سرگودھا)

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے اُنے سلسلہ چشتیہ کی نشرواشاعت میں جو تگ ودو کی ہے اسی کے نتیجے میں جلال پور اور گولڑہ کی خانقاہیں وجود میں آئی ہیں۔

خواجہ صاحب 1214ھ کو سیال میں پیدا ہوئے تھے۔اس وقت پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا اور ان کا اقدار تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔۔خواجہ صاحب کے والد ماجد نے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ سات سال کی عمر میں انھوں نے قرآن پاک ختم کر لیا۔اس کے بعد پنڈی گھیب موضع میکی ڈھوک علاقہ تشریف لے گئے اور وہاں کے مدرسہ میں جیند ماہ کر نام حق اور کریما پڑھا پھر مکھڈ چلے گئے اور وہاں تیرہ سال رہ کر تحصیل علم کی۔[2]

مکھڈ میں مولوی علی محمد صاحب علمی دنیا کے صدر نشین تھے آپ ان سے علم حاصل کرنے لگے مولوی صاحب آپ پر خاص کرم فرماتے کبھی کبھی آپ کو اپنے دستر خوان پر بٹھا دیتے اور علمی بحث کرتے آپ نے ظاہری علم ان سے خاصل کیا۔ پھر مولوی علی محمد صاحب کی اجازت سے نامور تاجر محمد امین کی فرمائش پر ان کی تجارت میں برکت کے لیے ان کے ہمراہ افغانستان تشریف لے گئے اور قابل میں حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی اور واپس آکر مولوی علی محمد صاحب کی خدمت میں رہنے لگے۔ مولوی علی محمد صاحب ان دنوں حقیقت و معرفت کی منازل طے کر رہے تھے۔ وہ خواجہ صاحب کو ساتھ لے کر خوجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں تشیف لے گئے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی عمر اس وقت

---

[1] باباصاحب کی سوانح اور خدمات کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: تاریخ مشائخِ چشت،،(ص178تا190)۔تذکرہ مشائخِ چشت، مصنف سلطان احمد فاروقی، ادارہ قمر الاسلام لاہور، (ص77تا92)۔حیاتِ گنج شکر، مصنف: مفتی طفر جبار چشتی، اکبر بک سیلز لاہور، 2012ء،۔ چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، (ص50تا59)۔جواہرِ فریدی (فارسی)، از مولانا محمد علی اصغر چشتی، مترجم علامہ فضل الدین نقشبندی، مکتبہ بابافرید پاک پتن، (ص250تا348)۔تذکرہ اولیائے برصغیر پاک وہند، از مرزا محمد اختر دہلوی، (ج1ص72تا76)

[2] تاریخ مشائخ چشت، ص:673

18 سال تھی آپ علوم ظاہری کے حصول کے بعد باطنی تعلیم کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ جب خواجہ تونسوی کی خدمت میں پہنچے تو ایسی کشش محسوس کی کہ وہاں سے سر نہ اٹھایا۔ خواجہ تونسوی نے آپ دونوں کو مرید کر لیا۔[1]

مکھڈ واپسی پر مولوی صاحب نے آپ کو مدرسے میں اپنا قائم مقام بنا دیا لیکن خواجہ تونسوی کے کہنے پر آپ اپنے والدین کے پاس تشیف لے گئے اور شادی کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ لیکن وہ ساتھ ساتھ تونسہ بھی فیوض باطنی کے حصول کے لیے تشریف لے جاتے۔ 36 سال کی عمر میں خواجہ تونسوی نے انھیں خلافت سے نوازا اور ہدایت کی کہ بیعت کا کام بڑے اہتمام سے کرنا۔ اپنے اشغال میں مصروف ہو کر اس کو نظر انداز نہ کر دینا۔[2]

آپ کا اخلاق بہت اعلیٰ تھا، ہر ایک سے خلوص اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ہر ایک کی دیستان غور سے سنتے اور مناسب علاج بھی تجویز کرتے۔ شریعت کے معاملے میں بہت سخت گیر تھے اور اس سلسے میں مریدین پر سختی کو ضروری سمجھتے تھے، نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ سماع بالمزامیر سے اجتناب کلی کرتے تھے۔ 21 صفر 1300ھ کو شیخ سیالوی واصل بحق ہوئے۔[3]

خواجہ نور محمد مہارویؒ

خواجہ نور محمد مہاروی 14 رمضان المبارک 1142 کو چوٹالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام ہنوال تھا قوم سے کہرل تھے چھٹی پشت کے بعد ان کے بزرگوں کے نام بالکل ہندوانی شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خود شاہ صاحب کا خاندانی نام یبل تھا جس کو حضرت شاہ فخر صاحب نے بدل کے نور محمد کر دیا۔۔۔۔ شاہ صاحب کے اجداد زراعت کرتے تھے اور مویشی چراتے تھے[4]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص:675-674

[2] ایضاً، ص:675

[3] ایضاً، ص:675

[4] ایضاً، ص:511

جب شاہ صاح کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو والد ماجد نے قرآن پڑھنے کے لیے حافظ محمد مسعود کے پاس بٹھایا، حافظ مسعود بڑے متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ ان کی خدمت میں شاہ صاحب نے قرآن پاک حفظ کیا۔[1]

حفظ قرآن کے بعد آپ کے بھائیوں نے اصرار کیا کہ کسی کاروبار میں ڈالا جائے لیکن آپ نے مزید تعلیم کا اصرار کیا۔ اور موضع بڑ سیر ان چلے گئے پھر کچھ عرصے بعد بیلانہ چلے گئے پھر ڈیرہ غازی خان چلے گئے اور اور شرح ملا تک تعلیم حاصل کی۔ پھر اپنے دوست محکم دین کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ اور پھر لاہور سے دہلی میں نواب غازی الدین کے مدرسے میں داخل ہوگئے۔ چنانچہ اسی مدرسے میں حافظ برخوردار سے قافیہ پڑھنا شروع کی وہ آپ کو قطبی کا درس دیتے تھے لیکن کچھ عرصے بعد انھیں گھر جانا پڑا یوں آپ کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پھر شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بطور شاگردان سے قطبی پڑھنے لگے قطبی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ شاہ فخر صاحب نے آپ سے فرمایا۔ جتنا پڑھ لیا ضرورت کے لیے کافی ہے اب اس علم میں مشغول ہو جاو جس کے تم لائق ہو، اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے علوم ظاہری کا خاتمہ قطبی پر ہی کر دیا تھا لیکن تکملہ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نور صاحب نے اور زیادہ اکتساب علوم حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔[2] شاہ نور صاحب نے 1165ء میں شاہ فخر صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی۔[3]

شاہ صاحب کو اپنے پیر و مرشد سے بے حد عقیدت تھی اور ادھر شاہ صاحب بھی انھیں ہر دل عزیز رکھتے تھے بیعت کرنے کے بعد آپ شاہ فخر صاحب کے ہمراہ پاک پتن شریف تشریف لائے اور والدین کے پاس بھی قیام کیا۔ پھر شاہ فخر صاحب نے آپ کو خلافت بعد خلافت عطا کر کے مہار قیام کرنے کا حکم دیا۔ مہار پہنچ کر آپ نے مسند ارشاد بچھائی اور بہت جلد ہی خلقت کا ہجوم لگ گیا۔ شاہ نور صاحب کی صحبت میں اس قدر کشش اور تعلیم میں اس قدر تاثیر تھی کہ جو وہاں پہنچ جاتا متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکتا تھا، جو ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو جاتا اس کی زندگی میں حیرت انگیز تغیر ہو

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص:513

[2] مناقب المحبوبین، ص:85-84

[3] تاریخ مشائخ چشت، ص:517

جاتا۔[1] شاہ نور صاحب اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں خاص دل چسپی لیتے تھے۔ وہ ہر مرید کی استعداد اور اور صلاحیت کا علیحدہ جائزہ لیتے تھے اور پھر تربیت کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ وہ بالکل ایک طبیب کی مانند تھے جو مریض کے مزاج اور نفسیات کو دیکھ کر دوا دیتا اور علاج کرتا ہے۔

شاہ نور صاحب اپنے مریدوں کو درستی اخلاق اور اتباع شریعت کا درس دیتے تھے ان کے ملفوظات میں ان ہی دو چیزوں کا جگہ جگہ زور دیا گیا ہے۔[2] اخلاقی تعلیم میں خاص طور پر ان تین باتوں پر زور دیتے تھے۔

"یکے آنکہ غصہ بر کسے نکند کہ غصہ جوہرے است در باطن واظہار آں نور معرفت را میر آند دویم آنکہ اگر کسے در حق احدے شکایت کند آں را مادل بالخیر باید نمود محاسبہ در مور نباید کرد"[3]

دیکھا جائے تو تمام اخلاقی زندگی ان ہی اصولوں کے گرد گھومتی ہے۔اس کے علاوہ آپ شریعت اور اتباع سنت کی بھی لوگوں کو خاص تاکید کرتے تھے اپنے مریدوں کو لوگوں میں رہ کر اصلاح کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ شاہ نور صاحب کو اپنے پیر و مرشد سے عشق تھا۔ان کے وصال کا آپ پر بے حد اثر ہوا اور طبیعت کبھی بحال نہ ہوئی۔ پھر وصال سے ایک سال قبل تمام لوگوں سے بے تعلقی اختیار کر لی اور پھر 1205ھ[4] کو روح پرواز کر گئی۔

خواجہ سلیمان تونسویؒ (تونسہ شریف)

پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا نام حضرت شاہ نور محمد مہاروی کے ذریعہ پہنچا جبکہ اس کی تکمیل خواجہ سلیمان تونسوی کے ذریعہ ہوئی۔ خواجہ سلیمان تونسوی بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ان کی تعلیمات سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا پورا نام محمد سلیمان بن زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان تھا۔1184ھ میں

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص:521

[2] ایضاً، ص:522

[3] ایضاً، ص:523

[4] مناقب المحبوبین۔ ص:91

گڑ گو جی میں پیدا ہوئے۔[1] آپ کی تعلیم کا آغاز مولانا یوسف جعفری سے قرآن پاک کی تدریس سے ہوا۔ پھر آپ لانگہ تشریف لائے اور مولوی ولی محمد سے فارسی کی درسیات مکمل کی۔ اس کے بعد مٹھن کوٹ میں قاجی محمد عاقل کے مدرسے سے منطق کی مشہور کتاب قطبی اور فقہ پڑھا۔ یاں آپ کو خواجہ نور محمد مہاروی کے آچ شریف آنے کی اطلاع ہوئی آپ ان سے ملنے کے لیے روانہ ہوءے اور ان کے دست حق پر بیعت کی۔ اور چھ سال کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد مرشد کا انتقال ہو گیا تاہم انھوں نے آپ کو تونسہ میں مقیم ہونے کی ہدایت کی تھی۔ آپ وہاں جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے اور دو تین سال بعد ایک مسجد تعمیر کر لی۔

شاہ صاحبؒ فقہ اسلامی کے مطالعے پر خاص زور دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ حدیث بغیر مجتہد کے نہیں سمجھی جا سکتی فرماتے ہیں:

"فہم حدیث بغیر مجتہد کسی را نیست مارا عمل بر قول مجتہد است نہ بر حدیث۔"[2]

آپ اپنے مریدوں کو یہ ہدایت فرمایا کرتے تھے:

"صابر و شاکر و قانع بنیں۔"[3]

آپؒ اخلاق و عادات کی درستی پر خاص زور دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان رسول عربی ﷺ کے آئینے میں اپنے اخلاق کو سنواریں۔ اپنے اندا اچھے فضائل و عادات متابعت رسول ﷺ سے پیدا کریں۔ اس حوالے سے فرماتے ہیں: خوب خصائل و حمیدہ افعال بغیر متابعت رسول ﷺ حاصل نہ شود۔[4] ملفوظات میں جگہ جگہ بری صحبت، غیبت، غرور، عیب جوئی، شراب خوری، عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی تلقین کی ہے بری صحبت کے اثرات بیان کرتے

---

1 پاکستان میں سلسلہ چشتیہ کی دینی و علمی خدمات، ص:256

2 نافع السالکین، ص:113

3 مناقب حافظیہ، ص:95

4 نافع السالکین، ص:97

ہوئے لکھتے ہیں: ایک سانپ ایسا ہوتا ہے جس پر اس کی نظر پڑتی ہے وہ سوختہ ہو جاتا ہے۔جب حیوان کے یہ اثرات ہیں تو انسان کے اثرات کا کیا کہنا۔[1] حسد و کبر سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"گل توحید نہ روید باز مینے کہ درد خار شر کو حسد و کبر و ریا است۔"[2]

(توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اگتا جہاں شرک وحسد وریا کے کانٹے موجود ہوں)

اسی طرح عمل صالح اور نیکی اور ادب اور پانچ وقتہ نماز اور ذکر جہر کی خاص تلقین کرتے تھے۔ارکان اسلام کے تحفظ کا بڑا خیال تھا فسق وفجور سے نفرت کرتے تھے۔[3]

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (گولڑہ اسلام آباد)

حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کی ذات وبلند پایا صفات محتاج تعارف نہیں ہیں۔آپؒ سلسلہ چشتیہ کے ایک عظیم صوفی عالم تھے۔ آپؒ یکم رمضانُ المبارک 1275ھ مطابق 14 اپریل 1859ء بروز سوموار پیدا ہوئے۔[4] آپ نے قران کریم کی تعلیم خانقاہ کے درس سے اور فارسی کی تعلیم مدرسے سے حاصل کی۔حافظہ ایسا تھا کہ قرآن مجید کا روزانہ کا سبق آپ حفظ کر لیتے۔جب آپ نے قرآن ختم کیا تو اس وقت سارا قرآن آپ کو بلا ارادہ حفظ ہو چکا تھا۔عربی فارسی اور صرف نحو کی تعلیم کے لیے بڑے پیر صاحب[5] نے علاقہ پکھلی (ہزارہ) کے مولوی غلام محی الدین کو مقرر کیا تھا جنھوں نے آپ کو قافیہ تک تعلیم دی۔[6] درسِ نظامی کی تکمیل کے لیے آپؒ ہندوستان روانہ ہوگئے۔ ہندوستان میں آپ نے علی گڑھ کا انتخاب کیا

---

[1] نافع السالکین، ص:52

[2] ایضاً، ص:29

[3] تفصیل کے لیے دیکھیے: نافع السالکین، ص170-112

[4] مولانا فیض احمد۔مہر منیر، گولڑہ شریف اسلام آباد، 2004ء، ص:61

[5] پیر سید فضل الدین شاہ پیر سید رسول شاہ کے بیٹے تھے آپ ایک بلند مقام، صاحب کشف و کرامات اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔آپ کا وصال 108 برس کی عمر میں 1893-1892ء میں ہوا۔آپ کے وصال سے 11 برس پہلے پیر مہر علی شاہ مسند ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے۔اس زمانے میں پیر مہر علی شاہ کی وجہ سے لوگ آپ کو بڑے پیر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔(مہر منیر، ص54)

[6] مہرِ منیر، ص:65

اور قریباً اڑھائی سال یہاں قیام کیا۔ پھر آپ سند حدیث کے حصول کے لیے سہارن پور میں مولانا احمد علی محدث کے درس میں داخل ہو گئے۔ آپ کی تصانیف میں تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، سیف چشتیاں رد قادیانیت پر۔ الفتاحات الصمدیہ، تصفیہ مابین سنی و شیعہ، فتاویٰ مہریہ، عجالہ بر دو سالہ اپنے مسلک کی وضاحت پر، مجموعہ کلام "پنج گنج عرفان"، اعلاء کلمۃ اللہ شامل ہیں۔[1]

پیر مہر علی شاہؒ ایک بلند پایا عالم اور صوفی تھے۔ آپؒ نے اپنی خانقاہ میں عام عوام کی اصلاح کے لیے وعظ و نصیحت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ درس و تدریس کے دوران بہت سی علمی مباحث بھی ہوتی تھیں۔ آپؒ کے ملفوظات اور ارشادات کو سب سے پہلے آپؒ کے دو شاگردوں مولانا گل گل فقیر اور مولانا عبدالحق نے فارسی زبان میں جمع کیا۔[2] اردو زبان میں ملفوظاتِ مہریہ کے نام سے آپؒ کے بہت سے ارشادارت، ملفوظات اور مکتوبات کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ ان ملفوظات میں دین و مذہب، اصلاح و تزکیہ اور سماجی و معاشرتی معاملات کے بارے میں آپؒ کی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔ آپؒ نے نزدیک حقیقی مددگار اور استعانت کے قابل صرف اللہ تعالیٰ کا ذات سے۔ غیر اللہ سے استعانت اور مدد طلب کرنا صوفی مشرب کے خلاف ہے۔ آپؒ کی مجلس میں کسی فقیر کا وائسرائے ہند سے جائیداد کے حصول کے لیے ملاقات کرنے اور درخواست دینے کا ذکر ہوا تو فرمایا: وائسرائے سے ملاقات کسی دوسرے امر ضروریاتِ دنیاوی سے متعلق ہو تو اس کی اباحت میں کوئی کلام نہیں لیکن فقر کے مشرب و مذاق سے نامناسب ہے۔ کیونکہ اس امتِ مرحومہ میں کوئی فقیر ہو گا تو وہ فقیرِ محمدی ﷺ ہو گا اور فقرِ محمدی ﷺ عین مشربِ ابراہیمی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو عین آگ میں بھی استعانت بالغیر قبول نہیں فرمائی۔[3] آپؒ نے ایک عقیدت مند کو بیعت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ہر ایک کو اپنے سے بہتر جاننا اور کسی کے عیب پر نظر نہ کرنا بلکہ اپنے عیبوں پر نظر رکھنا اور دوسروں کے ساتھ حسنِ ظن۔[4]

---

1 مہرِ منیر، ص:71

2 فیض احمد، مولانا، ملفوظاتِ مہریہ، مطبع پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر لمیٹڈ، لاہور، 1997ء، ص2

3 ملفوظاتِ مہریہ، ص11

4 ایضاً، ص23

آپؒ فرماتے ہیں کہ شقاوت دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک شقاوتِ اصلی اور دوسری شقاوتِ عارضی۔ شقاوتِ عارضی تو انبیاء، صلحاء اور علماء کی صحبت سے زہوائل جاتی ہے لیکن شقاوتِ اصلی زوال پذیر نہیں۔اس لیے انسان کو اپنے خاتمے کے لیے ہر وقت مشوّش رہنا چاہیے۔[1]

وعظ و نصحیت اور تبلیغ وار شاد میں اخلاص کے حوالے سے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا: وعظ و نصحیت دعوت الی اللہ ہے اور یہ انبیاء کا وظیفہ ہے۔ایک خود بین اور دینی غرض سے بے غرض واعظ کا خطبہ آرزوئے نفس اور ہوا کا زینہ ہے۔ کسی کام کو محض رسماً کرنا اور اخلاص سے کرنے میں فرق ہے۔اخلاص کے بغیر ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ ریا اعمال کو باطل کرتی ہے۔اور اخلاص مردِ متّقی اور بے طمع سے ہی صورت مذیر ہوتا ہے۔[2]

سطورِ بالا میں سلسلہ چشتیہ کے چند اہم اور معروف صوفیائے کرام کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ان صوفیائے کرام میں بابا فرید گنج شکر، شاہ سلیمان تونسوی، خواجہ نور محمد مہاروی، خواجہ شمس الدین سیالوی اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا کی سوانح حیات، اخلاق و کردار اور خدمات و تعلیمات کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

---

[1] ملفوظاتِ مہریہ، ص68

[2] ایضاً، ص68

بحث سوم

سلسلہ سہروردیہ کے معروف صوفیائے اوران کی تعلیمات

برصغیر پاک وہند میں دیگر سلاسلِ تصوف کی طرح سلسلہ سہروردیہ کی شہرت اور تبلیغی و اصلاحی کاوشیں بھی لائقِ تحسین ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ کے انگنت صوفیائے کرام نے اس سلسلے کی ترقی اور ترویج میں اپنا کردار ادا کیا۔ اس بحث میں ہم پاکستان میں موجود چند اہم سہروردی صوفیائے کرام کا تذکرہ پیش کرتے ہیں جنہوں نے تبلیغِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ اور خدمتِ خلق کے لیے لازوال کاوشیں کیں۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (ملتان)

آپ کا نام بہاؤالدین زکریا اور والد کا نام وجیہ الدین اور دادا کا نام کمال الدین شاہ تھا آپ قریش خاندان کے فرد تھے اور آپ کی کنیت ابو محمد اور ابو البرکات تھی۔ آپ کی پیدائش کوٹ کروڑ 566ھ میں ملتان کے قریب قصبہ میں ہوئی۔[1] آپؒ نے ملتان میں ایک عظیم خانقاہ، اور دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جو اس وقت ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ ملتان کی علمی اور تہذیبی ترقی میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا ایک نمایاں کردار ہے۔ آپؒ کی سیرت و سوانح اور علمی، اصلاحی، تبلیغی اور خدمتِ خلق کی کوششوں کا تذکرہ بہت سے مصنفین اور تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔[2] حضرت بہاؤالدین زکریا کی تعلیمات بڑی واضح اور اسلام کی آئینہ دار تھی۔ آپ اور آپؒ کے مرید شریعت اور طریقت کے پابند تھے۔[3] آپؒ کا وصال مبارک 661ھ میں ہوا اور مزار مبارک ملتان میں خاص و عام کے لیے عقیدتوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

---

[1] شہزادہ دارالشکوہ قادری، سفینۃ اولیاء، مترجم (محمد علی لطفی) نفیس اکیڈمی کراچی، 1975ء، ص:152 / تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا، ص:4

[2] حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی سوانح اور خدمات کے تذکرے کے حوالے سے دیکھئے: احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، از حمید اللہ شاہ ہاشمی۔ تذکرہ حضرت بہاالدین زکریا ملتانی از خواجہ نور احمد فریدی۔ تاریخ سہروردیہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید (ص 157تا230)۔ یادگارِ سہروردیہ از خاور سہروردی، ص138تا165)

[3] سیر العارفین، ص 172

حضرت شاہ رکن، عالم ملتانیؒ

سلسلہ سہروردیہ کے ایک عظیم صوفی بزرگ تھے۔ جنہوں نے سلسلے کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپؒ کا پورا نام ابوالفتح رکن الدین عالم سہروردی تھا۔ آپؒ کے والد گرامی کا نام شیخ صدرالدین عارف (599ھ – 684ھ) تھا۔ آپؒ ملتان کے مشہور صوفی بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے۔ ولادتِ باسعادت رمضان المبارک 649ھ بمطابق 1251ء کو ہوئی۔[1] تعلیم و تعلم کا آغاز تقریباً چار سال کی عمر میں حفظِ قرآنِ پاک سے کیا گیا۔ تکمیلِ حفظِ کلام پاک کے بعد آپؒ نے اپنے دادا شیخ بہاءالدین زکریا کے قائم کردہ دینی مدرسے سے مروجہ علوم حاصل کیے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت شیخ زکریاؒ کی نگرانی میں ہوئی لیکن ابھی آپؒ کی عمر مبارک بارہ برس تھی کہ آپؒ کے دادا شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کا وصال ہو گیا۔

شاہ رکنِ عالم ملتانیؒ نے اپنے والدِ گرامی کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔[2] آپؒ نے 735ھ کو وصال فرمایا اور آپؒ کو اپنے دادا شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے قدموں میں دفن کیا گیا۔[3] آپؒ کی سیرتِ پاک اور تبلیغی واصلاحی خدمات کا تذکرہ بہت سے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔[4]

مخدوم جہانیاں جہاں گشت (اوچ شریف پنجاب)

سلسلہ سہروردیہ کا ایک نامور صوفی بزرگ تھے جن کا اصل نام شیخ جلال الدین بخاری تھا جو کہ آپؒ کے جدامجد کے نام پر تھا لیکن آپؒ مخدوم جہانیاں جہاں کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپؒ کی ولادت شعبان المعظم 707ھ بمطابق

---

[1] قادری، محمد حسیب، سیرتِ شاہ رکنِ عالم، اکبر بک سیلرز لاہور، ص22

[2] ایضاً، ص46

[3] ایضاً، ص154

[4] شاہ رکنِ عالم ملتانیؒ کی مفصل سیرت اور خدمات کے لیے دیکھیے: سیرتِ شاہ رکنِ عالم، مصنف: محمد حسیب قادری، اکبر بک سیلرز لاہور / تذکرہ اولیائے برصغیر پاک وہند، مصنف: مرزا محمد اختر دہلوی، (ج3 ص165 تا 168)

جنوری 1308ء کو اوچ شریف میں ہوئی۔[1] آپؒ کا خاندان دو پشتوں سے برصغیر پاک وہند میں رشد وہدایت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اوچ شریف میں آپؒ کے اجداد کی خانقاہ خاصی مشہور و معروف تھی۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم اوچ میں ہی حاصل کی۔ اور پھر ملتان تشریف لے گئے جہاں ابو الفتح شاہ رکنِ عالم ملتانی سجادہ نشین تھے۔ ملتان میں آپؒ بسلسلہ تعلیم ایک سال تک مقیم رہے۔[2] آپؒ اپنے زمانے کے ایک مستند اور ماہر عالم اور صوفی تھے۔ آپؒ کے علمی مقام و مرتبے کے بارے میں مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے: جلال الدین حسین بخاری ایک متبحر عالم تھے اور علوم عقلی و نقلی میں آپ نے نہایت مشقت کھینچی تھی۔ اور اس امر کے مقید نہ تھے کہ ایک شخص کے مرید ہو کر دوسرے رجوع نہ کریں۔[3]

ظاہری اور روایتی علوم کی تکمیل کے بعد آپؒ نے روحانی تسکین کے لیے ابو الفتح شاہ رکنِ عالم کے دست پر بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔[4] آپؒ نے اٹھتر برس کی عمر میں ذی الحجہ 785ھ بمطابق 1384ء کو وفات پائی۔ آپؒ کا مزار مبارک اوچ شریف میں واقع ہے۔ آپؒ کی مفصل سیرت اور خدمات کے لیے ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی تصنیف "حیات و تعلیمات سید جلال الدین بخاری المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت" ملاحظہ کیجیے۔

حضرت سلطان احمد سخی سہروردیؒ (ڈیرہ غازی خان)

آپ کا نام سید احمد سلطان اور والد بزرگوار کا نام سید زین العابدین اور محترمہ والدہ کا نام عائشہ تھا۔ آپ کی پیدائش ملتان کے شہر قصبہ شاہ کوٹ میں 521ھ میں ہوئی۔[5] شیخ سخی سرور نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ لاہور تشریف لے گئے اور مولانا اسحاق لاہوری سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی۔ روحانیت کی تعلیم اپنے والد بزرگوار کے علاوہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ اور اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے حاصل

---

[1] قادری محمد ایوب، ڈاکٹر، حیات و تعلیمات سید جلال الدین بخاری، مرکز معارف اولیاء دربار حضرت داتا گنج بخش لاہور، محکمہ اوقاف پنجاب، جولائی 2011ء، ص 81۔/ لطائف اشرفی، نظام یمنی، نصرت المطابع دہلی، 1299ء، ص 392۔

[2] حیات و تعلیمات سید جلال الدین بخاری، ص 81

[3] تاریخ فرشتہ، ج 2 ص 685

[4] اخبار الاخیار، ص 142

[5] تذکرہ حضرت بہاو الدین زکریا ملتانی، ص: 45/ پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص 79

کی۔[1] جب حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی بغداد تشریف لے گئے تو ان سے پہلے حضرت سخی سرورؒ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی سے ملاقات اور بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے انہوں نے روحانیت کے طور پر خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔[2]۔

آپ بغداد سے واپس تشریف لائے تو آپ کے عقد میں حاکم ملتانی نے اپنی صاحبزادی دے دی جس کی وجہ سے حاسدوں کے حاسد میں اضافہ ہوگیا،اس کے نتیجہ میں آپ کو آپ کے بھائی، بیٹے اور اہلیہ کو شہید کر دیا گیا۔آپ کی شہادت شیخ محمد اکرام کے مطابق 577ھ میں ہوئی۔[3] جبکہ حامد خان حامد نے 570 ھ تحریر کی ہے۔[4] آپؒ کی مفصل سیرت خدمات اور ارشادات وملفوظات کے لیے پروفیسر حامد خان حامد کی تصنیف "تذکرہ حضرت سخی سرور" ملاحظہ کیجیے۔

---

[1] آب کوثر، ص:82

[2] حامد، حامد خان، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، 1975ء، ص:87

[3] آب کوثر، ص:83

[4] تذکرہ حضرت سخی سرور، ص:101

بحث چہارم

سلسلہ نقشبندیہ کے معروف صوفیائے اوران کی تعلیمات

سلسلہ نقشبندیہ برصغیر پاک وہند کے چند معروف سلاسلِ تصوف میں سے ایک ہے۔ برصغیر میں آمد اور ترقی کے بعد اس سلسلے کے صوفیائے کرام نے تبلیغ واشاعتِ دین، اصلاحِ عوام وخواص اور خدماتِ خلق کے میدانوں میں نمایاں کوششیں کیں۔اس بحث میں دورِ جدید کے چند معروف ومشہور نقشبندی صوفیائے کا تذکرہ اوران کی تعلیمات کو بیان کیا جاتا ہے۔ان میں سے چنداہم صوفیاءے کرام کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی

سرزمینِ پنجاب میں سلسلہ نقشبندیہ کی شہرت دیگر علاقوں کی نسب بہت زیادہ ہے۔ یہاں بہت سے نامور صوفیائے کرام نے اپنی تبلیغی واصلاحی کوششوں سے اس سلسلے کو ترقی عطا کی۔ان ہی صوفیائے کرام میں سے ایک صوفی بزرگ حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی کا نام نہایت اہم ہے۔آپؒ باباجی تیراہی کے لقب سے معروف تھے۔آپؒ کے والد گرامی خواجہ نور محمد چوراہی بھی اپنے زمانے کے صوفی عالم تھے۔ حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہیؒ کی ولادت 1213ھ میں ہوئی۔سلسلہ نسب سیدنافاروقِ اعظم سے جاملتاہے۔[1]

آپؒ نے علوم ظاہری وباطنی کی تحصیل اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی اور کمال ذہانت اور ایّامِ صغر سنی میں ہی عبادت وریاضت اور ذکر وفکر ومراقبے میں ذوق وشوق کی وجہ سے والدِ گرامی نے صرف بیس سال کی عمر میں ہی خرقہ خلافت عطا کیا۔ خرقہ خلافت ملنے کے بعد آپؒ منجاب کے مختلف علاقوں کے تبلیغی دورے پر روانہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کواپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا۔آپؒ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے چندایک ایسے ہیں جن کے نام مشہور ومعرف ہیں ان پیر سید جماعت علی شاہ (علی پور سیداں) حافظ عبدالکرم صاحب (عیدگاہ راولپنڈی) حضرت خلیفہ

[1] قصوری، محمد صادق، تاریخ مشائخِ نقشبند، زاویہ پبلیشرز، 2009ء، ص473

محمد خان عالم (گجرات) حضرت پیر جماعت علی شاہ ثانی (علی پور) حافظ فتح دین (سیالکوٹ) شامل ہیں۔[1] آپؒ کی نے تقریباً ای سو دو سال کی عمر میں 1315ھ بمطابق 1897ء کو چورا ضلع اٹک میں وفات پائی اور وہاں ہی دفن ہوئے۔

پیر سید جماعت علی شاہؒ محدث علی پوری

پاکستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور و معروف صوفی بزرگ سید جماعت علی شاہؒ ہیں۔ آپؒ کے والد کا نام پیر سید کریم شاہ تھا۔ آپؒ کا سلسلہ نسب سیدنا چھتیس واسطوں سے امام حسین رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپؒ کے آباءاجداد مدینہ شریف سے شیراز (ایران) تشریف لائے اور بعد ازاں ان کے ایک بزرگ سید محمد نواز قادری عہدِ جہانگیری میں ہندوستان تشریف لائے۔ آپؒ کا سن پیدائش 1834ء ہے۔[2] آپؒ نے تعلیم کا سلسلہ حفظِ قرآن سے کیا اور پھر مروّجہ دینی علوم کی تکمیل کے بعد آپؒ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت باواجی فقیر محمد چوراہیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور فیوض و برکات اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

پیر سید جماعت علی شاہؒ نے عام اور روایتی صوفیائے کے برعکس عملی طور پر معاشرتی اصلاح اور تبلیغِ اسلام کے لیے کوششیں کیں۔ بیسویں صدی عیسوی میں آپؒ نے انگریزوں کی طرف سے دینِ اسلام کے خلاف سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، عیسائی مشنیریوں اور آریہ سماج جیسی تحریکوں کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنایا اور ہزارہا عیسایوں اور ہندوؤں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔[3] دعوت و تبلیغِ اسلام اور خدماتِ خلق کے عالوہ آپؒ نے سیاست میں بھی نمایاں حصّہ لیا۔ تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ہجرت اور شدھی تحریک کے حوالے سے مسلمانوں کو ان تحریکوں کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ تحریکِ پاکستان میں آپؒ نے مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کی مکمل حمایت کی جس کا اعتراف قائدِ اعظم نے خود بھی کیا ہے۔[4] آپؒ نے

---

[1] تاریخ مشائخ نقشبند، ص482

[2] محمد دینِ کلیم، لاہور میں اولیائے نقشبندیہ کی سر گرمیاں، مکتبہ تاریخ، لاہور، ستمبر 1986ء، ص60

[3] قصوری، محمد صادق، ارشاداتِ امیرِ ملت، مرکزی مجلسِ امیر ملت، قصور، 1983ء، ص4 /لاہور میں اولیائے نقشبندیہ کی سر گرمیاں، ص61

[4] لاہور میں اولیائے نقشبندیہ کی سر گرمیاں، ص61/تذکرہ اکابرِ اہلسنت، ص114

تقریباً ایک سو انیس برس کی عمر میں 30 اگست 1951ء بروز جمعۃ المبارک وصال فرمایا۔ آپؒ کا مزار مبارک علی پور سیّداں نارووال (سیالکوٹ) میں واقع ہے۔ آپؒ کی عملی جدوجہد، تبلیغی و اصلاحی کوششوں، ارشادات، تعلیمات و ملفوظات کے بارے میں تفصیلاً جاننے کے لیے دیکھیے محمد صادق قصوری کی کتاب "ارشاداتِ امیرِ ملت" مطبوعہ مرکزی مجلس امیرِ ملت، قصور، اشاعت 1983ء اور حاجی محمد عثمان کی مرتب کردہ کتاب "ملفوظاتِ امیرِ ملت" مطبوعہ نذیر پرنٹنگ ورکس کراچی، اشاعت 1958ء۔

حضرت خواجہ قاسم موہڑویؒ (مری)

پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع راولپنڈی کی ایک تحصیل مری کے دور دراز گاؤں موہڑہ شریف میں سلسلہ نقشبندیہ کا فیضان جس عظیم ہستی کے طفیل جاری ہوا وہ حضرت باوا جی قاسمؒ ہیں۔ آپؒ کا پورا نام محمد قاسم صادق تھا لیکن آپ باوا جی قاسم کے لقب سے مشہور و معروف تھے، والد کا نام سلطان جیون خان تھا۔[1] حضرت باوا جی قاسمؒ کی ولادت اپریل 1822ء میں ہوئی۔[2] آپؒ کا سلسلہ نسب سلاطین ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے۔ آپؒ کے جد اعلیٰ عالمگیری عہدِ حکومت میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ 1860ء میں تکمیلِ علوم کے بعد آپؒ نے راولپنڈی کے قریب علاقہ جگیوٹ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

روحانیت میں ترقی کے لیے مرشدِ کامل کی تلاش میں آپؒ متعدد صوفیائے و اولیائے کرام سے ملے۔ اسی سلسلے میں کلیام شریف میں صوفی بزرگ فضل محمد شاہ کلیامیؒ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔[3] آخر کار آپؒ کیاں شریف (ضلع نیلم آزاد کشمیر) میں خواجہ نظام الدینؒ کے ہاں پہنچے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ مرشدِ گرامی نے بیعت کرنے اور تصوف و سلوک کی منازل طے کروانے کے بعد خلافت سے نوازا اور موہڑہ شریف جانے کا حکم صادر فرمایا۔[4] مرشد گرامی کے حکم کی

---

1 انجم سلطان شہباز، اولیائے پنجاب، ورگو پبلشرز لاہور، 2011ء، ص 177 / محمد عبدالخالق مجددی، ماہنامہ سلسبیل، جولائی 1973ء

2 مجددی، محمد عبدالخالق، ماہنامہ سلسبیل، جولائی 1973ء

3 اولیائے پنجاب، ص 180

4 ایضاً، ص 178

تکمیل میں آپؒ نے موہڑہ شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ یہاں آپؒ نے ابتداء میں ایک مسجد قائم کی، درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایااور پھر یہی جگہ سلسلہ نقشبندیہ کی ایک عظیم خانقاہ اور مرکز بن گئی جو آج بھی ہزاروں لاکھوں عقیدت مندوں کے لیے روحانیت اور اصلاحِ اعمال کا ذریعہ اور سبب ہے۔

آپؒ نے تقریباً ستر (70) سال سے زائد عرصہ اپنے مرشدِ گرامی کے حکم کی تکمیل اور مخلوقِ خدا کی خدمت و اصلاح کے لیے موہڑہ شریف میں قیام کیا۔[1] آج سے تقریباپون صدی قبل اس علاقے میں تصوف وطریقت کی شمع روشن رکھنے والا اور مخلوقِ خدا کی اصلاح وراہنمائی کرنے والا مردِ درویش تقریباً 123 سال کی عمر میں، 20 نومبر 1943ء بروز جمعۃالمبارک اس فانی دنیا سے پردہ فرماگیا[2] آپؒ موہڑہ شریف میں ہی دفن ہوئے، آپؒ کا مزارِ مبارک موہڑہ شریف میں آج بھی مخلوقِ خدا کے لیے عقیدے کا مرکز ہے۔

حضرت خواجہ زندہ پیرؒ (گھمکول شریف کوہاٹ)

دورِ جدید میں سلسلہ نقشبندیہ کے ایک عظیم صوفی بزرگ حضرت خواجہ زندہ پیرؒ کا نام عظیم صوفیائے کرام میں لیا جاتا ہے۔ آپؒ کی سیرتِ پاک پر لکھی گئی سوانح حیات "کنزالعرفان فی شان زندہ پیر صاحبؒ[3]" کے مطابق آپؒ کی ولادت باسعادت 1912ء میں ضلع کوہاٹ کے ایک قصبہ جنگل خیل میں ہوئی۔[4] آپؒ کے جدّامجد محمد ابراہیم شاہ افغانستان سے

---

[1] قادری، عبدالحکیم، شرف، تذکرہ اکابرِ اہلسنت، نوری کتب خانہ، لاہور، 2005ء، ص 503

[2] اولیائے پنجاب، ص178/ تذکرہ اکابرِ اہلسنت، ص503

[3] خواجہ زندہ پیرؒ کے خلیفہ ایک اور طویل عرصے تک ساتھ رہنے والے، خلیفہ صوفی رب نواز نے آپؒ کی سیرت وسوانح اور ملفوظات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تصنیف کی۔ اس کتاب غالباً خواجہ صاحبؒ کی حیاتِ مبارکہ میں آپؒ کی اجازت سے تصنیف کی گئی۔ اس کتاب میں دربارِ عالیہ گھمکول شریف اور خواجہ زندہ پیر صاحبؒ کے متعلق تمام بنیادی اور اہم معلومات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تقریباً 450 صفحات پر مشتمل ہے جس کو دربارِ عالیہ گھمکول شریف کے زیرِ اہتمام پبلش کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب زندہ پیرؒ کی مکمل سیرتِ پاک آپؒ کی اولاد واجداد، تعلیمات وملفوظات، کرامات اور خدماتِ خلق کے مشن کے بارے میں جاننے کے لیے یہ کتاب مصدر کی اہمیت رکھتی ہے۔

[4] رب نواز، صوفی، کنزالعرفان فی شان زندہ پیر صاحبؒ، دربار عالیہ گھمکول شریف کوہاٹ، ص16/ اولیائے پنجاب، ص180

تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے ہجرت کر کے کوہاٹ سے متصل گاؤں جنگل خیل میں سکونت پذیر ہوئے۔آپؒ کے والد گرامی کانام پیر غلام رسول شاہ تھاجو کہ سلسلہ قادریہ کے مقتدر اولیاء کرام میں سے تھے۔[1] حضرت خواجہ زندہ پیرؒ نے ایک معلمِ روحانی یا مرشد کی تلاش میں اپنے وقت کے عظیم صوفیائے کرام، پیر جماعت علی شاہؒ (علی پور سیداں نارووال) حافظ عبدالکریم صاحبؒ، (عید گاہ راولپنڈی) حضرت زندہ پیر (کراچی) سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ لیکن آخر کار غیبی اشارے کو پاتے ہوئے موہڑہ شریف میں سلسلہ نقشبندیہ کے ایک عظیم صوفی بزرگ حضرت باواجی قاسمؒ کے دستِ مبارک پر 1938ء میں شرفِ بیعت حاصل کیا۔[2] بیعت کے بعد اپنے مرشدِ گرامی کے حکم کے مطابق آپؒ نے فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1938ء تا 1949ء آپؒ فوج میں رہے بلاآخر 1949ء میں آپؒ نے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ 1952ء میں آپؒ نے پہلا حج ادا کیا اور بارگاہِ رسالت سے اشارہ پا کر کوہاٹ کی پہاڑیوں کو اپنا مسکب بنایا اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی اور اصلاح کے لیے ایک عظیم مرکز اور خانقاہ کی بنیاد رکھی۔[3]

آپؒ نے تقریباً سینتالیس (47) سال تک گھمکول شریف میں مخلوقِ خدا کی راہنمائی و اصلاح کے لیے کوششیں کرنے کے بعد ستاسی سال کی عمر میں مورخہ 22 مارچ 1999ء بروز سوموار کو اس دارِ فانی سے پردہ فرمایا۔[4] آپؒ کا مزار مبارک گھمکول شریف کوہاٹ میں واقع ہے۔

---

[1] کنزالعرفان فی شان زندہ پیر صاحبؒ، ص19

[2] ایضاً، ص35

[3] ایضاً، ص37/اولیائے پنجاب، ص180

[4] کنزالعرفان فی شان زندہ پیر صاحبؒ، ص287

فصل چہارم

جدید عصری مسائل اور ان کے تدارک میں خانقاہی نظام کے کردار کا جائزہ

خانقاہی نظام اپنے آغاز سے ہی دعوتِ دین اور معاشرتی اصلاح کے لیے قائم کردہ ایک ایسا نظام رہا ہے جس نے ایک طرف بے راہ راہوں اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو اپنے مالک و خالقِ حقیقی کی راہ دکھائی اور دوسری طرف خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنایا۔ صوفیائے کرام کے تمام کارہائے نمایاں میں سب سے اہم اور نمایاں کارنامہ انسانیت کی خدمت ہے۔[1] خواجہ معین الدین چشتی اجمیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل بندگی اور طاعت یہ ہے کہ مظلوموں اور عاجزوں کی فریاد کو پوچھا جائے۔ ضعیفوں اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کی جائے۔[2] خواجہ نظام الدین اولیاء کے نزدیک اطاعت اور بندگی کی دو اقسام ہیں۔ طاعت لازم اور طاعت متعدی۔ طاعتِ لازم وہ ہے جس سے صرف ایک ذات کو فائدہ پہنچتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور دیگر اوراد و تسبیحات۔ طاعتِ متعدی وہ ہے جس سے فائدہ اور راحت دوسروں کو پہنچے۔ جیسے مخلوقِ خدا کے لیے خرچ کرنا، مہربانی کرنا، شفقت کرنا وغیرہ۔ طاعتِ متعدی کا اجر و ثواب بے حد و حساب ہوتا ہے نیز یہ کہ طاعتِ لازم کے لیے اخلاص کا ہونا ضروری ہے جبکہ طاعتِ متعدی جس طرح کی بھی ہو اس کا ثواب اور فائدہ ہوتا ہے۔[3] شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ بھی اپنے مریدین کو خدمتِ خلق کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپؒ تارک الدنیا ہو کر خانقاہوں میں قید ہو جانے اور زندگی کے حقائق اور شدائد سے فرار اختیار کر کے ویرانوں میں پناہ ڈھونڈنے کے خلاف تھے۔[4]

خدمتِ خلق کے اسی بنیادی تصوّر کے زیرِ اثر صوفیاء کرام اور ان کے قائم کردہ اس خانقاہی نظام نے معاشرتی اصلاح اور سماج میں پیدا ہونے والے مختلف مسائل اور مشکلات کے حل اور ان کے تدارک کے لیے ہمیشہ سے بڑی بارآور کوششیں کیں ہیں۔ وقت اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ معاشرتے کے مسائل اور مشکلات میں بھی

---

[1] Nizami, khaleeq ahmed, Some aspects of religion and politics in India during the thirteenth century, Aligarh Muslim university , 1961, p 236

[2] سیر الاولیاء، ص103

[3] فوائد الفواد، ص172

[4] احوال و آثار حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، ص83

بہت بڑی تبدیلی رونما ہوتی ہے جس کے حل اور تدارک کے لیے طریقہ کار اور اسباب و ذرائع میں بھی مختلف نوعیت کی تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

موجودہ دور اور اس کے تقاضوں اور معاشرے میں پیدا ہونے والے مسائل اور مشکلات میں بھی ایک نا قابلِ یقین قسم کی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے کہ آیا صدیوں پہلے قائم کیا گیا دعوتِ دین اور معاشرتی اصلاح کا یہ نظام آج بھی جدید معاشرتی مسائل کے حل کے لیے موزوں اور مناسب ہے یا اس میں جدید تقاضوں اور ضروریات کے مطابق تبدیلی کی ضرورت ہے؟ اور یہ کہ دورِ جدید کے اہم فکری اور معاشرتی مسائل کے حل میں خانقاہی نظام کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے؟ اور کہاں اور کن حوالوں سے اس میں اصلاح اور بہتری کی ضرورت ہے؟ اس حوالے سے بہتر انداز میں تحقیق کرنے کے لیے اس فصل کو درج ذیل مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: دورِ جدید کے اہم فکری و دینی مسائل اور ان کا تدارک

بحث دوم: دورِ جدید کے اہم علمی و تعلیمی مسائل اور ان کا تدارک

بحث سوم: دورِ جدید کے اہم معاشی مسائل اور ان کا تدارک

بحث چہارم: خانقاہی نظام کے منفی رجحانات و اثرات

بحث اوّل

دورِ جدید کے اہم فکری و دینی مسائل اور ان کا تدارک

فکری جمود اور تقلیدِ محض

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بار بار سوچنے سمجھنے اور فکر و تدبّر کی دعوت [1] کے ذریعے انسانی عقل و شعور کو ارتقائی منازل طے کرنے کی طرف ہدایات دیتا ہے۔ انسان کو جسمانی اعضاء، آنکھ، کان اور دل کے ذریعے بصیرت حاصل کرنے پر ابھارتا ہے۔[2] انسان کو روئے زمین پر اپنی پیدائش سے آج تک ہمیشہ مختلف اور نت نئے مصائب و مسائل کا سامنا رہا ہے اور انسان نے اپنی عقل و فکر کے ذریعے ان مصائب و مسائل کا ہمیشہ حل تلاش کیا ہے۔ انسان کے اسی رویّے اور طرز عمل کو فقہی اصطلاح میں اجتہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں جدید پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کا اصول ہی اسلام کو دینِ فطرت کے طور پر ثابت کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جب تک اپنی عقل و فکر سے اجتہادی کوششیں جاری رکھیں تب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا ہر دو میدانوں میں عروج و کمال عطا کیا۔ اجتہاد اور عقل کو فکر کو چھوڑ دینے سے جمود اور تقلیدی سوچ پروان چڑھتی ہے جو فکری ارتقاء کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ انسان کی مادی زندگی کے لیے جس طرح خوراک، ہوا اور پانی کی ضرورت ہے اسی طرح اس کی روحانی ترقی کے لیے قرآنی و آفاقی آیات میں فکر و تدبّر بھی از حد ضروری ہے۔

زمانہ نبوت سے لے کر تقریباً پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں نے اجتہاد اور فکر و تدبّر کے سنہری اصولوں کو اپنائے رکھا لیکن بدقسمتی سے اس کے بعد تقلیدی سوچ پروان چڑھنا شروع ہوئی جس سے مسلمان قوم نے زوال کی طرف سفر شروع کر دیا۔ جیسا کہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ عالمِ اسلام پچھلے پانچ سو برس سے جمود کا شکار ہے جس نے قانونِ اسلام کو عملاً سرتاپا جامد بنا دیا ہے۔[3]

---

[1] (كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ- ص:29)

[2] (لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ- الحج: 46)

[3] محمد اقبال، علامہ، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلام، ص228

عصرِ حاضر میں دنیا اس قدر تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ اس میں کسی ایسے نظام کی بالکل گنجائش باقی نہیں جو صرف تقلیدِ محض اور فکری جمود کا شکار ہو۔ بد قسمتی سے خانقاہی نظام میں بھی یہ فکری جمود اور تقلیدِ شخصی کی روایات پروان چڑھ رہی ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ اسی صورت میں انسان کی راہنمائی کر سکتا ہے جب جدید دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے جدید مسائل کے حل کے لیے اپنی سوچ و فکر کو کام میں لایا جائے۔ لہذا دورِ جدید میں اہل خانقاہ کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ اس جمود کو توڑنے، جدید معاشرتی مسائل کے حل اور خدمتِ خلق کے لیے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے اس روحانی اور اصلاحی نظام کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے ایسی کوششیں کریں جو اس جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔

الحاد اور لادینیت

جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے بہت سے ایسے افکار و نظریات دنیا میں پروان چڑھتے ہوتے جا رہے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مخالف ہیں۔ ان ہی افکار و نظریات میں سے الحاد یا لادینیت ہے۔ عام اور سادہ معنوں میں اس سے مراد ہے کسی بھی دین کا پیروکار نہ ہونا، ذاتِ الٰہی کا انکار کرنا وغیرہ۔ دنیا میں حیرت انگیز ترقی اور ذرائع ابلاغ کی جدید صورتوں کے سبب ایسے نظریات پوری دنیا میں بڑی تیزی سے پھیلتے جا رہے ہیں۔ ایسے افکار و نظریات کے حامل افراد کی اصلاح کے لیے خانقاہوں نے بھی ہمیشہ سے معاشرے کے دوسرے عوامل کے شانہ بشانہ اپنا کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ برصغیر کے ایسے خطے، جہاں ہر قسم کے نظریات و افکار کے حامل افراد بستے تھے، میں انہی لادینی نظریات و افکار کے حامل افراد کو ایک دین اور ایک معبود کے سامنے جھکانے والوں میں سب سے اہم نام صوفیاء کرام کا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اجمیر راجپوتانہ میں لادینی نظریات کے آگے بندھ باندھا اور سینکڑوں افراد کو ایک معبود کا پجاری بنا دیا۔[1] آپؒ کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی کے اطراف میں درجنوں افراد کو خدائے وحدہ لاشریک کے سامنے جھکنا سکھایا۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دورِ اکبری اور جہانگیری میں دین بیزار قوتوں کا قلع قمع کیا اور بہت سے امراء، روساء اور سلاطینِ وقت کے باطل اور غلط نظریات کی اصلاح کی بار

[1] دعوتِ اسلام، ص279

آور کوششیں کیں۔ آپؒ کی کوششوں سے جہانگیری عہد میں اکبر کی جاری کردہ تمام غیر شرعی رسومات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ حضرت مجدّدالف ثانیؒ کے مشن اور مقصد کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری رقمطراز ہیں:

"شیخ مجدّدؒ کے کام کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد الحاد اور غلط طریقوں پر تنقید کرنا، وحی، نبوت، اور شریعتِ محمدی ﷺ میں از سرِ نو یقینِ راسخ پیدا کرنا، نافرمانیوں اور بدعات و خرافات کو مٹانا، اچھائیوں، نیکیوں اور اتباعِ سنت کا احیاء کرنا اور اسلام مخالف عناصر اور قوتوں کے خلاف جہاد اور اسلامی اداروں کا قیام تھا۔"[1]

سید جلال الدین تبریزیؒ کی کوششوں سے بہت سے مسلمان حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خاص طور پر وہ ہندو اور بدھ جو نہایت پستی کی زندگی گزار رہے تھے، حضرت تبریزیؒ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔[2] دورِ جدید میں بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید تقاضوں کے مطابق خانقاہوں اور درگاہوں کو اپنے تربیتی عمل میں ضروری تبدیلیاں کر کے لادینی نظریات و افکار کے آگے بند باندھنے کی کوششوں میں اپنا حصّہ ڈالنا چاہیے۔

مادیت پرستی

صوفیائے کرام کا قائم کردہ خانقاہی نظام بہت سی خصوصیات کا حامل ایک ایسا نظام ہے جو ایک طرف انسان کو انسان کی خدمت کا درس دیتا ہے تو دوسری طرف اس کا تعلق اپنے خالق و مالک سے جوڑتا ہے۔ دینِ اسلام دنیا اور مخلوقِ خدا میں رہ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنے کا درس دیتا ہے۔ نبی کرم ﷺ کی پوری زندگی میں محنت و کوشش اور توکل علی اللہ کا بہترین امتزاج نظر آتا ہے۔ بندۂ مؤمن کی زندگی صرف دنیاوی مال و دولت یا دنیاوی عیش و عشرت کے حصول کے لیے وقف نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی دنیاوی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے لیکن وہ اس مادی دنیا کی پرستش نہیں کرتا۔ خانقاہی نظام اور صوفیائے کرام نے ہمیشہ دنیاوی دولت و ثروت کی محبت سے اپنے آپ کو دور رکھا اور یہی تعلیمات اپنے متعلقین کو بھی دیتے رہے۔

---

[1] انصاری، محمد عبدالحق، تصوف و شریعت، (مترجم: محمد مشتاق تجاروی) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی، 2008ء، ج1ص39

[2] قادری، محمد ایوب، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی، ص67

تصوف اور صوفیائے کرام کی تاریخ میں ہمیں جا بجا ترکِ دنیا کی تعلیمات ملتی ہیں۔[1] لیکن تمام سلاسل تصوف کے نمایاں اور جیّد صوفیائے کرام کا عمل ترکِ دنیا کے خلاف رہا ہے۔ صوفیائے کرام نے ہمیشہ معاشرے میں رہ کر خدمتِ خلق کے فریضے کو سرانجام دیا ہے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی دنیا ہے جس کے ترک پر صوفیائے کرام زور دیتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ عام تاثر اس سے یہ لیا جاتا کہ صوفیائے کرام اس ظاہری دنیا اور اس کے تمام تعلقات کو مکمل طور پر چھوڑنے اور ان سے لاتعلقی کا درس دیتے ہیں لیکن حقیقت میں ترکِ دنیا سے مراد دنیا اور اس کے جملہ مسائل و معاملات کے بارے میں صرف مادی سوچ اور تصور کی نفی کرنا ہے۔ کیونکہ آدمی جتنا مادیت پرستی کا شکار ہو گا وہ اتنا ہی روحانی ترقی کی راہ سے دور ہوتا جائے گا۔[2] خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ ترکِ دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ فقط ایک لنگوٹی باندھ عزلت نشینی اختیار کی جائے۔ ترکِ دنیا کا یہ مطلب ہے کہ لباس پہنتے اور کھانا کھاتے وقت بھی جو کچھ ہاتھ لگے مسلسل استعمال ہوتا رہے۔ ذخیرہ اندوزہ اور مادی املاک کی ہوس نزدیک نہ آئے۔[3] خواجہ نور محمد مہارویؒ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو کہا کرتے تھے کہ عوام میں رہ کر ان کا اصلاح کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔[4] امام غزالیؒ زہد اختیار کرنے اور ترکِ دنیا کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "زہد سے مقصود یہ ہے کہ فضول، زاید اور غیر ضروری اشیاء سے اجتناب کیا جائے۔ صرف اس قدر طاقت اور قدرت موجود رہے جس سے عبادت اور اطاعتِ خداوندی حاصل رہے۔"[5]

---

[1] سنجری، امیر حسن علا، فوائد الفؤاد، (مترجم: خواجہ حسن نظامی دہلوی)، ص 164- 168- 169 - 190- 211- 224۔ / سیر الاولیاء، ص 543- 545/ راحت القوب (ملفوظاتِ باباب فرید الدین مسعود گنج شکر)، نظام الدین اولیاءؒ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1406ھ، ص 113۔118

[2] Some aspects of religion and politics in India during the thirteenth century, p 237

[3] فوائد الفؤاد، ص 164/ برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، ص 121

[4] تاریخِ مشائخ، چشت، ص 523

[5] غزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، منہاج العابدین، (مترجم: مولانا محمد سعید نقشبندی) حفیظ بک ڈپو، دہلی، 1973ء، ص 55

صوفیائے کرام کی زندگیوں میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مادی دنیا سے کتنی بے رغبتی برتتے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کا مال و منال دھوکے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مریدوں، عزیز و اقارب اور خدمت گاروں کو گواہ بنا کر اپنے خادم سے فرمایا اگر گھر میں کوئی بھی چیز بچا کر رکھو گے تو کل قیامت میں اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہو گی۔[1] سلسلہ چشتیہ کی ایک عظیم صوفی بزرگ خواجہ گیسودرازؒ فرماتے ہیں موجودہ زمانے میں اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ دنیا بہتر ہے یا آخرت تو یہی جواب دے گا کہ آخرت بہتر ہے لیکن حال یہ ہے کہ اگر اس آدمی کی جیب سے چند روپے گم ہو جائیں تو غم کے مارے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔[2]

دورِ جدید میں انسان کا اپنی خالق و مالک سے تعلق کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صوفیائے کرام کی حقیقی تعلیمات کو عام کیا جائے تاکہ مادیت پرست انسان دنیاوی مال و منال کی محبت سے آزاد ہو۔

فرقہ واریت

کسی بھی معاشرے کی ترقی کے بنیادی اور ضروری عناصر میں سے ایک عنصر امن و امان کا قیام ہے۔ معاشرتی امن و امان کے قیام کے بغیر کسی بھی قسم کی ترقی کا خواب دیکھنا جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ تفرقہ بازی اور فرقہ بندی معاشرتی امن و امان کے لیے زہر قاتل ہے۔ دینِ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو تفرقہ بازی اور فرقہ بندی سے اور ہر قسم کی گروہ بندی سے بچنے کی تلقین کی ہے۔[3] نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے قول و عمل سے ہمیشہ اتحاد و اتفاق کا درس دیا اور ہر قسم کی فرقہ بندی سے دور رہنے کی تلقین کی۔[4]

صوفیائے کرام نے دین کی انہی بنیادی تعلیمات کو اپنایا اور اپنے آپ کو ہر قسم کی گروہ بندی سے آزاد اور دور رکھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صوفیائے کرام کے آستانے اور خانقاہیں ہر مسلک، ملت، مذہب، رنگ، ذات اور نسل کے

---

[1] سیر الاولیاء، ص240

[2] چشتی، شبیر حسین، سیرتِ خواجہ محمد گیسودراز، عظیم اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، 2002ء، ص28

[3] آل عمران: 103- 105/الانعام: 159/الروم: 32/الشوریٰ: 13

[4] صحیح مسلم، کتاب البر و الصله، ح 6441

لوگوں کے لیے مادی اور روحانی تسکین کا باعث ہوتیں تھیں۔ صوفیائے کی خانقاہوں پر آج اس جدید دور میں بھی ہر ذات اور مذہب کے افراد اپنی عقیدتوں کے اظہار کے لیے آتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے اپنی خانقاہوں میں ہر قسم کی تفرقہ بازی اور گرہ بندی کو کسی صورت میں پنپنے کا موقع نہیں دیا۔ صوفیائے کرام کے تذکرے اور تصوف کی تاریخ ایسی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

بحث دوم

دورِ جدید کے اہم علمی و تعلیمی مسائل اور ان کا تدارک

معاشرے اور سماج کا ایک اہم ادارہ ہونے کی حیثیت سے خانقاہوں اور درگاہوں نے اپنے قیام کے آغاز سے ہی معاشرے کے جملہ مسائل کے تدارک کے لیے ممکن کوششیں کیں۔ تعلیم و تعلم کے میدان میں بھی خانقاہوں نے اپنا مؤثر کردار ادا کیا۔ وقت و حالات میں تغیر کے سبب اس جدید دور میں علمی و تعلیمی میدان میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کے حل کے لیے دیگر سماجی اداروں کے ساتھ ساتھ خانقاہوں کو بھی کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ صوفیائے کرام کی قائم کردہ خانقاہوں اور درگاہوں کی علمی و تعلیمی کاوشوں کی تحقیق و تجزیہ درج ذیل نکات میں پیش کیا جاتا ہے۔

جہالت اور اس کا تدارک

پیغمبرِ اسلام پر وحیِ الٰہی کا آغاز ہی ایک ایسے حکم سے ہوتا ہے جس میں انسان کو علم، تعلیم، تعلم اور غور و فکر کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔[1] یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اہلِ علم دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔[2] دینِ اسلام میں علم، غور و فکر اور تفکر و تدبّر کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے اور بیسیوں آیت ایسی ہیں جو علم، فکر، تدبّر اور تفکر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ علم اور تعلیم و تعلّم کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی ترویج و اشاعت اور معاشرے سے جہالت کے خاتمے کے لیے صوفیائے کرام نے اپنے اپنے ادوار میں مختلف اقسام کی تعلیمی و علمی خدمات سرانجام دیں ہیں۔

سلسلہ سہروردیہ کے عظیم صوفی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے علمی میدان میں بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی شیخ موصوف کی علمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آپؒ نے ملتان کی حالتِ علمِ ظاہری و باطنی بدل کر رکھ دی۔ ہر طرف مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں، مجلس خانے اور لنگر خانے قائم ہونے لگے۔ آپؒ نے ملتان میں

---

[1] العلق:1 -5

[2] الزمر:9 / المجادلۃ:11

آتے ہی پہلا دینی مدرسہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ برصغیر کا قدیم ترین دینی مدرسہ شمار ہوتا ہے۔[1] منشی عبدالرحمان خان اس مدرسے کے تعارف کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ یہ ملتان میں سہروردیہ سلسلے کا سب سے پہلا مدرسہ تھا جو حضرت بہاءالدین نے تعلیم دین ودنیا کے لیے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ موجودہ خانقاہ کے ساتھ واقع تھا۔[2] شیخ بہاالدین زکریا ملتانیؒ کے قائم کردہ اس مدرسے میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دیگر جدید علوم وفنون بھی سیکھائے جاتے تھے۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ املا اور خطاطی کی باقاعدہ مشق کروائی جاتی تھی۔ منشی عبدالرحمان لکھتے ہیں: اس مدرسے میں املا کا رواج تھا ہر ہفتے میں تین دن املا کے لیے وقف ہوتے تھے۔ طلباء اسباق کی تحریری مشقیں کرتے انہیں نقل کرتے اس طرح وہ اچھے خطاط بن جاتے تھے اور پھر یہی پیشہ اختیار کر لیتے تھے۔ شیخ زکریاؒ خود بھی بہت بڑے خطاط تھے۔[3]

ملتان کی اس عظیم صوفی نے ملتان کی علمی تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کے قائم کردہ دینے مدرسے کی دھوم اور شہرت نہ صرف برصغیر میں پھیل گئی بلکہ جنوبی ایشیاء کے دیگر ممالک سے بھی سنکڑوں طلباء یہاں آکر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ حمید اللہ شاہ ہاشی لکھتے ہیں: یہ مدرسہ آہستہ آہستہ ایک عظیم یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا جس میں جملہ علوم وفنون منقولات ومعقولات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس میں نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ بلادِ ایشاء عراق، شام اور حجاز کے طلباء زیرِ تعلیم تھے۔ جن کی تعداد کئی ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔[4]

شیخ موصوف کی قائم کردہ اس عظیم درسگاہ کے اثرات نہ صرف برصغیر پاک وہند میں ہی تھے بلکہ پورے جنوبی ایشاء کے مختلف ممالک اور علاقے اس کی روشنی سے جگمگا اٹھے۔ مفتی ولی حسن ٹونکی اپنی تصنیف تذکرہِ اولیائے ہند وپاکستان میں خواجہ بہاءالدینؒ کی اس عظیم درسگاہ کے بارے میں لکھتے ہیں: آپؒ کی خانقاہ علوم ظاہری وباطنی کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپؒ کے فیوض وبرکات سے پنجاب وسندھ کا علاقہ منور ہو گیا۔[5] آپؒ کے اس مدرسے اور خانقاہ میں ایک کتب خانہ بھی موجود تھا جس سے استفادہ کے لیے دور دور سے طالبانِ علم آتے تھے۔ منشی عبدالرحمان لکھتے

---

[1] احوال وآثار حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، ص 83

[2] عبدالرحمان، منشی، آہینہ ملتان، مطبوعہ اشراف المعارف، ملتان، 1972ء، ص209

[3] آہینہ ملتان، ص209

[4] احوال وآثار حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، ص84

[5] تذکرہ اولیائے ہند وپاکستان، ص65

ہیں: اس مدرسے کے کتب خانے کا شہرہ ہندوستان میں دور دراز تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے ہر شعبہِ حیات کے لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے ملتان کھنچے چلے آتے تھے۔[1] اس کے علاوہ ابو الفضل جمال الدین شاہ یوسف گردیزیؒ (متوفی 531ھ) نے بھی تقریباً پانچویں صدی ہجری کے آواخر میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ منشی عبدالرحمان اس کتب خانے کے بارے منیں لکھتے ہیں: اس دور کا پہلا باقاعدہ کتب خانہ، ابوالفضل جمال الدین شاہ یوسف گردیزیؒ نے میں قائم کیا۔ آپؒ صرف بلند پایہ درویش اور صاحبِ کرامت بزرگ نہ تھے بلکہ ایک بہٹ بڑے عالمِ دین بھی تھے۔ آپؒ کے وجودِ مسعود سے ملتان میں ایک عرصے تک علمی چرچا رہا۔ آپؒ کے قائم کردہ اس کتب خانے سے مدتوں لوگ مستفیض و مستفید ہوتے رہے۔[2]

آپؒ نے اپنی اس درسگاہ سے ایک لاکھ سے زائد ایسے باعمل اشخاص تیار کیے جنہوں نے مشرق میں ملائشیا اور انڈونیشیا، سمرقند وبخارا، خراسان اور مشرق وسطیٰ تک پھیل کر بندگانِ خدا کی دینی فلاح اور معاشرتی و معاشی خوشحالی کی راہیں ہموار کیں۔[3]

ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے علاوہ بھی تقریباً ہر مشہور صوفی نے علم اور تعلیم کے لیے ممکنہ اقدامات کیے۔ مشائخ کی تمام بری خانقاہوں کے ساتھ مدارس کا وجود ہر دور میں ملتا ہے جہاں تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ دینی و دنیاوی علوم کا معقول انتظام موجود ہوتا تھا۔ منشی عبدالرحمان ملتانی کی علمی تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ملتان کے اندر جتنے بزرگانِ موجود رہے ان کی مساجد و مزارات پر مکتب قائم ہوتے چلے آئے۔ جن میں علومِ متداولہ کی تعلیم کا خاطر خواہ بندوبست ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں خانقاہ دیوان چاولی مشائخ، خانقاہ ایوب قتال، خانقاہ مخدوم عبدالرشید حقانی، خانقاہ حضرت سلطان احمد قتال، خانقاہ ابو بکر وراق، خانقاہ شاہ حبیب اللہ قادری، خانقاہ حضرت عبدالحکیم اور خانقاہ شاہ دانا شہید خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[4]

---

[1] آہینہ ملتان، ص209

[2] ایضاً، ص217

[3] احوال وآثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، ص84

[4] آہینہ ملتان، ص212

اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے دورِ جدید کے صوفیائے کرام نے بھی معاشرے سے جہالت کے خاتمے کے لیے بہت سے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ سلسلہ چشتیہ کے صوفی بزرگ پیر محمد کرم شاہؒ نے 1957ء میں بھیرہ کی سرزمین پر قدیم وجدید علوم کے حسین امتزاج سے ایک شاندار نصاب کے ساتھ خانقاہ امیر السالکین میں ایک اہم علمی مرکز کی نشاۃِ ثانیہ کی۔ اس وقت پورے ملک اور بیرون ملک اس علمی درسگاہ کی سینکڑوں شاخیں موجود ہیں جو افرادِ معاشرہ کی علمی ضروریات کو پورا کرنے میں اپنی خدمات پیش کر رہی ہیں۔ دورِ حاضر میں یہ علمی درسگاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرنے کے بہت سارے مراحل طے کر چکی ہے۔[1] مستقبل قریب میں یہ ایک عالمی درجے کی یونیورسٹی ہو گی۔ یہ تمام علمی کارنامے ایک صوفی کی سوچ و فکر، کوشش و محنت اس کی قائم کردہ اور خانقاہ کے سبب عمل میں آئے۔

اسی طرح سلسلہ نقشبندیہ کی ایک خانقاہ دربارِ عالیہ نیریاں شریف تراڑ کھل (آزاد کشمیر) کے توسّل سے ایک جدید طرز کا علمی ادارہ قائم ہوا جو علمی میدان میں اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ دربارِ عالیہ نیریاں شریف کے زیرِ اہتمام سلسلہ نقشبندیہ کے جدید دور کے ایک عظیم عالم اور صوفی بزرگ پیر علاء الدین صدیقیؒ نے تراڑ کھل آزاد کشمیر میں ایک قومی درجے کی یونیورسٹی[2] قائم کی جس کا ایک کیمپس اسلام آباد میں بھی ہے۔ اسی خانقاہ کے زیرِ اہتمام میرپور آزاد کشمیر میں ایک میڈیکل کالج[3] قائم کیا گیا جو کہ عملی دنیا میں اپنی خدمات پیش کر رہا ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جو صوفیائے کرام اور ان کے قائم کردہ خانقاہوں کے سبب جہالت کے خاتمے اور تدارک کے لیے کی جانے والی نمایاں کوششوں سے پیش کی گئیں ہیں۔ حقیقت میں ان علمی خدمات اور کارناموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس کے لیے ایک الگ اور مستقل عنوان کے تحت تحقیق کی ضرورت ہے۔

---

[1] دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ، ضلع سرگودھا جس کا سنگِ بنیاد 1925ء میں پیر محمد شاہؒ نے رکھا تھا۔ پھر 1957ء میں پیر محمد کرم شاہؒ نے اس کی نشاۃِ ثانیہ کی اور قدیم وجدید علوم پر مشتمل ایک نیا نصاب متعارف کروایا۔ یہ ادارہ اب "الکرم انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ" کے نام سے ایک عالمی درجے کی یونیورسٹی کی منظوری قومی اسمبلی اور سینٹ سے حاصل کر چکا ہے۔ قومی اسمبلی اور سینٹ نے " The Al-Karam International Institute Act 2021" کے نام سے ایک بل منظور کیا ہے جس میں اس ادارے کو یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا ہے۔
تفصیل کے لیے دیکھیے: (http://www.senate.gov.pk/uploads/documents/1614769410_596.pdf)

[2] https://miu.edu.pk

[3] https://www.mimc.edu.pk

دینی و دنیوی علوم کی تفریق

حقیقت میں تعلیم کا کوئی دینی اور دنیاوی تصور نہیں ہے اور نہ ہی تعلیم و علم کی کوئی دینی و دنیاوی لحاظ سے تفریق ہے۔ بلکہ ہر وہ علم جو انسانیت کو نفع دے اور جس سے کائنات اور اس کے خالق کی معرفت کا حصول ممکن ہو اس کے حصول کا اسلام نہ صرف اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے بلکہ اس کے حصول اور تبلیغ و اشاعت پر اجر و ثواب کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ اسلام علم و تعلیم کی تقسیم کے لیے علمِ نافع اور غیر نافع کا اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ جیسا کہ نبیِ کریم ﷺ نے ہمیں ایک دعا سیکھائی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز فجر میں سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا ، وَرِزْقًا طَيِّبًا ، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا))[1]

(اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، پاکیزہ روزی اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں۔)

اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں میں سے پڑھے لکھے لوگوں سے بھی فدیے کے طور پر مسلمان بچوں کو علم و تعلیم دینے کی شرط رکھی گئی۔ ظاہر ہے غیر مسلموں سے جو علم سیکھا گیا تھا وہ کوئی قرآن و سنت کا علم نہیں تھا بلکہ وہ لکھنے پڑھنے کا فن تھا۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصلاً علم کی تقسیم دینی یا مذہبی نہیں بلکہ نافع اور غیر نافع کی ہے۔ نفع بخش علم کے حصول اور اس کی ترویج کا حکم دیا گیا ہے۔ جبکہ غیر نافع علم سے پناہ مانگی گئی ہے۔

برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں کے تسلط اور قبضے کے بعد جب مسلمانوں کو اپنی دینی آزادی اور علمی روایات کی ترویج میں مشکلات نظر آہیں تو اس وقت مسلمانوں کے چند اکابرنے بطورِ خاص دینی علوم کی ترویج و اشاعت اور مسلمانوں کے عقائد کو انگریز مشنیریوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مختلف دینی اداروں (مدارسِ دینیہ) کی بنیاد رکھی جس نے آگے چل کا دینی علوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

برصغیر پاک و ہند اور دنیا کے دیگر ممالک میں جہاں اور جب بھی مسلم حکومتیں قائم تھیں وہاں کا نظام تعلیم دینی و دنیاوی تفریق سے پاک تھے۔ وہاں کے نصابِ تعلیم میں وہ تمام علوم و فنون شامل ہوتے تھے جو آج کی اصطلاح میں جدید علوم یا دنیاوی علوم کہلاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت، فقہ و حدیث، منطق و فلسفہ اور علم الکلام جیسے دیگر

---

[1] سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد ابن ماجه، كتاب اقامة الصلٰوة، باب ما يقال بعد التسليم ح 925

اسلامی علوم بھی نصاب کا لازمی حصہ ہوتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انگریز کی آمد کے بعد یہاں کے نصابِ تعلیم میں تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کے سبب دینی و دنیاوی علوم میں تفریق کا تصور ابھر کا سامنے آیا۔

دینی مدارس اور ان کا نصاب

عام طور پر صوفیائے کرام نے جو تعلیمی ادارے قائم کیے وہ زیادہ تر صرف دینی یا شرعی علوم کی ترویج و اشاعت کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ خانقاہوں اور درباروں سے لوگوں کا زیادہ تر تعلق تزکیہ نفس اور روحانیت کے حوالے سے ہوتا ہے اس لیے صوفیائے کرام نے ان لوگوں کی ضروریات اور ذوق کو مدّ نظر رکھتے ہوئے جو علمی سلسلے شروع کیے وہ دینی مدارس کی صورت میں علمی میدان میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ ادارے زیادہ تر مختلف خانقاہوں اور درگاہوں سے ملحقہ ہوتے ہیں اور کسی صوفی عالم کے زیرِ انتظام ہوتے ہیں۔ ان مدارس میں قرآن و تفسیر، حدیث و سنتِ رسول ﷺ، فقہ و اصولِ فقہ، منطق و فلسفہ، علم الکلام اور صرف و نحو وغیرہ پر مشتمل نصاب تعلیم رائج ہوتا ہے۔ ان مدارس میں سے اکثر کا الحاق مختلف دینی تنظیمات کے بورڈ[1] سے ہوتا ہے۔

---

[1] پاکستان میں دینی مدارس کی تنظیمات کے مختلف وفاق اور بورڈ قائم ہیں جو مختلف مسالک سے تعلق رکھتے ہیں جن کی تعداد پانچ (5) ہے: (1) وفاق المدارس العربیہ، پاکستان: دیوبندی مکتبہ فکر کا یہ وفاق 1959ء میں قائم کیا گیا اس کا مرکزی دفتر ملتان میں ہے۔ (2) تنظیم المدارس اہلسنت، پاکستان: بریلوی مکتبہ فکر کا قائم کردہ یہ وفاق 1960 میں قائم کیا گیا جس کا مرکز لاہور میں ہے۔ (3) وفاق المدارس السّلفیہ: اہل حدیث مکتبہ فکر کا قائم کردہ وفاق جس کا آغاز 1955ء میں ہوا، اس کا مرکز فیصل آباد میں ہے۔ (4) وفاق المدارس الشیعیہ، پاکستان: اہل تشیع مکتبہ فکر کا یہ وفاق 1959ء میں قائم کیا گیا اس کا مرکزی دفتر لاہور میں ہے۔ (5) رابطۃ المدارس الاسلامیہ، پاکستان: جماعتِ اسلامی کا قائم کردہ یہ وفاق 1983ء میں قائم کیا گیا جس کا مرکزی دفتر منصوری، لاہور میں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (دینی مدارس میں تعلیم، کیفیت مسائل، امکانات: سلیم منصور خالد، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، 2002ء، ص143) یہ تمام بورڈ حکومتِ پاکستان سے منظور شدہ ہیں اور ان کی اسناد کو میٹرک، انٹر میڈیٹ، گریجویشن اور ماسٹر کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ حال ہی میں دینی مدارس کو حکومتی سرپرستی میں لینے کی کوششیں ہوئیں جو ہنوز جاری ہیں اس سلسلے میں چند نئے بورڈز اور وفاق کی منظوری بھی دی گئی جس میں درج ذیل نئے وفاق شامل ہیں۔ 1: اتحاد المدارس العربیہ۔ 2: اتحاد المدارس الاسلامیہ۔ 3: نظام المدارس پاکستان۔ 4: مجمع المدارس تعلیم الکتاب والحکمہ۔ 5: وفاق المدارس الاسلامیہ الرضویہ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: (https://www.express.pk/story/2141498/1/)

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد سے ہی دینی مدارس کو سرکاری سرپرستی میں لانے کے لیے اور ان کے نصاب میں حالات کے مطابق تبدیلیاں کرنے کی مختلف کوششیں ہو ہیں۔ اس حوالے سے خود دینی مدارس کی انتظامیہ سمیت مختلف اہل علم و فن نے کوششیں کیں۔ مختلف سیمینار کروائے گئے۔ کانفرنسز کا انعقاد ہوا جن میں نصابِ تعلیم میں حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیلیوں اور ان کے اثرات کے حوالے سے مدلّل مقالہ جات پیش کیے گئے۔ یہ کوششیں تا حال جاری ہیں تاہم ان کوششوں کا کوئی باقاعدہ حل ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا۔ کچھ بڑے مدارس نے خود اپنے طور پر اپنے نصاب میں تبدیلیاں کی ہیں اور دنیاوی علوم مثلاً انگریزی زبان، ریاضی، معاشیات، مطالعہ پاکستان، کمپیوٹر اور دیگر علوم کو شامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ مدارس میں دینی و دنیاوی کا مستقل اور باقاعدہ انتظام موجود ہے۔ [1]

ان تمام کوششوں کے باوجود مزید اور عملی کاوشوں کی اشد ضرورت ہے۔ خانقاہوں پر قائم مدارس کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ اپنے نصابِ تعلیم میں ممکنہ تبدیلیوں کے حوالے سے اہلِ علم و فن اور حکومت کی طرف سے کی جانے والی مثبت کوششوں کا ساتھ دیں تاکہ تعلیمی و علمی میدان میں مزید اور مثبت کامیابیاں حاصل کی جا سکیں۔

نصابِ تعلیم اور عصرِ حاضر کے تقاضے

اہلِ مدارس و خانقاہ کے نزدیک بھی یہ بات اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ مدارسِ دینیہ میں رائج نصابِ تعلیم اگرچہ دینی و شرعی تقاضوں کو کافی حد تک پورا کرتا ہے تاہم یہ نصاب جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے میں مکمل طور پر ناکافی ہے۔ اس حوالے سے بہت سے مدارس نے نجی حیثیت سے اپنے نصاب میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں تاہم دینی مدارس کی تنظیمات یا بورڈ اور اکثر اداروں میں ابھی بھی وہی نصاب تعلیم رائج ہے جو کئی صدیوں پہلے مرتب کیا گیا تھا۔ تبلیغ و اشاعتَ دین کے حوالے سے بھی جدید دور کی مختلف زبانوں سے واقفیت کے ساتھ ساتھ مختلف قوموں کے مذہبی، سیاسی، سماجی اور معاشی افکار و نظریات کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس حوالے سے دینی مداراس کے

---

1 ملکِ پاکستان کی عظیم دینی درس گاہ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ، ضلع سرگودھا، جس کا قیام ایک خانقاہ امیر اسالکین بھیرہ شریف پر ایک صوفی عالم پیر محمد کرم شاہؒ نے کیا۔ اس درسگاہ یا دار العلوم کی سینکڑوں شاخیں پورے ملک اور بیرونِ ملک قائم ہیں۔ مرکزی دار العلوم سمیت تمام ذیلی شاخوں میں ایک ہی نصابِ تعلیم رائج ہے جس میں میٹرک سے ماسٹر تک دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ درسِ نظامی کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے۔ اور طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں قسم کی تعلیم کو مکمل کرے۔

نصابِ تعلیم میں لازمی اور مطلوبہ تبدیلیاں ناگزیر ہو چکی ہیں۔ اس ضمن میں اس بات کا خاص خیال کیا جانا چاہیے کہ نصابِ تعلیم میں تبدیلیوں کی وجہ سے ان دینی اداروں کا اسلامی تشخص پوری آب و تاب کے ساتھ برقرار رہے۔

دنیا ایک گلوبل ویلج کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ ایسے حالات میں اگر اہلِ مدارس و خانقاہ اپنے انہی روایتی طریقوں اور نصاب کی ہی پیروی کرتے رہیں گے تو لازماً علمی ترقی کی شاہراہ پر بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق نصابِ تعلیم میں مناسب اور ضروری تبدیلیوں کے لیے خود اہلِ خانقاہ و مدارس کو آگے آنا چاہیے۔

جدید علوم و فنون کی ضرورت

یہ دور علمی ترقی کا دور ہے۔ جو قومیں علم و ہنر کے میدان میں محنت کر رہی ہیں وہ دن بدن ترقی کرتی جاتی ہیں۔ اہلِ خانقاہ و مدرسہ اگرچہ روحانیت و تزکیہ نفس کے مراکز ہیں تاہم روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی دنیا میں بھی ترقی ایک ضروری امر ہے۔ اس حوالے سے وقت کی ضرورت اور زمانے کے بدلتے حالات کے تقاضوں کے مطابق جدید علوم و فنون کی تدریس بھی ان خانقاہوں اور ان کے ہاں قائم مدارس میں ہونی چاہیے۔ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی خانقاہیں بلاشبہ عوامی توجہ کا خصوصی مرکز ہیں۔ عام عوام اور اہلِ ثروت اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا اظہار صدقات و عطیات اور دیگر مالی امداد کی صورت میں کرتے ہیں۔ انہی صدقات سے ان خانقاہوں پر قائم مدارس کے جملہ تعلیمی اور دیگر اخراجات پورے کیے جاتے ہیں۔ مختلف اعداد و شمار کے مطابق ان خانقاہوں کی سالانہ آمدنی کروڑوں میں ہوتی ہے۔ اہلِ خانقاہ کو چاہیے کہ وہ ان وسائل سے تعلیمی اداروں کو نئے اور جدید طرزِ تعلیم کے مطابق مختلف علوم و فنون کی تعلیم و تدریس کے لیے منظّم اور تیار کرے۔

اس ضمن میں کی گئی مثبت کوششوں کی چند مثالیں بھی موجود ہیں۔ لاہور کی تاریخی خانقاہ حضرت داتا صاحبؒ، جو کہ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِ انتظام ہے، میں تصوف، اسلامی علوم اور جدید علوم و فنون کے لیے مستقبل میں ایک شاندار یونیورسٹی کا منصوبہ زیرِ غور ہے۔ اس کے علاوہ اسی خانقاہ میں Tevta کے اشتراک و تعاون کے ساتھ ایک بنیادی فنّی ادارہ قائم ہے جو جو غیر و نادار طلباء کو کمپیوٹر، اکاؤنٹنگ اور ڈیزائنگ وغیرہ کی مفت تعلیم اور تربیت فراہم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسی خانقاہ میں غریب و نادار بچیوں کے لیے علی ہجویری دستکاری سکول کے نام سے ایک ادارہ قائم

کیا گیا ہے۔[1] نقشبندی سلسلے کی ایک خانقاہ دربارِ عالیہ نیریاں شیریف تراڑ کھل (آزاد کشمیر) کے زیرِ انتظام محی الدین میڈیکل کالج[2] اور محی الدین اسلامک یونیورسٹی[3] ایک کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے۔ جس میں جدید علوم وفنون کی تدریس کا مکمل انتظام موجود ہے۔ دورِ جدید کے صوفی مفسرِ قرآن پیر محمد کرم شاہؒ کی زیرِ نگرانی خانقاہ امیر السالکین پر قائم کیا گیا ایک دینی ادارہ مکمل جدید وقدیم نصاب کے ساتھ تعلیمی میدان میں اپنی خدمات پیش کر رہا ہے۔ اب یہ دینی ادارہ ایک مستقل اور بین الاقوامی یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

یہ تمام کوششیں اور کاوشیں اہلِ خانقاہ اور صوفیائے کرام کی طرف سے جدید علوم وفنون کی ترویج واشاعت اور ملک وقوم کی ترقی کے ضمن میں کی گئی ہیں۔ تاہم یہ تمام کوششیں ناکافی ہیں کیونکہ ابھی بھی پاکستان کے تقریباً تمام مدارس اور ان کے وفاق اور تنظیمات کے ہاں ان جدید علوم وفنون کی تدریس کا کوئی عملی اقدام نظر نہیں آتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس حوالے سے کی گئی مثبت کوششوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان سے راہنمائی لیتے ہوئے ملکی سطح پر تمام مدارس اور اداروں میں جدید علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کا بندوبست کیا جائے۔ تاکہ ان اداروں سے فراغت پانے والے جہاں ایک طرف اچھے مسلمان ہوں وہاں دوسری طرف دنیاوی لحاظ سے بھی جدید علوم سے واقف ہوں۔ اس طرح ایسے افراد ایک طرف اسلام کی تبلیغ واشاعت کا سبب بنیں گے تو دوسری طرف ملکی وقومی ترقی میں اپنا ایک اہم کردار ادا کر سکیں گے۔

---

[1] اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، ص79

[2] https://www.mimc.edu.pk

[3] https://miu.edu.pk

بحث سوم

دورِ جدید کے اہم معاشی مسائل اوران کا تدارک

بر صغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام نے دعوت و تبلیغِ اسلام اور تزکیہ نفوسِ انسانی کے ساتھ ساتھ دیگر سماجی و معاشی مسائل کے تدارک کے لیے بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ صوفیائے کرام نے بندگانِ خدا کو ایک طرف توکل علی اللہ کا روحانی درس دیا اور دوسری طرف انھوں نے الکاسب حبیب اللہ کے نبوی فرمان کے مطابق ہاتھ سے کمانے اور محنت مزدوری کرنے کی اہمیت کو اپنے اقوال و اعمال سے معاشرے میں اجاگر کیا اور یوں روحانی و مادی دونوں پہلوؤں کے درمیان توازن و برابری کا ایک عملی نمونہ معاشرے کے سامنے پیش کیا۔ صوفیائے کرام اور ان کے قائم کردہ خانقاہی نظام نے ہر دور کی ضروریات و حالات کے مطابق معاشرے کے اہم معاشی مسائل کے حل و تدارک کے لیے اپنی ممکنہ خدمات پیش کیں۔

غربت و افلاس اور اس کا تدارک

غربت و افلاس ہر دور میں اور بطورِ خاص عصرِ حاضر میں ترقی پذیر ممالک کے لیے ایک بڑا معاشی مسئلہ ہے۔ حکومتوں کے ساتھ ساتھ دیگر نجی تنظیمیں، ادارے اور افراد اس مسئلے کے حل اور تدارک کے لیے کوشاں رہے ہیں اور یہ کوششیں آج بھی جاری ہیں۔ ایک سماجی ادارہ ہونے کے ناطے خانقاہ اور درگاہ نے بھی ہمیشہ اس مسئلے کے تدارک کے لیے ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ صوفیائے کرام کی خانقاہوں پر بھی ہر امیر و غریب شخص حاضر ہوتا تھا تاہم یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان روحانی مراکز کے ساتھ زیادہ تعلق عام عوام اور نادار طبقے کا رہا ہے۔ صوفیائے کرام نے ہمیشہ ان غریب، نادار اور لاچار بندگانِ خدا کی بنیادی انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنی خانقاہوں میں انتظام کیا۔ اس سلسلے میں تقریباً ہر بڑی اور مصروف خانقاہ میں لنگر اور رہائش کا وسیع انتظام موجود ہوتا تھا۔ اور یہ سلسلہ آج بھی قائم و دائم ہے۔ ان لنگر خانوں کی پوری تفصیل ہم نے باب سوم میں بیان کی ہے۔ علاقے کے نادار اور غریب لوگ خانقاہوں میں قائم لنگر خانوں سے اپنی خوراک کی ضروریات بلا معاوضہ اور مستقل طور پر پوری کرتے ہیں۔ اسی طرح دور دراز سے آئے غریب و نادار مسافران

خانقاہوں کو جائے پناہ کے طور استعمال کرتے ہیں۔ یوں افرادِ معاشرہ کی ایک بڑی تعداد برائے راست ان خانقاہوں سے اپنی بنیادی ضروریات حاصل کرتے ہیں۔

کسبِ معاش اور توکل علی اللہ کا تصوّر

صوفیائے کرام اور خانقاہوں کا نام استعمال کرنے والے نقلی اور جعلی صوفیا اور پیر پاکستانی معاشرے میں کثرت سے پائے جاتے ہیں جنہوں نے ایک طرف اس پاکیزہ روحانی، علمی، فلاحی اور سماجی تحریک کو نقصان پہنچایا اور دوسری طرف ایسے تصورات و نظریات کا پرچار کیا جو نہ صرف اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھے بلکہ اس سے افرادِ معاشرہ بے عملی، سستی اور اخلاقی و روحانی تنزلی کا شکار ہوئے۔ ایسے ہی نظریات و تصوّرات میں سے ایک تصوّر توکل علی اللہ کی غلط تشریح و تعبیر کا ہے۔ صوفیائے خام نے توکل کی ایسی تعبیر و تشریح کی کہ ان کے ماننے والوں نے محنت و کام کاج سے ہاتھ کھینچ لیا اور بنیادی ضروریات کے لیے بظاہر اللہ کے نام پر وہ دوسروں پر توکل کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا محنت و مشقت، کوشش و سعی اور عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔[1] جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ توکل کا معنٰی محنت مزدوری، کوشش و سعی اور کام کاج کو چھوڑ دینا نہیں ہے۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کرم ﷺ سے توکل کی وضاحت کرتے ہوئے پوچھا کیا میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا چھوڑ کر؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ[2]))

(اسے باندھ دو، پھر توکل کرو۔)

دورِ رسالت ﷺ میں بھی لوگ بہت سی ایسی چیزوں اور طریقوں کو توکل کا نام دیا کرتے تھے جو حقیقت میں توکل کے منافی ہوتی تھیں پھر نبی کرم ﷺ ایسے تمام نظریات اور طریقوں کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس

---

[1] النجم:39/النازعات:35/الاسراء:19/الانبیاء:94

[2] سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه، ح 2517

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ یمن بغیر ساز و سامان اور ضروریاتِ سفر کے حج کے لیے روانہ ہوتے تھے اور اسے وہ توکل کا نام دیتے تھے[1] تو پھر قرآن کی آیت [2] نازل ہوئی جس میں مومنین کو زادِ راہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔

متقدمین و متاخرین صوفیائے کرام کے ہاں توکل علی اللہ ہر گز محنت مزدوری، کام کاج اور کسبِ معاش کے منافی نہیں رہا۔ بلکہ بہت سے صوفیائے کرام باقاعدہ خود تجارت کرتے تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ اپنی درسگاہ سے فراغت پانے والوں کو مزید دو سال مختلف علاقوں زبانیں سیکھاتے ے تھے پھر ان کو کاروبار کے لیے کچھ سرمایہ فراہم کرتے تھے تاکہ وہ تجارت و کاروبار کر کے اپنی ضروریات پوری کریں اور اخلاص سے دین کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔[3] آپؒ اپنے خلفاء اور ان مبلغین کو باقاعدہ ہدایات دیتے تھے کہ سامان کم منافع پر فروخت کرنا، لین دین میں نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر عمل کرنا، ناقص اشیاء فروخت نہ کرنا خریداروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا اور جب تک لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہو لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پیش نہ کرنا۔[4]

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: توکل یہ ہے کہ نہ تو کسی سے مانگے، نہ کسی چیز کو ردّ کرے اور نہ اپنے پاس کچھ روکے رکھے۔[5] آپؒ فرماتے ہیں کہ توکل نبی کرم ﷺ کا حال تھا اور کسب آپ ﷺ کی سنت ہے۔ جو آپؐ کیے حال پر رہے اسے آپ ﷺ کی سنت ترک نہیں کرنی چاہیے۔[6] ابنِ عطا فرماتے ہیں: اس کے باوجود کے تمھیں اسباب کی اشد ضرورت ہے اگر تم اسباب کی طرف جانے کے لیے بے چین نہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ تم اسباب و ذرائع کو استعمال میں لا رہے ہو، پھر بھی تم اس سکون و اطمینان سے، جو تمھیں حق کے ساتھ حاصل ہے، نہ ہٹو تو تم میں توکل ہے۔[7]

---

[1] الصحیح ، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ و تزوّدوا فانّ خیر الزاد التقویٰ، ح 1523 / سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب التزوّد فی الحج، ح 1730

[2] البقرۃ:197

[3] عظیمی، شمس الدین،احسان و تصوف، ص185

[4] احسان و تصوف، ص185

[5] الرسالہ القشیرہ، ص265

[6] ایضاً، ص268

[7] ایضاً، ص266

ظاہری اور مادی اسباب، وسائل اور ذرائع اختیار کرنا حکمِ ربّانی اور منشائے شریعتِ اسلامیہ ہے۔ پیغمبر اسلام نے خود بھی ظاہری ومادی وسائل واسباب کو اختیار کیا اور امت کو بھی اس کی تعلیم دی۔ لہٰذا کوئی بھی میدان ہو کوئی بھی کام ہو حسبِ استطاعت اسبابِ ظاہری اختیار کرنا ضروری ہے۔ توکل کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ جائز و حلال طریقے سے اسباب و وسائل کو اختیار کیا جائے پھر ذاتِ الٰہی پر کامل یقین اور توکل کیا جائے۔

بے روزگاری اور اس کا تدارک

دنیا کے تقریباً تمام ترقی پذیر ممالک میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص آبادی میں اضافے اور دیگر بہت سی وجوہات کے سبب بے روزگاری میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ حکومتیں، نجی ادارے اور مختلف افراد اپنے اپنے دائرۂ کار اور وسائل کے مطابق معاشرے سے بے روزگاری کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں موجود خانقاہیں اور درگاہیں بھی بالواسطہ اور بلاواسطہ بے روزگاری کے خاتمے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ پاکستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں صرف سرکاری سطح پر محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام درگاہوں اور خانقاہوں کی تعداد بلاشبہ سینکڑوں میں ہے۔[1] ان سرکاری خانقاہوں کی زیادہ تعداد پنجاب اور سندھ کے صوبوں میں ہے۔ یہی دو صوبے آبادی کے لحاظ سے بڑے صوبے ہیں۔

ان سرکاری یا اوقاف کے زیرِ انتظام خانقاہوں میں سے کچھ مزارات اور خانقاہیں ایسی ہیں جن کی نقد سالانہ آمدن کروڑوں میں ہوتی ہے۔[2] اس کے علاوہ پورے پاکستان میں ایسی بہت سی خانقاہیں ہیں جو نجی حیثیت میں اپنی

---

[1] سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف صوبہ پنجاب اور سندھ میں موجود محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام درگاہوں اور خانقاہوں کی تعداد پانچ سو سے زائد ہے۔ ان میں سے چار سو اسّی سے زائد صوبہ پنجاب میں اور ایک سو سے زائد صوبہ سندھ میں ہیں۔ جبکہ نجی حیثیت سے قائم خانقاہوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی بحث اسی مقالے کے باب سوم کی فصل چہارم میں بیان کی جاچکی ہے۔

[2] پنجاب کی معروف خانقاہ حضرت داتا صاحبؒ لاہور کی سالانہ نقد آمدن 2018ء کے اعداد و شمار کے مطابق چھبیس کروڑ اور بابا فرید گنج شکرؒ پاکپتن کے مزار کی نقد سالانہ آمدن آٹھ کروڑ روپے حاصل ہوئی۔ دیگر تحفے تحائف اور صدقات و خیرات اس کے علاوہ ہوتے ہیں جن کا باقاعدہ کوئی حساب نہیں ہوتا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء، ص 78 سے آگے۔ نیز بی بی سی کی ایک تفصیلی رپورٹ کے لیے دیکھیے: (https://www.bbc.com/urdu/pakistan-44434746)

خدمات سرانجام دیتی ہیں۔ ایسی خانقاہوں کی تعداد بھی کم و بیش ہزاروں میں ہے۔ ان تمام سرکاری و نجی خانقاہوں سے نقد صدقات و خیرات کی صورت میں بھی اور دیگر بہت سی صورتوں میں کروڑوں روپے کی آمدن ہوتی ہے۔ اس طرح ان خانقاہوں سے حاصل ہونے والی آمدن اور ان خانقاہوں پر ہونے والی تجارتی سرگرمیاں اور مواقع سینکڑوں خاندانوں کی بالواسطہ اور بلاواسطہ روزگار کی فراہمی کا سبب ہیں۔[1]

پاکستان میں موجود بڑی اور معروف سرکاری و نجی دونوں قسم کی خانقاہوں پر اور ان کے اطراف واکناف میں بلا مبالغہ بیسیوں خاندانوں کو مستقل روزگار نصیب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی تقریبات کے مواقع اور خاص طور پر ان مزارات پر منعقد ہونے والے اعراس کے دنوں میں لاکھوں روپے کا کاروبار اور تجارت ہوتی ہے جس سے سینکڑوں افراد کو روزگار کے مواقع ملتے ہیں۔ پنجاب اور سندھ کے چند بڑے مزاروں پر روزانہ کی بنیاد پر دور و نزدیک سے ہزاروں زائرین حاضری دیتے ہیں جن کے سبب ان علاقوں میں مستقل روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مخصوص تقریبات اور عرس کے ایّام میں لاکھوں افراد ان خانقاہوں پر حاضری دیتے ہیں، خرید و فروخت کرتے ہیں اور تحفے تحائف خریدتے ہیں۔ ان تمام سرگرمیوں سے جہاں طرف خانقاہوں کی آمدن میں اضافہ ہوتا ہے وہاں دوسری طرف ان خانقاہوں سے ملحقہ علاقوں، شہروں اور بازاروں میں روزگار اور تجارتی سرگرمیوں کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ خانقاہیں اپنی آمدن سے مختلف اقسام کے علمی، فلاحی اور رفاہی منصوبوں پر کام کرتی ہیں جس سے آگے بہت سے افراد کو روزگار نصیب ہوتا ہے۔ یوں خانقاہیں براہِ راست بھی اور مختلف واسطوں سے متعلقہ علاقوں میں بیسیوں خاندانوں کے لیے روزگار کا سبب اور ذریعہ ہیں۔

اسراف و تبذیر اور عیش پرستی

اسلام دینِ فطرت ہے اسی لیے یہ اپنے ماننے والوں کو جہاں ایک طرف ضروریات زندگی کے حصول کے لیے کوشش و محنت کا درس دیتا ہے وہاں دوسری طرف فضول خرچی اور عیش پرستی سے روکتا ہے۔[2] روزی کمانے اور

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء، ص 78 سے آگے۔

[2] سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الاقتصاد فى طلب المعيشة، ح 2142- 2144

خرچ کرنے میں اعتدال پسندی اور میانہ روی اختیار کرنا ہی انسان کو ہوس دنیا، لالچ، مفلسی اور ناداری جیسے مصائب و مشکلات سے بچا سکتا ہے۔

صوفیائے کرام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں اور مریدین و متوسّلین کو سادگی اختیار کرنے، توکل علی اللہ اور میانہ روی جیسی اقدار اختیار کرنے کا درس دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ صوفیائے کرام نے اپنے قول و عمل ہر دو سے فضول خرچی، اسراف و تبذیر اور عیش پرستی کی مذمت کی۔

خانقاہ اور اس کی تجارتی سرگرمیاں

خانقاہوں، مزارات اور درگاہوں کی آمدن کے عمومی طور پر دو اہم ذریعے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ذریعہ خانقاہ کی ملکیتی جائیدادیں، دوکانیں اور زمینیں ہیں جن سے کرائے اور لیز کی صورت میں ماہانہ اور سالانہ کی بنیاد پر مقرر شدہ رقم وصول ہوتی ہے۔ یہ ذریعہ خانقاہوں کی آمدنی کا مستقل ذریعہ ہے۔ آمدن کا دوسرا ذریعہ زائرین، عقیدت مندوں، مریدین اور اہلِ ثروت کی طرف سے نقد اور دیگر اشیاء کی صورت میں دیئے جانے والے عطیات و صدقات ہیں۔ یہ ذریعۂ آمدن مستقل نہیں ہوتا نیز یہ کہ مخصوص دنوں اور تقریبات کے مطابق اس میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اہلِ خانقاہ یا منتظمینِ خانقاہ باقاعدہ کوئی کاروبار یا تجارت نہیں کرتے اس کے باوجود ان خانقاہوں پر پورا سال بالعموم اور مخصوص تقریبات کے دنوں میں بالخصوص ان گنت تجارتی و کاروباری سرگرمیاں ہوتیں ہیں۔ ان تجارتی سرگرمیوں کا فائدہ تاجر افراد کے ساتھ ساتھ بالواسطہ خانقاہ کو بھی ہوتا ہے۔ ملک کی مصروف ترین اور معروف خانقاہوں پر عام طور پر درج ذیل کاروباری و تجارتی سرگرمیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

مٹھائی کی دوکانیں

ہر درگاہ اور خانقاہ پر حاضرے دینے والے عقیدت مند اپنی استطاعت اور ہمت کے مطابق کچھ نہ کچھ نذر و نیاز کے لیے ضرور پیش کرتے ہیں۔ یہ تصوّر ایک عام عوام کا ایک طرح کا عقیدہ بن چکا ہے۔ تاہم اہلِ خانقاہ یا منتظمین کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ نذر و نیاز عام طور پر کسی میٹھی چیز کی صورت میں ہوتی ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر ہر چھوٹی بڑی خانقاہ کے ساتھ اور قرب و جوار میں دسیوں چھوٹی بڑی مٹھائی کی دوکانیں، ڈھابے اور سٹال وغیرہ ہوتے ہیں۔

تندور، ہوٹل اور ریستوران

بڑی اور مصرف خانقاہوں پر پورے ملک اور ہر شہر سے لوگ آتے ہیں۔ زائرین کی آمد کا یہ سلسلہ تقریباً پورا سال کمی بیشی کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ ان دور دراز سے آئے مسافروں کے قیام و طعام کے لیے لنگر خانوں کے علاوہ بہت سے ہوٹل، تندور اور ریستوران بڑی خانقاہوں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ جہاں پر مسافر اور زائرین کھانا کھاتے ہیں اور رہائش اختیار کرتے ہیں۔

پھول، خوشبو، تسبیح اور ٹوپیوں کی دوکانیں

ہر خانقاہ کے احاطے کے اندر باہر اور آس پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی داکانیں، ریڑیاں اور سٹال سجے ہوتے ہیں جہاں مختلف اقسام کے پھول، چادریں ٹوپیاں اور خوشبوئیں رکھی جاتی ہیں۔ حاضر ہونے والے عقیدت مندوں میں سے کم و بیش ہر کوئی کچھ نہ کچھ ضرور خریدتا ہے۔ نیز یہ کہ خانقاہ اور صوفیائے کرام کی نسبت کی وجہ سے لوگ ان درگاہوں سے خریدی ہوئی چیزوں کو مقدس و متبرک بھی جانتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب کو تحفے تحائف کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یوں یہ تمام چیزیں تجارتی و کاروباری نقطہ نظر سے اہمیت کی حامل ہو جاتی ہیں۔

تحفے تحائف اور کھلونوں کی دوکانیں

ہر مصروف اور بڑی خانقاہ کے اطراف و اکناف میں مختلف اقسام کے تحفے تحائف اور کھلونوں وغیرہ کی دسیوں دوکانیں ہوتی ہیں۔ جہاں آنے والے افراد اپنے بچوں، دوستوں اور رشتہ داروں کے لیے مختلف اقسام کے تحائف خریدتے ہیں۔ خانقاہوں کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعے اس قسم کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں بھی ہیں جو تقریباً ہر چھوٹی بڑی خانقاہ کے ساتھ لازمی ہوتیں ہیں۔

مکتبے اور کتب خانے

پاکستان کی چند بڑی خانقاہوں پر جہاں روزانہ کی بنیادوں پر ہزاروں افراد آتے ہیں چند ایک کتب خانے اور مکتبے بھی موجود ہوتے ہیں جہاں پر صوفیائے کرام کی تعلیمات، اقوال اور سیرت و سوانح پر مبنی کتب کے علاوہ دیگر دینی و اسلامی کتب موجود ہوتی ہیں۔ یہ بات کم و بیش ہر اس شخص کے علم و مشاہدے میں ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں اور شہروں میں

موجود تمام بڑی بڑی اور مصروف خانقاہوں کے گرد و نواح اور اطراف و اکناف میں کئی کلو میٹر کے فاصلے پر موجود بہت سی تجارتی و کاروباری سرگرمیاں ان خانقاہوں سے بالواسطہ اور بلاواسطہ تعلق رکھتی ہیں اور ان خانقاہوں پر آنے والے افراد کی تعداد ان کاروباری سرگرمیوں پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ یوں یہ خانقاہیں دورِ جدید میں بہت سے معاشی فوائد کے حصول کا ایک اہم سبب اور ذریعہ ہیں۔

بحث چہارم

خانقاہی نظام کے منفی رجحانات اور اثرات

تصوف و خانقاہی نظام بلاشبہ تزکیہ نفس، تطہیرِ باطن اور اصلاحِ معاشرہ کا ایک انتہائی منظم اور وسیع تر معاشرتی ادارہ اور نظام ہے جس نے انفرادی، اجتماعی، سماجی، معاشی اور سیاسی اصلاح میں ہمیشہ سے اپنے مخصوص انداز اور طریقے میں اپنا انتہائی اہم اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ اوّلین دور کے صوفیائے کرام سے لیکر دورِ جدید تک ہر دور میں خانقاہی نظام اور اس کے وارثوں نے افرادِ امت اور معاشرے کی بہتری کے لیے انگنت اور محنت طلب کوششیں کیں۔ وقت گزرنے کا ساتھ ساتھ تصوف و خانقاہی نظام میں بھی بہت سی خرابیاں، بدعات اور مفسدات پیدا ہوئے جن کو ہر دور کے علماء کرام کے ساتھ ساتھ کامل صوفیائے کرام نے بھی ہدفِ تنقید بنایا اور خانقاہی نظام کو ان مفسدات اور منفی رجحانات سے پاک کرنے کی کوششیں کیں۔ صوفیائے کرام کی طرف سے کی گئی کوششوں میں امام غزالیؒ، مجدّد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی کاوشیں قابلِ ذکر اور منفرد ہیں۔ ایسی تمام کاوشوں کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے کیا جاچکا ہے۔ اس بحث میں تصوف اور خانقاہی نظام کے منفی رجحانات اور ان کے مفسدات و اثرات کو بیان کیا جائے گا تاکہ ان کا تدارک کر کے اصلاحِ نفس کے اس نظام کو بہتری کی شاہراہ پر واپس لایا جاسکے۔ دورِ جدید میں تصوف یا خانقاہی نظام کے منفی رجحانات میں سے اہم درج ذیل ہیں:

فکری و علمی جمود

عصرِ حاضر میں دنیا اس قدر تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ اس میں کسی ایسے نظام کی بالکل گنجائش باقی نہیں جو صرف تقلیدِ محض اور فکری جمود کا شکار ہو۔ بد قسمتی سے خانقاہی نظام میں بھی یہ فکری جمود اور تقلیدِ شخصی کی روایات پروان چڑھ رہی ہیں۔ یہ خانقاہی نظام تھا جس کے وارثین اعلیٰ پائے کے عالم اور مجتہدین ہو کرتے تھے لیکن عصرِ حاضر میں خانقاہی نظام فکری طور پر زوال کا شکار ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے اکبر و جہانگیر جیسے پر جلال بادشاہوں کے سامنے کلمہِ حق کہا اور معاشرے میں پھیلتی تمام رسومات و فکریات کی تقلید سے نہ صرف کھلم کھلا انکار کیا بلکہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے علمِ جہاد بلند کیا۔ جس کی پاداش میں انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت علم و فکر اور تصوف و اخلاق کے میدان میں اپنی انگنت خدمات کی وجہ سے ایک اہم مقام اور پہچان رکھتی ہے۔ آپؒ

چاروں سلاسلِ تصوف میں بیعت تھے اور اپنے دور کے ایک معروف صوفی عالم کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے۔ آپؒ نے تصوف و خانقاہی نظام کے حوالے سے بہت سی کتب بھی تحریر کیں۔[1] شاہ ولی اللہؒ اور آپ کے پیش رو صوفیائے کرام کی فکری کوششوں سے خانقاہی نظام کی بہتری کے ساتھ ساتھ دین کے دیگر شعبہ جات کو بھی گراں قدر ترقی اور ترویج حاصل ہوئی۔ بدقسمتی سے عرصہ دراز سے خانقاہوں میں فکری جمود طاری ہے جس کے نتیجے میں صدیوں سے ان روحانی، اصلاحی اور علمی و فکری مراکز سے اصلاحِ نفس کے علاوہ دینِ اسلام کے دیگر شعبوں میں کوئی گراں قدر کارنامہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ یہ خانقاہی نظام اور تصوف جیسے ایک جاندار اور ہمہ گیر معاشرتی ادارے کے لیے کسی طور پر بھی قابلِ برداشت بات نہیں ہے۔ اقبالؒ نے ایسے خانقاہوں کے بارے میں کہا تھا:

میرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو[2]

اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ اسی صورت میں انسان کی راہنمائی کر سکتا ہے جب جدید دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے جدید مسائل کے حل کے لیے اپنی سوچ و فکر کو کام میں لایا جائے۔ لہٰذا دورِ جدید میں اہلِ خانقاہ کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ اس جمود کو توڑنے، خانقاہی نظام کے اس منفی رجحان کے خاتمے اور جدید معاشرتی مسائل کے حل اور خدمتِ خلق کے لیے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے اس روحانی اور اصلاحی نظام کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے ایسی کوششیں کریں جو اس جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔

خانقاہی وراثت

دورِ جدید میں خانقاہی نظام کا ایک منفی رجحان اور ایک نئی چیز جس نے اس نظام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا وہ خانقاہی وراثت کا قائم ہو جانا ہے۔ اوّلین دور کے صوفیائے کرام اور خانقاہی نظام میں یہ رجحان یا تو سرے سے تھا ہی نہیں یا اس کے لیے معیار اور اصول تھے جن پر پورا اترنے والے ہی وارث بن سکتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کی ایک معروف خانقاہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہے جس کی شہرت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں

[1] شاہ ولیؒ کی تصوف و اخلاق کے موضوع پر لکھی گئی کتب میں سے چند اہم یہ ہیں: القول الجمیل، انفاس العارفین، الطاف القدس، فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود، تصوف کے آداب و اشغال اور ان کا فلسفہ، حجۃ اللہ البالغہ، التفہیماتِ الٰہیہ، الانتباہ فی سلاسلِ اولیاءاللہ اور ہمعات۔

[2] اقبال، علامہ محمد، بالِ جبریل، محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س-ن، ص 22

پائی جاتی ہے۔ خواجہ اجمیریؒ کی وفات کے بعد آپؒ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو یہ خانقاہی وراثت ملتی ہے ان کے بعد یہ وراثت آپؒ کے خلیفہ فرید الدین گنج شکرؒ کے حصّے میں آتی ہے۔[1] اسی طرح سلسلہ نقشبندیہ کے معروف صوفی بزرگ خواجہ باقی باللہؒ کے بعد جانشینی آپ کے خلیفہ حضرت مجدّد الف ثانی کو نصیب ہوئی۔ تقریباً یہی روایت تمام سلاسلِ تصوف کے حال ملتی ہے۔

اپنے اسلاف کی روشن مثالیں ہونے کے باوجود عصرِ حاضر میں برصغیر پاک وہند کی اکثر خانقاہوں میں یہ خانقاہی وراثت کا نظام نہایت مضبوط ہے۔ ایک شیخ یا صوفی کی وفات کے بعد اسی کی اولاد جانشین بن جاتی ہے۔ اکثر درگاہوں اور خانقاہوں میں تو صرف اولاد ہونا شرط ہے باقی علم، تقویٰ، اور پابندیِ شریعت وغیرہ کا ہونا نہ ہونا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ خانقاہی نظام میں موجود اس وراثتی رسم کے بارے میں علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں:

میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصّرف میں عقابوں کے نشیمن[2]

موجودہ دور فکر و عمل کا دور ہے لہذا ان وارثانِ خانقاہوں کو چاہیے کہ اس پاکیزہ روحانی نظام کی بہتری کے لیے اس منفی رجحان کا قلع قمع کیا جائے تاکہ یہ روحانی نظام حقیقی معنوں میں افرادِ معاشرہ کی اصلاح کا کام کر سکے۔

عقائدِ باطلہ کی حوصلہ افزائی

ہر دور کے کامل صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے اصلاحِ نفس اور تزکیہ باطن کے لیے آنے والے افراد کے عقائد کی تصحیح کا فریضہ ہمیشہ سے سرانجام دیا۔ بدقسمتی سے دور، جدید میں اکثر خانقاہوں میں یہ عمل مکمل طور پر مفقود ہے۔ اس کے برعکس آنے والے افراد ان مراکز میں ہونے والی بعض سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے باطل عقائد، مثلاً پیر پرستی، شیخ سے مدد واستعانت کا عقیدہ رکھنا، مشکل میں پیر یا شیخ کا مدد کے لیے آنا، اولاد کے حصول کے لیے شیخ یا پیر کو پکارنا وغیرہ، کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ وارثینِ خانقاہ اپنے اعمال وافعال سے ایسے عقائد کی حوصلہ افزائی کا سبب بنتے ہیں۔ دینِ اسلام میں وسیلہ و دعا کا جو جائز اور شرعی تصوّر ہے اس کا ناجائز اور غلط استعمال اکثر جاہل صوفیاء کے ہاں اور

---

[1] تاریخِ دعوت وعزیمت، ص 24 - 36

[2] اقبال، علامہ محمد، بالِ جبریل، محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س-ن، ص225

خانقاہوں میں کھلے عام ہوتا ہے۔ ایسی تمام سرگرمیاں اور ایسے تمام اعمال وافعال نجی خانقاہوں کی نسبت زیادہ تر سرکاری سرپرستی میں چلنے والی خانقاہوں میں ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں خانقاہوں کے وارثوں اور انتظامی عملے کے علاوہ حکومتی اور سرکاری لوگوں کی یہ اوّلیں ذمہ داری ہے کہ اس روحانی اور اصلاحی نظام کو ان منفی رو جحانات اور ان کے اثرات سے پاک کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

غیر شرعی رسومات کی ترویج

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ خانقاہوں اور درگاہوں پر اکثر وہ لوگ آتے جن کا تعلق عام عوام سے ہوتا ہے اور یہ لوگ عقیدت و محبت میں اکثر ایسی حرکات کا ارتکاب کر جاتے ہیں جن کی سرے سے دین و شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ عصری حاضر میں پاکستان کی اکثر خانقاہوں میں ہونے والی بعض غیر شرعی رسومات وبدعات درج ذیل ہیں:

سجدہِ تعظیمی: شریعتِ اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی بھی ہستی کو چاہے وہ کتنی ہی صالح اور بلند مقام کی حامل کیوں نہ ہو، سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔[1] دینِ اسلام میں سجدہِ عبادت مطلقاً کفر ہے اور سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے[2] جس کی کسی طور پر بھی اجازت نہیں دی گئی۔ خانقاہی نظام میں ہونے والی بعض بری رسومات وبدعات میں ایک عام رسم یا بدعت اپنے شیخ کے ادب واحترام میں اس حد تک جھک جانا کہ سجدے کا شائبہ ہونے لگ جائے۔ اسی طرح صاحبِ مزار پر بھی کھلے عام ادب و تعظیم کے نام پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ نیتوں کا جاننے والا اللہ ہی ہے لیکن اعمال وافعال کی ظاہری صورت کا بھی سنت رسول ﷺ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اس لیے خانقاہی نظام میں موجود اس رسمِ سجدہ کے قلع قمع کے لیے خانقاہ کی انتظامیہ اور پیر یا شیخ کی اوّلین ذمہ داری بنتی ہے۔ ایسی روسومات سے عام آدمی کے عقائد متاثر ہوتے ہیں اور اعمال کا مدار عقائد پر ہی ہوتا ہے۔

---

[1] "لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ المرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِها" جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرآة، ح 1159

[2] بریلوی، احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، 2006ء، ج22 ص463/ فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س-ن، ج5 ص368

طوافِ قبور: ایک دوسری رسم جو پاکستانی خانقاہوں میں سرعام دیکھی جاسکتی ہے وہ طوافِ مزار یا قبور ہے۔ تقریباً ہر چھوٹی بڑی خانقاہ میں جلی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ قبر کو سیدہ کرنا یا طواف کرنا منع ہے۔اس کے باوجود ہر خانقاہ میں طوافِ مزار اور سجدہ کھلے عام ہو رہا ہوتا ہے۔ نجی حیثیت میں قائم معتبر خانقاہوں میں اس رسم کو سختی کے ساتھ کچلا جا رہا ہے تاہم بہت سی سرکاری خانقاہوں میں یہ عمل سرِ عام ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسی تمام بدعات کو مکمل طور پر ختم کرنا اور اس معاملے میں سختی سے کام لینا خانقاہ اور مزار کے وارثین کا اولیں ذمہ داری ہے۔

نذر و نیاز: پاکستانی خانقاہی نظام میں اپنے پیر یا شیخ کو ملاقات کے وقت کچھ نہ کچھ ہدیہ اور نذر و نیاز دینا واجب اور فرض کے درجے تک لازمی اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔بنیادی طور پر عقیدت میں کسی کو کچھ دینا شریعت میں ممنوع نہیں ہے لیکن ایسے عمل کو ایک پختہ رسم بنالینا کہ جس کو پورا کرنا عام، نادار اور غریب مرید بھی اپنا فرض سمجھتا ہو، کسی طور پر بھی شریعت کے مقاصد و مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ ایک عام دیکھنے کی بات ہے کہ خانقاہی نظام میں اکثر پیر اور شیخ انتہائی شاہانہ زندگی گزارتے ہیں جبکہ مریدین کی حالت دگرگوں ہوتی ہے۔ خانقاہی نظام کی اسی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے کہا تھا۔

ہم کو تو میسّر نہیں مٹّی کا دِیا بھی

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن[1]

ظلم یہ کہ بہت سے نام نہاد وارثان خانقاہ ایسے افعال کو گوارہ بھی کر لیتے ہیں اور ان کی اصلاح کے حوالے سے کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ نتیجتاً ایسے اعمال و افعال کی وجہ سے اس پورے نظام کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خانقاہوں اور درگاہوں سے ایسی جملہ قبیح اور غیر اسلامی رسومات کے خاتمے کے لیے سب سے پہلے پیرانِ عظام اور وارثانِ خانقاہوں کو آگے آنا چاہئے تاکہ اس نظام کو اپنے اسلاف کے طریقوں پر دوبارہ لایا جاسے۔

خدمتِ خلق سے دوری

خانقاہی ںطام کے اوّلیں اور بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد خدمِ خلق تھا۔ یہی وہ فریضہ تھا تھا جس کی بجا آوری کے سبب برصغیر پاک و ہند میں ان گنت لوگ صوفیائے کرم کے معتقد ہوئے اور دائرہِ اسلام میں داخل ہوئے۔

---

[1] بالِ جبریل، ص225

برصغیر پاک وہند میں صوفیائے کرم نے اپنی آمد کے ساتھ ہی خدمتِ خلق کے مشن کو اپنا مقصدِ اوّلین بنایا اور پھر ہر دور کے صوفیائے کرام نے اسی مشن کے لیے کام کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خانقاہی نظام میں جہاں دیگر کئی حوالے سے زوال نظر آتا ہے وہاں دورِ جدید کے صوفیاء کے ہاں خدمتِ خلق کا جذبہ عملاً کافی حد تک سرد پڑتا دیکھائی دیتا ہے۔ اکثر و بیشتر خانقاہوں میں آنے والے تحفے تحائف اور نذرانے بقولِ اقبالؒ "پیرانِ حرم" کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔

نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن[1]

اس سب کے باوجود حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ ملکِ پاکستان کی بہت سی معیاری اور مثالی درگاہوں اور خانقاہوں میں خدمتِ خلق کے کئی منصوبے جاری ہیں جن کو گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام خانقاہی نظام کو اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے خدمتِ خلق کو اپنا مقصد و مشن بنانا چاہیے۔ سطورِ بالا میں بیان کردہ خانقاہی نظام کے منفی رجحانات و تصوّرات اور ان کے معاشرے پر ہونے والے اثرات کی وجہ سے ہی علامہ محمد اقبالؒ نے ایسے نظام سے بے زاری اور اس کی اصلاح کے حوالے سے جابجا اپنی شاعری میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ بالِ جبریل میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

یہ معاملے ہیں نازک جو تیری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی[2]

[1] بالِ جبریل، ص 225
[2] بالِ جبریل، ص 66

نتائجِ تحقیق

اس تحقیق کے درج ذیل نتائج اخذ کیے گئے ہیں:

1. تزکیہِ نفس دینِ اسلام کے بنیادی اور اہم مقاصد میں سب سے اہم مقصد ہے اور اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السّلام کو مبعوث فرمایا۔
2. تزکیہ نفس نبی کریم ﷺ کے چہار گانہ فرائض نبوت میں سے سب سے بنیادی اور اہم مقصد ہے نیز یہ کہ دائمی اور حقیقی کامیابی کا مدار تزکیہ نفس پر ہے۔
3. صوفیائے کرام کے دعووں کے مطابق تصوف جو اصل میں تزکیہِ نفس کا ہی نام ہے، دورِ نبوی، دورِ صحابہ اور تبع تابعین میں بھی مختلف صورتوں اور اصطلاحات کے ساتھ موجود رہا ہے۔
4. تصوف اور صوفی کی یہ خاص اصطلاحیں قرآن و سنت اور ادوارِ صحابہ میں مکمل طور پر ناپید نظر آتی ہیں لیکن بقولِ صوفیاء تصوف کے اغراض و مقاصد بالکل وہی ہیں جو تزکیہ نفس کے ہیں۔
5. سلاسلِ تصوف کے معروف صوفیائے کرام کے مطابق تصوف کی حقیقت اصل میں تزکیہ نفس ہی ہے۔ اس کا مدّعا اور مقصد رضاء الٰہی اور اخروی و دائمی کامیابی کا حصول ہے۔
6. تزکیہ نفس کے بنیادی اصول و ضوابط میں توحید، تصحیحِ عقائد، اخلاصِ نیت، نصرتِ الٰہی کی طلب، خوف و خشیتِ الٰہی اور اعمال میں اعتدال و توازن اہم اور بنیادی اصول ہیں۔
7. سلاسلِ تصوف کے تزکیہ نفس کے اکثر و بیشتر بنیادی اور لازمی اصول و ضوابط قرآن و سنت سے اخذ کردہ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں۔ البتہ ان سلاسلِ تصوف کے ہاں معروف ذرائع اور ذکر و فکر اور تزکیہ نفس کے طریقے مختلف ہیں جن کے بارے میں صریح اسلامی تعلیمات موجود نہیں ہیں۔
8. تصوف کے چاروں مشہور و معروف سلاسل کے طریقہ تربیت میں بہت سے امور مشترک اور متفق ہیں۔ ان میں سلسہ بیعت، ذکرِ الٰہی، مراقبہ و مجاہدہ اور صحبتِ مرشد اہم اور بنیادی ہیں۔
9. چاروں سلاسلِ تصوف کے ہاں کچھ خاص اعمال و افعال اور خصوصیات ہیں جو انہیں دوسرے سلاسل سے منفرد و ممتاز کرتی ہیں۔

10 .صوفیائے کرام نے ہر دور میں تبلیغ واشاعتِ اسلام کے حوالے سے ان گنت اور بڑی مؤثر کاوشیں کی ہیں جن کی بدولت بیسیوں قبائل اور ہزاروں لاکھوں افراد دینِ اسلام میں داخل ہوئے ان تمام کوششوں کا تذکرہ تمام مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

11. سلاسلِ اربعہ کے صوفیائے کرام نے تبلیغ دین اور اصلاحِ نفس و معاشرہ کے ضمن میں اپنے خلفاء و مریدین کے علاوہ عام عوام، سلاطین وقت، امراء و وزراء اور جملہ افرادِ معاشرے کے لیے بڑی مثبت اور بار آور کوششیں کی ہیں۔

12. سلاسلِ اربعہ کے صوفیائے کرام نے تبلیغ دین کے علاوہ معاشرتی اصلاح اور خدمتِ خلق کے ضمن میں بھی ان گنت عملی مثالیں چھوڑی ہیں۔

13. خانقاہی نظام اپنی اصل اور مقصد کے اعتبار سے تزکیہ نفس اور خدمتِ خلق کا ایک معاشرتی ادارہ ہے جس نے غریبوں، بے سہاروں، بے کسوں اور مسافروں کی بنیادی انسانی ضروریات کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی سینکڑوں ہزاروں افرادِ معاشرہ کی بنیادی انسانی ضروریات اور ان کا ذریعہ معاش بلاواسطہ یا بالواسطہ اسی خانقاہی نظام سے ملحقہ معاشی سرگرمیوں سے منسلک ہے۔

14. پاکستان میں موجود خانقاہوں سے چندوں، نذرانوں تحفے تحائف اور دیگر ذرائع سے ہر سال ایک خطیر رقم حاصل ہوتی ہے۔ حاصل ہونے والی آمدنی کا بڑا حصّہ رفاہی اور خدمت خلق کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔

15. اہم سرکاری و نجی خانقاہوں میں علمی و تعلیمی حوالے سے بڑی اہم کوششیں ہوئی ہیں جو ہنوز جاری ہیں۔ مختلف خانقاہوں میں جدید تعلیم کے ادارے، یونیورسٹیاں، میڈیکل کالج اور دیگر فنّی ادارے قائم کیے گئے ہیں۔

16. چاروں سلاسلِ تصوف کے کامل صوفیائے کرام کے ہاں تمام اعلیٰ انسانی و اخلاقی اقدار، عدل و انصاف، اخوت و بھائی چارہ، مساوات، انسانی کرامت و شرف اور محبت و مؤدت، اپنی عملی شکل میں نظر آتی ہیں۔

17. خانقاہوں نے دورِ جدید کے اہم فکری، معاشرتی، علمی اور اقتصادی مسائل کے حل میں بھی کچھ کردار ادا کیا ہے تاہم اس حوالے سے کوششیں بہت کم اور نہ ہونے کے برابر ہیں۔

18. وقت گزرنے کے ساتھ خانقاہی نظام میں بھی بہت سے منفی رجحانات اور خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں جن کی وجہ سے تزکیہ نفس کا یہ نظام اپنے ماضی کی شاندار روایات سے دور ہوتا جارہا ہے۔

تجاویز وسفارشات

اس تحقیق کے حوالے سے درج ذیل تجاویز وسفارشات پیش کی جاتی ہیں:

عوام اور مریدین کے لیے

1. تزکیہ و اصلاحِ نفس کے حوالے سے سالک اور مرید کو تزکیہ نفس کے مقاصد کو ذہین میں رکھتے ہوئے اسلامی اصولوں کے مطابق تزکیہ نفس کی کوشش کرے نیز کسی بھی غیر اسلامی اور غیر شرعی عمل یا ذریعے سے تزکیہ نفس کی جملہ کوششوں کو ترک کر دے۔
2. مرشد کی اتباعِ واطاعتِ اسی صورت میں جائز ہے کہ جب مرشد کامل اور شریعت کا پابند ہو۔ غیر شرعی امور میں ان کی پیروی اور اطاعت نہ کی جائے۔
3. تزکیہ نفس کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول صحیح عقائد بھی ہے لہذا حصولِ تزکیہ کے لیے سجدۂ مزار اور طوافِ قبور جیسے حرام امور اور بدعات سے خود کو بچائیں اور جن خانقاہوں اور صوفیاء کے ہاں ایسے امور کا رواج ہو ان سے دوری اختیار کریں۔

محققین اور اسکالر کے لیے

4. اس تحقیقی عمل میں چند اہم اور معروف خانقاہوں کی معاشی واقتصادی خدمات اور ان کے ذرائع آمدنی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ محققین اور اسکالر حضرات کو ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف صوبوں، شہروں، قصبوں میں موجود خانقاہوں کی معاشی واقتصادی سرگرمیوں کے حوالے سے تحقیق کرنی چاہیے۔
5. تصوف کے چار معروف سلاسل کی بڑی اور اہم خانقاہوں کی جدید علوم وفنون کی ترقی کے حوالے سے کی گئی کوششوں اور مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں تحقیق کرنی چاہیے۔
6. صوفیائے کرام کے تذکروں اور ان کی سوانح حیات کے ضمن میں اکثر کتب میں غیر معیاری اور غیر مستند مواد اور عجیب وغریب واقعات کی بھرمار نظر آتی ہے۔ تاہم بہت سے محققین اور تذکرہ نگاروں نے بڑی مستند اور جاندار تحقیقات بھی کی ہیں۔ اس ضمن میں بطورِ خاص جدید محققین اور اسکالر حضرات کو چاہیے کہ سلاسلِ اربعہ کے معروف صوفیائے کرام کی سوانح اور تذکروں پر تنقیدی انداز میں تحقیق کریں۔

خانقاہوں کی انتظامیہ کے لیے

7. خانقاہی نظام میں کئی حوالوں سے بہتری کی گنجائش اور ضرورت ہے۔ ان میں سرکاری خانقاہوں پر غیر شرعی رسوم مثلا طوافِ مزار، سجدہِ تعظیمی، قبورِ اولیاء کا بوسہ لینا، عرس کے موقعوں پر ڈھول اور بھنگڑا کا خاتمہ کیا جائے اس حوالے سے وارثانِ خانقاہ اور انتظامیہ کو ضروری اقدامات کرنے چاہیے۔

8. دورِ جدید کے اہم فکری، تعلیمی، سماجی اور معاشی و اقتصادی مسائل کے حل میں خانقاہوں کا کردار تسلی بخش نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خانقاہوں کے منتظمین خانقاہی نظام کو جدید خطوط پر از سرِ نو منظم کرنا چاہیے۔

9. وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرکاری اور نجی ہر دو قسم کے خانقاہی نظام میں بہت سی خرابیاں، بدعات اور غیر شرعی رسومات مثلاً خانقاہی وارثت، پیر پرستی، طوافِ مزارات اور ناچ گانا، وغیرہ در آئی ہیں۔ اس حوالے سے خانقاہ کے منتظمین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے کردار کو آہینہ بناتے ہوئے ان تمام غیر شرعی رسومات کے خاتمے کے لیے کردار ادا کریں۔

ریاست و حکومت کے لیے

10. سرکاری خانقاہیں اور مزارات جو محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام ہوتے ہیں، ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو خانقاہ کے زائرین کی خدمت اور سہولیات کے بعد اس علاقے کے لوگوں کی فلاح و بہود کے لیے خرچ کیا جانا چاہیے۔ اس ضمن میں حکومت اور بطورِ خاص محکمہ اوقاف کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔

11. سرکاری خانقاہوں سے حاصل ہونے والی خطیر رقم کو اسی خانقاہ پر مختلف دینی و مذہبی اور جدید علوم و فنون کی تعلیم کے حوالے سے استعمال میں لایا جائے۔ اس ضمن میں جدید اداروں مثلاً یونیورسٹیوں اور فنّی اداروں کا قیام ضروری ہے۔

12. حکمہ اوقاف پنجاب نے حضرت داتا گنج بخش، حضرت بہاء الدین زکریاؒ، حضرت سخی سرورؒ کی سوانح اور تذکروں کے حوالے سے بڑا جاندار، معیاری اور تحقیقی کام کیا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور محکمہ اوقاف اپنی تحویل میں موجود تمام خانقاہوں سے منسوب معروف صوفیائے کرام کے حالات و سوانح کے بارے میں تحقیقی انداز میں مستند اور معیاری کتب تصنیف کرائے۔ اس ضمن میں مختلف یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں کے اشتراک سے یہ مقصد حاصل کیا جانا چاہیے۔

13. پاکستان میں موجود معروف خانقاہوں میں سیاحت اور اس کے فروغ کے حوالے سے جدید سہولیات کی فراہمی ضروری ہے جس سے سیاحت کو فروغ ملے گا جو کہ ملکی معاشی ترقی کا ایک ذریعہ ہو سکتا ہے۔اس حوالے سے ریاست و حکومت کو متعلقہ خانقاہوں کی انتظامیہ سے مل کر لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے۔

فہرست آیات قرآنیہ

نمبر شمار	فہرست آیات	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1.	﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ------------﴾	سورۃالبقرہ	129	28،29،1
2.	﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ----------﴾	〃	151	1
3.	﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾	〃	152	94
4.	﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ---﴾	〃	177	41
5.	﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾	〃	201	48
6.	﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا--------------﴾	〃	286	16
7.	﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَه------------------ ﴾	سورۃآل عمران	30	17،16
8.	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ --------------﴾	〃	102	50
9.	﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ-------------- ﴾	〃	164	2
10.	﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا ------------﴾	〃	191	93
11.	﴿يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ----------- ﴾	سورۃالنساء	1	17
12.	﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاءُ ------------﴾	〃	49	27
13.	﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ﴾	〃	103	46، 93
14.	﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًابِغَيْرِ نَفْسٍ ---------------- ﴾	〃	32	17
15.	﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾	〃	105	44
16.	﴿ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾	المائدۃ	32	17
17.	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾	〃	105	51
18.	﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ------﴾	سورۃالانعام	12	16
19.	﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾	〃	93	18
20.	﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾	〃	108	213

21.	﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾	سورۃالاعراف	180	137
22.	﴿فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ ---------------﴾	سورۃتوبہ	111	89
23.	﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ----﴾	یونس	57	44
24.	﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ---------﴾	سورۃیوسف	53	19
25.	﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا ----------﴾	سورۃالرعد	11	52
26.	﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾	سورۃبنی اسرائیل	25	17
27.	﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾	〃	78	136
28.	﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ----------﴾	〃	110	137
29.	﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ--﴾	سورۃالکهف	28	150
30.	﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ----------﴾	سورۃطٰہ	75	36
31.	﴿وَذٰلِكَ جَزٰؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾	〃	76	36
32.	﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَا-------------﴾	سورۃالنور	21	54،27
33.	﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ --------------﴾	〃	37	144
34.	﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا ------------﴾	سورۃالفرقان	67	48
35.	﴿اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾	الشعراء	89	35
36.	﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ--﴾	سورۃالقصص	77	48
37.	﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ---------﴾	سورۃالعنکبوت	69	52
38.	﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ -------------﴾	سورۃالاحزاب	1	50
39.	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾	〃	41	93
40.	﴿اِذْ جَاءَ رَبَّه بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾	الصافات	84	35
41.	﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ -----------﴾	سورۃالزمر	2	42
42.	﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾	〃	9	47
43.	﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ----------﴾	فصلت	6	39

.44	﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ ------------﴾	سورۃالفتح	10	88
.45	﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾	سورۃالنجم	39	52
.46	﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ ------------ ﴾	سورۃالحشر	18	51
.47	﴿وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾	سورۃالجمعہ	10	94
.48	﴿ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ---- ﴾	〃	2	2
.49	﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ﴾	سورۃالتغابن	16	50
.50	﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ------------﴾	سورۃالتحریم	6	50
.51	﴿وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا﴾	سورۃمزمل	8	94
.52	﴿وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ﴾	سورۃالمدّثر	44	221
.53	﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾	سورۃالقیامہ	2	20
.54	﴿وَیُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَی -------------﴾	سورۃالدھر	08	250
.55	﴿اِ ذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ -------------﴾	سورۃالنازعات	17	31،3
.56	﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی﴾	سورۃالاعلیٰ	14	28،12،34
.57	﴿وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی﴾	〃	15	94
.58	﴿اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ------------﴾	〃	18	3،31
.59	﴿وَلَاتَحٰضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنَ﴾	سورۃالفجر	18	221
.60	﴿یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾	〃	27	28،12،21،38
.61	﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا﴾	سورۃالشمس	9	34،24
.62	﴿فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا﴾	〃	8	37
.63	﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا ------------﴾	سورۃالبینہ	5	42
.64	﴿وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ -------------﴾	سورۃالماعون	3	221

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
.1	"اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا ------------"	صحیح مسلم	28،54
.2	"الكيس من دان نفسه وعمل لمابعد الموت--------"	مشکوٰۃ المصابیح	143
.3	"اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا-----------"	سنن النسائی	54،28
.4	"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ-------------"	صحیح مسلم	51
.5	اللَّهُمَّ إِنَّا الخير خيرالاخرة---------"	صحیح بخاری	91
.6	اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ	صحیح مسلم	51
.7	أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺالْبَيْعَةَ عَلَى أَنْ لَا نَنُوحَ	سنن نسائی	91
.8	"أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا"	بخاری	65
.9	"اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ"	سنن الترمذی	314
.10	"الا وإن في الجسد مضغة -------------"	بخاری	63
.11	إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ ، وَأَمْوَالِكُمْ	صحیح مسلم	43
.12	أَنَا مَعَ عَبْدِي حَيْثُمَا ذَكَرَنِي--------"	سنن ابن ماجہ	95
.13	إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ----------------	بخاری	34
.14	إِنَّمَا يُبْعَثُ النَّاسُ عَلَى نِيَّاتِهِمْ"	سنن ابن ماجہ	34
.15	"أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا،-------	صحیح بخاری	94
.16	"بايَعتُ فِيْ نِسوَة فَقالَ------"	سنن ترمذی	90
.17	بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ	سنن نسائی	91
.18	تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ-----------	صحیح بخاری	221
.19	"دَعُوهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ"	صحیح بخاری	213

.20	فُكُّوا الْعَانِيَ يَعْنِي الْأَسِيرَ --------	صحیح بخاری	220
.21	"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ	صحیح بخاری	91
.22	"كَلِمَاتٌ لَا يَتَكَلَّمُ بِهِنَّ أَحَدٌ فِي مَجْلِسِهِ------------"	سنن ابی داؤد	95
.23	"كونوا عِبَادَ اللهِ إخوَاناً"	صحیح مسلم	207 116
.24	" لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ----------- "	سنن ابن ماجہ	29
.25	"من مات وهو يدعو من دون الله----------"	صحیح بخاری	41
.26	"مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ-----------"	سنن ابی داؤد	95
.27	"وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ----------	سنن ابوداؤد	222
.28	"وزكى نفسه فقال رجل -----------"	المعجم الصغیر	27
.29	"وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ-----------"	صحیح بخاری	35
.30	"يَا اَبَا بَكْر مَرَرتُ بِکَ وَاَنْتَ--------"	سنن ابی داؤد	96
.31	يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ ---------	سنن ابن ماجہ	222

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
1.	ابوالحسن نوریؒ	61
2.	اعجاز الحق قدوسی	168
3.	الٰہی بخش کاندھلویؒ	169
4.	امام بریؒ	273
5.	اینا سفورا	156
6.	بابا بلھے شاہؒ	274
7.	بابا فریدالدینؒ	164
8.	بدرالدین اسحاقؒ	191
9.	برہان الدینؒ	176
10.	بہاالدین زکریا ملتانیؒ	164
11.	بو علی قلندرؒ	179
12.	پیر مکیؒ	165
13.	تھامس آرنلڈ	164
14.	ٹیپو سلطانؒ	181
15.	جلال الدین سرخؒ	167
16.	جماعت علی شاہؒ	289
17.	جمال الدین ہانسویؒ	191
18.	حسن بصریؒ	163
19.	خواجہ زندہ پیرؒ	291
20.	سلطان سخی سہروردیؒ	237
21.	سلیمان تونسویؒ	280

22.	سید احمد شہیدؒ	181
23.	سیّد افضل الدینؒ	175
24.	شاہ غلام علیؒ	159
25.	شاہ غلام علیؒ	186
26.	شریف عاملی	174
27.	شمس الدین سیالویؒ	276
28.	عبدالمجید سندھی	251
29.	عبدالقادر جیلانیؒ	158
30.	علی احمد صابرؒ	192
31.	فتح اللہ شیرازی	174
32.	فضل الدین شاہؒ	282
33.	فقیر محمد چوراہیؒ	288
34.	قاسم موہڑویؒ	290
35.	لال شہباز قلندرؒ	169
36.	لال شہاز قلندرؒ	185
37.	محمد معصومؒ	177
38.	مخدوم جہانیاںؒ	285
39.	مظہر جانِ جاناںؒ	186
40.	معین الدین چشتیؒ	167
41.	ملا مبارک اکبری	174
42.	مہر علی شاہؒ	281
43.	میاں میرؒ	273
44.	نور محمد مہارویؒ	277

فہرست اماکن

نمبر شمار	اماکن	صفحہ نمبر
1.	بہرائچ	175
2.	تونسہ	263
3.	سہرورد	77
4.	مہار	262

فہرست مصادر ومراجع

عربی کتب

- القرآن الحکیم
- ابن منظور، محمد بن مكرم الْفريقي المصري :لسان العرب ، دار صادر بيروت،
- أحمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة، 1421 ھ،
- اصفهانی، حسين بن محمد، المفرادات فی غريب القرآن، دارالمعرفه بيروت،1412ھ
- بخاری،محمد بن اسماعیل بن ابراهيم،الجامع الصحيح، ناشر مرکزی جمعیت اهل حديث هند، 2004ء
- البغوي، الحسين بن مسعود بن محمد، معالم التنزيل في تفسير القرآن (تفسير بغوي)، دار إحياء التراث العربي بيروت، 1420ھ
- البهیقی،احمد بن حسين، شعب الايمان، مكتبة الرشد النشر والتوازيع،1423ھ
- الترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،جامع ترمذی، مکتبة دارالسلام رياض،1991ء
- النسائی،ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعيب،السنن النسائی، مكتب المطبوعات الإسلامية حلب،1986ء
- حارثی، محمد بن عطيه، قوت القلوب فی معاملة المحبوب، مكتبه دار التراث، 1422ھ
- جامی، عبدالرحمن، نفهات الانس، اداره پیغامِ قرآن، لاہور، 1997،
- الحاكم، أبو عبد الله محمد بن عبد الله بن محمد، المستدرک على الصحيحين، دار الفكر بيروت، 1411ھ
- ذهبی، شمس الدين محمد بن احمد، سير أعلام النبلاء، دار الحديث- القاهرة، 2006ء
- رازی، فخر الدين، مفاتيح الغيب (تفسيرِ کبیر) دار إحياء التراث العربي - بيروت، 1420 ھ
- القشیری ،ابوالقاسم عبدالکریم،بن هوازن، الرساله القشيريه، داراحياءالتراث العربی،بيروت، ط- 1419،
- القشیری، عبدالکریم بن هوازن، لطائف الاشارات (تفسير القشيري) الهيئة المصرية العلميه للكتاب، مصر
- کلاباذی، محمد بن ابراهيم، کتاب التعرف، تصوف فاونڈیشن لاهور، 1998
- مسلم بن حجاج،صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي بيروت،1375ھ
- مشکوٰة المصابيح، قدیمی کتب خانه، کراچی،

- الواحدی، علی بن احمد، نیسابوری، الوسیط في تفسیر القرآن المجید، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1994ء،

اردو کتب

- اردو دائرہ معارفِ اسلامی، دانش گاہِ پنجاب، پنجاب یونیورسٹی لاہور، 1986ء
- اردو لغت تاریخی اصولوں پر، اردو لغت بورڈ کراچی، 1987ء
- الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ط- 1999ء
- اصلاحی، امین احسن، تزکیہ نفس، فاران فاونڈیشن، لاہور، 1994ء،)
- اصلاحی، امین احسن، تزکیہ نفس، فاران فاونڈیشن ، لاہور، 1994ء جلد 1،
- انجم سلطان شہباز، اولیائے پنجاب، ور گو پبلشرز لاہور، 2011ء
- انسئکلو پیڈیا آف اسلام، برل پبلیشرز، 1954، ج4 ص1025
- انصاری، محمد عبدالحق، ڈاکٹر، تصوف و شریعت، (مترجم: مفتی محمد مشتاق تجاروی) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی، 2008ء،
- اینا سفوروا، برصغیر کے اولیاء اور ان کے مزارات، (مترجم: محمد ارشد رازی) س۔ن
- آرنلڈ، تھامس واکر، پریچنگ آف اسلام، مترجم: شیخ عنایت اللہ) محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور
- باہو، سلطان محمد، ابیاتِ باہو، العارفین پبلیکیشنز 2003ء
- بھٹی، امان اللہ، اسلام کا خانقاہی نظام، مکتبہ دار السلام، 2008ء
- پروفیسر حامد علی خان، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، 1975ء،
- توکلی، نور بخش، تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ، مشتاق بک کارنر، لاہور،
- ٹونکی، ولی حسن، مفتی، تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان، عثمانیہ بک ڈپو، حیدر آباد،
- جامی، عبدالرحمٰن، نفحات الانس، شبیر برادر لاہور، 2002ء
- جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، مترجم (محمد ایوب قادری) اردو سائنس بورڈ لاہور، 1989ء
- جیلانی، عبدالقادر، شیخ، غنیۃ الطالبین، (مترجم: مبشر حسین لاہوری) نعمانی کتب خانہ لاہور، س۔ن

- چشتی، شبیر حسین، سیرتِ خواجہ محمد گیسودراز، عظیم اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، 2002ء،
- چشتی، محمد مرید احمد، فوز المقالی خلفاء پیر سیال، ادارہ تعلیماتِ اسلاف، لاہور، 1997ء
- حارثی، محمد بن عطیہ، قوت القلوب، مترجم: (محمد منظور الوجیدی) شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور،
- حامد، حامد خان، تذکرہ حضرت سخی سرور، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، 1975ء
- حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، مترجم (محمد ایوب قادری) اردو سائنس بورڈ لاہور، 1989ء،
- حسین محی الدین، ڈاکٹر، اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء
- حقانی، عبد الحق، تفسیر فتح المنان (تفسیرِ حقانی)، میر محمد کتب خانہ کراچی،
- خاور سہروردی، یادگارِ سہروردیہ، میسرز نذیر سنز پبلیشرز، لاہور، 1999ء
- خباز، ملّا حسین، نقشبندی، معمولات حضراتِ نقشبندیہ، (مترجم: ملک فضل الدین نقشبندی)، سنی لیٹریری سوسائٹی، لاہور، 1996ء
- دریا آبادی، عبد الماجد، تفسیرِ ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی،
- دریا آبادی، عبد الماجد، تصوفِ اسلام، اسلامک بک فاونڈیشن لاہور، 1980ء
- دہلوی، سید احمد، فرہنگِ آصفیہ، مطبع رفاہ عامہ پریس، لاہور، 1908ء
- دہلوی، شاہ ولی اللہ، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، عباسی کتب خانہ کراچی،
- دہلوی، شاہ ولی اللہ، رسائل شاہ ولی اللہ، (مترجم) سید محمد فاروق القادری، تصوف فاونڈیشن، لاہور،
- دہلوی، شاہ ولی اللہ، ہمعات، (مترجم: پروفیسر محمد سرور) سندھ ساگر اکادمی لاہور، 1946ء،
- دہلوی، عبد الحق، شیخ، اخبار الاخیار، (مترجم مولانا محمد فاضل) مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی،
- دہلوی، مرزا محمد اختر، تذکرہ اولیائے برصغیر پاک وہند، ملک اینڈ کمپنی، لاہور، 1989ء
- ڈاکٹر اسرار احمد، حقیقتِ تصوف، انجمن خدام القرآن لاہور، 2003ء
- رب نواز، صوفی، کنز العرفان فی شان زندہ پیر صاحبؒ، دربار عالیہ گھمکول شریف کوہاٹ،
- سلیمانی، نجم الدین، مناقب المحبوبین، مکتبہ محمدی لاہور، 1992ء
- سنجری، امیر حسن علاء، فوائد الفواد، (مترجم: خواجہ حسن نظامی) منظور بک ڈپو، دہلی، 1992ء،
- سہروردی، محمد نعیم طاہر، تذکرہ مشائخ سہروردیہ قلندریہ، زاویہ پبلیشرز لاہور، 2005ء

- سیال، واحد بخش، روحانیتِ اسلام، بزمِ اتحاد المسلمین، 1408ھ
- سیّال، واحد بخش، روحانیتِ اسلام، بزمِ اتحاد المسلمین لاہور، 1408ھ،
- سید شبیر احمد کاکا خیل، فہم التصوف، شعبہ نشر و اشاعت خانقاہ امدادیہ راولپنڈی،
- سید عبدالقادر شاہ، سلوکِ مجدّدیہ، مینار بک ڈپو سیلز اینڈ پبلیشرز، حیدر آباد،
- شاہ ولی اللہ، القول الجمیل، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 1970ء
- شطاری، محمد غوثی، گلزارِ ابرار، (مترجم: فضل احمد جیوری) مکتبہ سلطان عالمگیر، لاہور، 1427ھ
- شمیم زیدی، ڈاکٹر، احوال و آثار شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، 1974ء،
- شہاب، مسعود حسن، اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور، س-ن
- شہزادہ دارالشکوہ قادری، سفینۃ اولیاء، مترجم (محمد علی لطفی) نفیس اکیڈمی کراچی، 1975ء
- شیخ محمد اکرم، آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1992ء
- شیرازی، حافظ، دیوانِ حافظ، پروگریسو بکس، لاہور، س۔ن
- صابر آفاقی، جلوۂ کشمیر، مشتاق بک کارنر، لاہور، 1988ء
- صارم، عبدالصمد، تاریخِ تصوف، جید برقی پریس دہلی، س-ن
- عباسی، افضال، اولیائے ہند و پاک، نئی دہلی، 1998ء
- عبدالرحمان، منشی، آہینہ ملتان، مطبوعہ اشراف المعارف، ملتان، 1972ء
- عبدالرحمن چشتی، مراۃ الاسرار، بزمِ اتحاد المسلمین لاہور، 1412ھ
- عبدالرحمٰن چشتی، مراءۃ الاسرار، ضیاء القرآن پبلیشرز، لاہور، 1993ء،
- عطار، فریدالدین، تذکرۃ الاولیاء، فاروق بک ڈپو، لاہور، مئی 1997ء
- غزالی، ابو حامد محمد، احیاء العلوم، مکتبہ رحمانیہ لاہور،
- غزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، منہاج العابدین، (مترجم: مولانا محمد سعید نقشبندی) حفیظ بک ڈپو، دہلی، 1973ء
- فاروقی، سلطان احمد، مولانا، تذکرہ اولیائے چشت، ادارہ قمر الاسلام لاہور
- فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مشتاق بک کارنر، لاہور، 2008ء
- فریدی، مولانا نور احمد خان، تذکرہ حضرت بہاوایدین زکریا ملتانی، قصر الادب ملتان، 1957ء

- فریدی، مولانا نور احمد، تاریخِ ملتان، قصرِ ادب پبلیشرز ملتان، 1972ء
- فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو جامع) فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور
- فیض احمد، مولانا، مہر منیر، گولڑہ شریف اسلام آباد، 2004ء
- فیض احمد، مولانا، ملفوظاتِ مہریہ، مطبع پاکستان انٹر نیشنل پرنٹر لمیٹڈ، لاہور، 1997ء
- قادری محمد ایوب، ڈاکٹر، حیات و تعلیمات سید جلال الدین بخاری، مرکز معارف اولیاء دربار حضرت داتا گنج بخش لاہور، محکمہ اوقاف پنجاب، جولائی 2011ء
- قادری، عبد الحکیم، شرف، تذکرہ اکابرِ اہلسنت، نوری کتب خانہ، لاہور، 2005ء
- قادری، محمد ایوب، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی
- قادری، محمد دین، تذکرہ مشائخِ قادریہ، مکتبہ نبویہ، لاہور، 1975ء
- قادری، محمد ریاض، غوث والاغیاث، قرطاس پبلیشرز لاہور
- قادری، حسین محیّ الدین، ڈاکٹر، اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء
- قاسمی، وحید الزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات لاہور، 2001ء
- قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ اولیائے سندھ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1959ء،
- قصوری، محمد صادق، تاریخ مشائخ نقشبند، زاویہ پبلیشرز، 2009ء
- قصوری، محمد صادق، تذکرہ نقشبندیہ خیریہ، کتب خانہ خیریہ، پشاور، 2007ء
- ابنِ قیم، کتاب الروح، نفیس اکیڈمی، لاہور، 1898 ء
- کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن، مکتبہ المعارف حسینیہ، ط- 1419ھ
- کرمانی، سید محمد مبارک (امیر خورد)، سیر الاولیاء، (مترجم: غلام احمد بریاں) مشتاق بک کارنر، لاہور، س۔ن
- کلیم، محمد دین، چشتی خانقاہیں اور سربراہان برصغیر، مکتبہ نبویہ، لاہور، 1990ء
- کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، تذکرہ صوفیائے بلوچستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1986ء
- کیلانی، عبد الرحمن، تیسیر القرآن، مکتبہ دار السلام لاہور، 1432ھ
- کیلانی، عبد الرحمن، مترادفات القرآن، مکتبہ الاسلام لاہور، 2009ء

- گیلانی، خورشید احمد، سیّد، روحِ تصوف، فرید بک سٹال، لاہور، 1981ء
- گیلانی، محمد اولاد علی، سید، اولیائے ملتان، سنگِ میل پبلیشرز، لاہور، 1964ء
- لاہوری، غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، مکتبہ نبویہ لاہور، 1992ء
- مجدّدی، محمد اقبال، تذکرہ علماء و مشائخِ پاکستان و ہند، پروگریسو بکس لاہور، 2013ء
- محمد ادریس، ڈاکٹر، انوارِ طریقت، مکتبہ طیبہ، سہارنپور، س-ن
- اقبال، علامہ محمد، تشکیل جدید الہیاتِ اسلام، اسلامک بک سنٹر، دہلی، 1986ء
- محمد اکرم، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، 1992ء
- محمد اکرم، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 2005ء
- محمد حفیظ الرحمن، ڈاکٹر، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ (عرب سے ہندوستان تک)، شاکر پبلی کیشنز، لاہور، 2014ء
- محمد دینِ کلیم، لاہور میں اولیائے نقشبندیہ کی سرگرمیاں، مکتبہ تاریخ، لاہور، ستمبر 1986ء
- محمد ریاض، ڈاکٹر، ایران کبیر و ایران صغیر، جنِ ایران کمیٹی، مظفر آباد،
- محمد سعید، ڈاکٹر، تاریخِ سہروردیہ، گیلانی پرنٹرز کراچی، 2001ء
- محمد شاہد، اولیاء اللہ، علم دوست پبلی کیشنز، لاہور، س-ن
- محمد شفیع، ڈاکٹر، مقالاتِ دینی و علمی، مجلسِ ترقی ادب، لاہور،
- محمد معصوم، خواجہ، مکتوبات، (فارسی) مترجم: نسیم احمد فریدی، مکتبہ سراجیہ، ڈیرہ اسماعیل خان،
- مفتی، محمد شفیع، دل کی دنیا، نکتبہ معارف القرآن کراچی، س-ن
- مناقبِ سلطانی، ترجمہ: سلطان حامد، حسن اسٹیم پریس، لاہور، س-ن
- منتخب التواریخ، ملا عبد القادر بدایونی، (مترجم: ڈاکٹر علیم اشرف خاں) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2008ء
- مہاجر مکی، حاجی امداد اللہ، کلیاتِ امدادیہ، دار الاشاعت کراچی، س-ن
- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، 2001ء
- میمن، عبد المجید، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2000ء

- ندوی، ابوالحسن علی، تاریخِ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، لکھنؤ، جولائی 2006ء
- ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، س۔ن،
- نصیر الدین چراغ دہلوی، خیر المجالس، ناشر: واحد بک ڈپو کراچی، س-ن
- نظام الدین اولیاءؒ، ملفوظاتِ باباب فرید الدین مسعود گنج شکر، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1406ھ
- نظام یمنی، لطائفِ اشرفی،، نصرت المطابع دہلی، 1299ء
- نظامی، خلیق احمد، سلاطینِ دہلی کے مذہبی روجحانات، الجمعیہ پریس دہلی، 1958ء
- نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور
- وارث شاہ، سیّد، ہیر وارث شاہ، (مترجم: پروفیسر حمید اللہ ہاشمی) شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، 2000ء
- ہاشمی، حمید اللہ، احوال وآثار حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، تصوف فاونڈیشن لاہور، 2000ء
- ہاشمی، حمید اللہ شاہ، میڈا عشق وی توں، (شرح کلام حضرت خواجہ غلام فرید) مکتبہ دانیال، لاہور، 2001ء
- ہجویری، عثمان بن علی، کشف المحجوب، (مترجم: سید محمد احمد قادری) مکتبہ شمس وقمر، لاہور، 2012ء

مقالات

- غلام یحیٰ انجم، برصغیر میں سلسلہ قادریہ کی ترویج واشاعت، مجلہ فکر ونظر اسلام آباد، ج33 شمارہ2 ,1995
- قریشی، عبدالجبار، پاکستان میں سلسلہ چشتیہ کی دینی وعلمی خدمات، پی ایچ ڈی مقالہ 2005ء
- قریشی، بشیر علی، سلسلہ سہروردیہ کے پاکستان میں مراکز اور اشاعتِ دین میں ان کے کردار کا تحقیقی جائزہ، (پی ایچ ڈی مقالہ) جامعہ کراچی 2007ء

انگریزی کتب

- Giving at Shrines in Pakistan, Monograph Series 1, Pakistan center for Philanthropy, august 2016,
- Nizami, khaleeq ahmed, Some aspects of religion and politics in India during the thirteenth century, Aligarh Muslim university , 1961,
- An Introduction to the history of Sufism, A-J Arberry, Longmans, Green and Co, London
- 12:- The Doctrine of the Sufis, A-J Arberry, Cambridge university press London, 1935
- 13:- Mstical Dimensions of Islam, Annemarie Schimmel, The University of North Carolina Press Chapel Hill, 1975
- 14:- The Saying and Teachings of the Great Mystics of Islam, M. Riaz Qadri, Abbasi publications Gujranwala, 2004

ویب سائٹس

https://auqaf.punjab.gov.pk/shrines

https://arazud.sindh.gov.pk/list-of-dargahs-mosques

http://auqaf.kp.gov.pk/page/shrines

https://www.bbc.com/urdu/pakistan

https://auqaf.punjab.gov.pk/funds-raising

https://auqaf.punjab.gov.pk/services

https://www.mimc.edu.pk

http://www.senate.gov.pk/uploads/documents.

https://www.express.pk/story/

https://miu.edu.pk